سلسلۂ مطبوعات مجلس تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ (نمبر ۱)

سودا

مقالہ تحقیق شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

جس میں مرزا محمد رفیع سوداؔ کی حیات اور تصانیف
و کلام پر مفصل تحقیقی و تنقیدی بحث کی گئی ہے

از

شیخ چاند ایم اے - ال ال بی (عثمانیہ)

ناشر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

سنہ ۱۹۳۶ ع
سنہ ۱۳۴۵ ف

قیمت غیر مجلد ۲ روپے آٹھ آنے اور مجلد تین روپے کلدار



(۱) شیخ چاند مرحوم ایم، اے، ایل، ایل، بی

فہرستِ مضامین

تعارف

جامعۂ عثمانیہ میں علمی تحقیق کو فروغ دینے کے لیے ہر سال چند ایسے طلبہ کو جو ایم - اے ' ایم - ایس سی یا ایل ایل بی میں اعلیٰ درجے میں کامیاب ہوتے ہیں اور جن میں تحقیق کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے مختلف علوم و فنون میں تحقیقی کام انجام دینے کے لیے وظائف دیے جاتے ہیں - ان وظائف کے متعلق چند امور کا تصفیہ اور جامعہ میں تحقیقی کام کی عام نگرانی اساتذہ کی ایک مجلس کے تفویض ہے جو مجلس تحقیقات علمیہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کے صدر نائب معتمد امیر جامعہ ہیں شیخ چاند صاحب ایم - اے ' ایل ایل بی (عثمانیہ) کو مجلس مذکور کی سفارش پر ہندوستان کے مشہور شاعر و ادیب مرزا محمد رفیع 'سودا' کی حیات اور تصانیف و کلام پر تحقیق کرنے کے لیے وظیفہ دیا گیا تھا - صاحب موصوف نے اپنا کام بہت محنت اور عمدگی سے انجام دیا اور اپنے نتائج کو ایک مقالے کی صورت میں پیش کرکے مجلس تحقیقات علمیہ سے تعریف اور تحسین حاصل کی - یہ مقالہ اب مجلس کی منظوری اور اجازت سے شائع کیا جاتا ہے تاکہ اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ' لائق مصنف کی محنت سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں —

مجلس پروفیسر مولوی عبدالحق صاحب صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ کا جن کی نگرانی میں یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے شکریہ ادا کرتی ہے —

معتمد مجلس تحقیقات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

قطعۂ تصنیف

(مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی - ایم - اے)

سودا کو تم نے زندہ کیا اس جہان میں
پھر جان ڈالی شاعری کے پہلوان میں

چار حصوں میں یہ چار مقالہ نہیں لکھا
ہیں چار چاند اردو کے یہ آسمان میں

تحریر منشیانہ تو تقریر منطقی
طرز مورخانہ سراسر بیان میں

آزاد شبلی حالی و شروانی سب کے تیر
مارے ہدف پہ رکھ کے ہلالی کمان میں

دیباچۂ مصنف

۱۹۳۰ ء میں جب میں نے ایم - اے کا امتحان کامیاب کیا تو " تحقیقات علمیہ " کی جماعتوں کے افتتاح کی تجویز صورت پذیر ہو رہی تھی - طلبہ سے درخواستیں طلب کی جا رہی تھیں - مخدومی مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ نے شعبۂ اردو کے لیے میری ان الفاظ میں سفارش فرمائی —

" شیخ چاند صاحب ایم - اے کی درخواست آپ کی خدمت میں مرسل ہے یہ اردو زبان کے متعلق تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں - ان کے مقالے کے لیے میں نے " سودا " کا کلام تجویز کیا ہے - ایم - اے کے درجے میں جتنے طالب علم ہیں ان سب میں شیخ چاند صاحب اس کام کے لیے نہایت موزوں ہیں - سودا کے کلام کے متعلق اب تک کوئی مقالہ یا کتاب تحقیق و تنقید کے اعتبار سے نہیں لکھی گئی - یہ کام اگر دو سال میں پورا ہو گیا تو بہت قابل قدر ہوگا - شیخ چاند صاحب یہ کام میری نگرانی میں کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت خوبی اور سلیقے سے انجام دیں گے - ان کو ادب سے خاص ذوق ہے اور تحقیقی و تنقیدی صلاحیت رکھتے ہیں " —

اس تجویز سے مجھے بڑا رنج ہوا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ موضوع مجھے بہت ہی معمولی اور محدود نظر آیا۔ میں مولوی صاحب قبلہ کی تجویز کے مقابلے میں لب کشائی کی جرأت نہ کرسکا اور با دل ناخواستہ خاموشی کے ساتھ قبول کرلیا۔ پہلے میں نے وہ تمام تحریریں اور کتابیں جو 'سودا' کے متعلق بآسانی دستیاب ہوسکیں پڑھ لیں اور 'سودا' کی حیات وشاعری کا ایک خاکہ بنالیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ 'سودا' پر حقیقتاً بہت کم کام ہوا ہے اور یہ میدان بہت وسعت رکھتا ہے۔ مختلف مباحث رونما ہونے لگے۔ میں نے ان کے لحاظ سے مسالا جمع کرنا شروع کیا۔ دو سال اس کام کے لیے مجھے دیے گئے تھے۔ یہ مدت میں نے فراہمی مواد میں صرف کردی اور عین اس وقت جب کہ مقالہ کو شروع کرتا بیمار ہوگیا۔ چار ماہ تک فریش رہا اس کے بعد مولوی صاحب قبلہ نے تشدد آمیز تقاضے شروع کردیے اور آخر میں صاف لکھ دیا کہ اگر یہ کام تم نہیں کرتے ہو تو کہدو، میں سرکاری وظیفہ واپس کردیتا ہوں۔ میں بہت ناتواں ہوچکا تھا۔ چند صفحے بھی لکھنے کی تاب باقی نہ تھی۔ مجبوراً اس پر آمادہ ہوا۔ اپنے ایک دوست کو اس بات پر رضامند کیا کہ جو میں کہتا جاؤں وہ لکھتے جائیں۔ جمع شدہ مسالے اور مواد کی ترتیب و تبویب اور پورے مباحث ومضامین کی تہذیب زبانی ہوئی۔ اور اس طرح پورے مقالے کو

قلم سنبھال کر لکھنے کی نوبت نہ آئی - یہ کام ایک مہینے میں ختم ہوا - مقالے کے دوران طبع میں میں نے کہیں کہیں ترمیم ' حذف اور اضافے سے کام لیا ہے اور بعض ان کتب سے بھی استفادہ کیا ہے جو مقالے کی ترتیب کے بعد طبع و شایع ہوئی ہیں —

میں نے اس مقالے کے چار حصے کیے ہیں - پہلا حصہ تمہیدی ہے ' جس کے دو باب ہیں - پہلے باب میں سودا کے زمانے کے وہ تاریخی و معاشرتی حالات ہیں ' جن کا بھی اثر اس کی حیات و شاعری پر پڑا - دوسرا باب شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی پر ہے ' یہ سودا کے دور تک کی مختصر ادبی تاریخ ہے ' جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب سودا نے شاعری کو آغاز کیا تو اس وقت کیا ادبی و شعری رجحانات تھے ' اور اس کی ابتدائی شاعری پر اس کے کیا اثرات ہیں - دوسرا حصہ تحقیقی ہے - اس کے بھی دو باب ہیں - پہلے باب میں سودا کے سوانح حیات ہیں ' اور دوسرے باب میں اس کے کلام و تصانیف پر تحقیقی بحث ہے - اس باب میں کئی ذیلی ضمنی مباحث ہیں جو فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہوتے ہیں - تیسرا حصہ تنقیدی ہے - اس میں اکثر و بیشتر سودا کی اردو شاعری سے بحث کی گئی ہے اور ہر صنف نظم کو لے کر یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کی لفظی لسانی ' بیانی اور عروضی کیا کیفیت ہے اور خیال و مضمون کے

اعتبار سے اس کا کیا درجہ ہے - اسی حصے میں اس کی ہندی اور فارسی شاعری اور تصانیف سے بھی بحث کی ہے اور اس کی نظم و نثر پر تفصیلی تنقید کی ہے - چوتھا حصہ اختتامی ہے - اس کے دو باب ہیں - پہلے میں یہ بتایا ہے کہ زبان کے بنانے، سنوارنے اور پھیلانے میں سودا کی کیا کارگزاری ہے ؟ - اس حصے کے دوسرے باب میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے ادب میں سودا کو کیا اہمیت حاصل ہے - اس کے بعد ماخذوں کی فہرست ہے، جس میں خاص خاص کتابوں کے نام درج ہیں - بعض کتابیں جو زیادہ اہم نہ تھیں وہ اس میں شامل نہیں - سب سے آخر میں اشاریہ ہے - ہر حصے اور باب کی تفصیلی فہرست بھی دے دی ہے تاکہ ہر مضمون آسانی سے مل جائے - ترتیب و تبویب میں یہ خیال مدنظر رکھا ہے کہ صرف فہرست مطالب پر ایک نظر ڈالنے سے پورے مقالے کا ڈھانچا بے تامل و بآسانی سمجھ میں آجائے اور مصنف کے حدود موضوع اور طرز تحقیق و تنقید کا صحیح اندازہ ہوجائے —

اس موقع پر بڑی ناشکری ہوگی اگر میں "مجلس تحقیقات علمیہ" کے اس احسان کا ذکر نہ کروں کہ اس نے مجھے اس کام کے لیے منتخب فرمایا، مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کام کرنے کے لیے زمان و مکان کے قید و بند سے آزاد رکھا - ایک بات بطور اظہار واقعہ نہ کہ بطور شکایت یہ کہنی ہے کہ

میرے کام کے لیے جامعۂ عثمانیہ کا کتاب خانہ قطعاً بے سود ثابت ہوا - اس میں سوائے کلیات سودا کے ایک کرم خوردہ اور ناقص نسخہ کے کوئی کتاب قابل استفادہ نہ ملی اس کمی کو مخدومی مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ کی طلبہ نوازی اور دریا دلی نے پورا کردیا - موصوف نے کئی ہزار روپیہ خرچ کرکے میرے لیے بہت سی نادر اور نایاب قلمی کتابیں اور کلیات سودا کے نسخے خریدے اور انجمن ترقی اردو کے کتاب خانہ کی کنجیاں میرے حوالے کردیں - اگر ان کی یہ عنایت اور توجہ میرے حال پر مبذول نہ ہوتی تو شاید یہ مقالہ اس صورت میں کبھی پیش نہ ہوتا اور تعجب نہیں کہ مجھے اس موضوع سے دست بردار ہو جانا پڑتا —

مقالے میں وہ تصویر بھی لگادی گئی ہے جو انڈیا آفس کے مخطوطۂ کلیات سودا (نشان ۱۴۹) میں موجود ہے - اس تصویر کے متعلق مجھے شبہ ہے کہ آیا یہ سودا کی ہے یا رزیڈنٹ جانسن کی ' لیکن چونکہ مدون فہرست انڈیا آفس کا بیان ہے کہ غالباً یہ سودا ہی کی ہے اور خط و خال سے بھی یہ ہی واضح ہوتا ہے ' اس لیے میری رائے میں بھی وہ سودا ہی کی ہے —

مقدمہ

از

(پروفیسر عبدالحق، صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

مجلس تحقیقات علمیہ جامعۂ عثمانیہ کا یہ پہلا ادبی اور تحقیقی مقالہ ہے جو شایع کیا جاتا ہے - تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے یہ اس پایے کا مقالہ ہے کہ اگر کسی یونیورسٹی میں بھی پیش کیا جاتا تو قابل قبول ہوتا - اگرچہ یہ میری نگرانی میں لکھا گیا ہے لیکن جس محنت اور کد و کاوش اور تلاش سے شیخ چاند صاحب نے اسے مرتب کیا ہے اس کا حق انہیں کو پہنچتا ہے - علاوہ عام نگرانی کے اتنا البتہ میں نے اور کیا کہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور متعدد مطبوعہ کلیات اور دیوانوں کو چھوڑ کر سودا کے کلام کے تقریباً چھبیس قلمی نسخے اس کام کے لیے بہم پہنچاے - جن میں صرف دو نسخے معتبر تھے - ایک حبیب گنج کا نسخہ جس کے لیے میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا شکر گزار ہوں اور دوسرا انڈیا آفس کا - حبیب گنج والا نسخہ سودا کی حیات ہی میں مرتب ہوا تھا اس لیے اس میں پورا کلام نہیں ہے - انڈیا آفس کا نسخہ بہت مستند ہے کیونکہ یہ وہ

نسخہ ہے جو خود سودا نے اودھ کے رزیڈنٹ مسٹر جانسن کو بطور پیشکش دیا تھا۔ اس کے سرورق پر ایک تصویر بھی ہے جو غالباً سودا کی ہے اور اس مقالے میں جو تصویر دی گئی ہے وہ اسی کی نقل ہے —

اس مقالے کی جانچ کے لیے مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی سے درخواست کی گئی اور مولانا نے از راہ علم دوستی اسے منظور فرمایا - آپ نے مقالے کے مطالعے کے بعد جن الفاظ میں اس پر تبصرہ فرمایا ہے وہ مولف کے لیے نہایت حوصلہ افزا ہیں- اثنائے تبصرہ میں تحریر فرماتے ہیں —

" پورے مقالے کے مطالعے کے بعد میری یہ پختہ رائے ہے کہ شیخ چاند صاحب مقالہ نگار نے فراہمی مواد، مطالعہ، بحث اور ترتیب و بیان مطالب میں پوری کاوش اور محنت کی ہے اور اس طرح پوری تیاری کے بعد مقالہ لکھا ہے —

اظہار رائے میں تحقیق اور آزادی دونوں سے کام لیا ہے- ان کی رائیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا ذوق ادبی عمیق اور سلیم ہے —

فہرست مطالب شاہد عادل ہے کہ مقالہ نگار نے اپنے مضمون کے تمام پہلو بحث کے وقت پیش نظر رکھے ہیں- مقالے کے مطالعے نے برابر اس خیال کی تائید کی جو ابتداء فہرست مطالب دیکھنے سے وسعت بحث کی بابت قائم ہوا تھا —

یہ مقالہ اس قابل ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کو اس پر مبارکباد دی جائے کہ اس کی معارف پروری اور تربیت سے ایسا تحقیق پسند مقالہ نگار پیدا ہوا۔ میں اپنی محدود واقفیت کی بنیاد پر یہ کہنے کی جراءت کرسکتا ہوں کہ پی ایچ ڈی کی ڈگری پانے والوں میں بھی کمتر ایسا مقالہ لکھنے پر قادر ہوسکے ہوں گے۔

قابل مقالہ نگار نے اپنے مضمون کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک ممکن ہوا ہے تمام ضروری ماخذوں سے بخوبی کام لیا اور سودا کے کلام اور خصوصاً اس کی حیات پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔ اور بہت سی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا ازالہ اور بعض نئی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں ابھی تنقیدی نظر پختہ نہیں ہوئی اور تحقیق کے اسلوب سے لوگ بہت کم آگاہ ہیں اور ہیں تو اس کے لیے صبر و محنت کی تکلیف گوارا نہیں۔ مولف نے دونوں تک رسائی حاصل کی ہے۔ یوں تو یہ بات ان کے تمام مقالے میں جابجا پائی جاتی ہے لیکن جہاں جہاں انہوں نے غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا پردہ فاش کیا ہے وہاں ان کی تنقیدی نظر کی ضرور داد دینی پڑتی ہے۔ ایک معمولی غلطی یہ چلی آرہی ہے کہ سودا نے میر کے مرثیے پر اعتراض کیے ہیں اور اس کی زبان و بیان کی خوب علمی آرائی ہے یہاں تک کہ مولانا شبلی تک * اس غلطی

* دیکھو موازنۂ انیس و دبیر طبع اول ص ۱۱

میں مبتلا ہوگئے یہ ایک منظوم رسالہ ہے جو سودا کے کلیات میں شامل ہے - اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرثیے کا مصنف کوئی شخص متخلص بہ تقی ہے - میر نے کبھی اپنا تخلص تقی نہیں کیا- علاوہ اس کے اس رسالے پر حکیم اصلح الدین کا دیباچہ موجود ہے جس سے اس امر کی مزید تصدیق ہوتی ہے - اصل میں یہ ایک صاحب محمد تقی دہلوی عرف گھاسی تھے یا مثلاً یہ عام طور پر مشہور ہے اور تذکروں میں مذکور ہے کہ شجاع الدولہ نے بڑے اشتیاق سے سودا کو دہلی طلب کیا ' لیکن تحقیق کے بعد یہ غلط ثابت ہوتا ہے اس قسم کی متعدد غلطیوں کی اصلاح اس مقالے میں کی گئی ہے - دوسری قابل تعریف یہ بات ہے کہ ہر دعوے کے لیے سند اور حوالہ پیش کیا گیا ہے محض قیاس سے کام نہیں لیا گیا —

سودا کے کلیات اور دیوانوں کے جس قدر نسخے بہم پہنچائے گئے تھے ان سب کا مولف نے بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے - اس سے ایک تو بہت سی لفظی غلطیاں درست ہوگئیں اور دوسرے کام کی یہ بات معلوم ہوئی کہ مطبوعہ نسخوں میں بہت سا کلام الحاقی ہے ' یعنی ان کے بعض شاگردوں اور خصوصاً قایم کا کلام ان میں شریک کردیا گیا ہے - اور بہت سا ایسا کلام بھی ہے جو ان نسخوں میں داخل ہونے سے رہ گیا ہے - اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ سودا کے کلیات کا صحیح نسخہ مرتب

کر کے شایع کیا جائے —

مقالے کی ترتیب بھی میری راے میں بہت معقول ہے پہلا حصہ تمہیدی ہے جس میں سودا کے زمانے کے تاریخی و معاشرتی حالات اور ماحول سے بحث کی ہے جس کا اثر سودا کی شاعری پر پڑا - اسی حصے میں یہ بھی دکھایا ہے کہ سودا نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت ہماری شاعری کی کیا حالت تھی - دوسرے حصے میں سودا کے سوانح حیات اور کلام و تصانیف پر تحقیقی بحث ہے - تیسرا حصہ تنقیدی ہے اس میں سودا کی اردو شاعری سے بحث کی گئی ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کی شاعری کا ہمارے ادب میں کیا درجہ ہے - چوتھے یعنے آخری حصے میں اس امر پر بحث ہے کہ سودا نے زبان کے بنانے میں کیا کام کیا ہے اور ہمارے ادبیات میں سودا کو کیا اہمیت حاصل ہے —

آخر میں ماخذوں کی فہرست اور ان معتبر و مستند کتابوں کے نام بقید سنین و اسماے مصنفین درج ہیں جن سے مقالہ نگار نے استفادہ کیا ہے —

مولف کا طرز بیان سادہ ' مدلل اور متین ہے - اور اپنے مطالب کو اچھے پیرائے اور اچھی زبان میں ادا کیا ہے جو اس قسم کی تحریروں کے لیے خاص طور پر موزوں ہے —

مجھے مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب کی اس راے سے

کامل اتفاق ہے کہ "پی - ایچ ڈی - کی ڈگری پانے والوں میں بھی کمتر ۔ ایسا مقالہ لکھنے پر قادر ہونگے" ۔

یہ مقدمہ چھپنے کے لیے مطابع کو دے دیا گیا تھا کہ اتنے میں یہ افسوسناک خبر پہنچی کہ شیخ چاند کا انتقال ہوگیا ہے ۔ اس سے اس کے تمام عزیزوں اور دوستوں اور خاص کر مجھے بے حد صدمہ ہوا ۔ وہ بہت ہونہار اور قابل نوجوان تھا اور آیندہ اس سے بہت سی توقعات تھیں ۔ اس کا ذوق ادب بہت اچھا تھا ' اردو ادب میں اس کی معلومات وسیع تھیں ' تحقیق و تنقید کی نظر رکھتا تھا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی محنت اور شوق سے حاصل کیا تھا ۔ اگرچہ یہ مقالہ اس کے سامنے ہی چھپ چکا تھا لیکن افسوس کہ وہ اس کی اشاعت نہ دیکھ سکا اور جیسا کہ اس کا ارادہ تھا وہ اس کا اشاریہ (انڈکس) تیار نہ کر سکا ۔

عبدالحق



(۲) مرزا سودا

۱

سیاسی و معاشرتی حالات

ہمیں اُس پر آشوب تاریخی دور سے بحث کرنی ہے جو شہنشاہ عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے شروع ہوتا ہے اور ۱۱۹۵ھ پر ختم ہوتا ہے۔

عالمگیر کی وفات ہی سے مغلوں کی عظیم الشان سلطنت کی طنابیں کٹنے لگی تھیں یہاں تک کہ ۱۱۲۴ھ تک یکے بعد دیگرے چار بادشاہ سریر آرا ہوئے۔ چوتھا فرخ سیر تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ الوالعزم مغلوں کا تخت و تاج بارھہ کے سیدوں کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے جہاندار شاہ کو شکست دے کر فرخ سیر کو تخت پر بٹھایا تھا۔ وہ سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک ہو رہے تھے۔ بادشاہ برائے نام تھا اور اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی۔ کچھ ہی عرصے میں بادشاہ کو اُن سے رنجش ہوئی۔ معاملہ یہاں تک بڑھا کہ انہوں نے اندھا کر کے زندان میں قتل کر دیا۔ مرزا بیدل کا مشہور تاریخی مصرع ہے —

سادات بوے نمک حرامی کردند

۱۱۳۱ھ

اسی سال رفیع الدرجات کو تخت نشین کیا اور اسی سال اس

کے بھائی رفیع الدولہ کو تاج پہنایا ، یہ بھی اسی سال فوت ہوا - یہ زمانہ سیدوں کے عروج و اقبال کے ملتہا کا تھا - سات مہینے کے عرصے میں اُنہوں نے چار بادشاہ تخت پر بٹھائے - اِن میں چوتھا محمد شاہ قابل ذکر ہے جو سترہ سال کی عمر میں ۱۱۳۱ ھ میں تخت نشین ہوا - یہ بھی اس لائق نہ تھا کہ سلطنت کی ڈھتی ہوئی عمارت کو سنبھال سکے- اس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مختلف صوبے خود مختار ہوتے گئے اور سلطنت کے حدود گھٹتے گئے ، حکومت بے جان تھی اور صرف ڈھانچا رہ گیا تھا -

تفصیل اس کی یہ ہے کہ محمد شاہی دور کی ابتدا میں جب کاردان اور لائق اُمرا نے سادات بارھہ کی تباہ کن کارستانیوں، سفاکانہ خود غرضیوں اور بے رحمانہ دست درازیوں کا عالم دیکھا تو اُن کے درپئے استیصال ہوئے - دوسرے اُمرا اور خصوصاً نظام الملک اور اُن کے چچازاد بھائی میر محمد امین خاں نے اُن کا زور توڑا ، یہاں تک کہ ۱۱۳۳ ھ کے بعد ہی اُن کا بظاہر نام لیوا بھی نظر نہ آتا تھا - ۱۱۳۳ ھ میں وزارت میر محمد امین کو ملی، اُن کے بعد ۱۱۳۴ ھ میں آصف جاہ کو - یہ بادشاہ کی نا اہلی اور غفلت کا رنگ دیکھ کر دکن سدھارے اور وہاں اپنی نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۱۱۳۶ ھ میں خود مختار تسلیم کی گئی - مملکت ہند کے بائیس صوبوں سے دکن کے چھ صوبے شاہی تصرف سے باہر ہوگئے - ادھر سعادت خاں برہان الملک نے اودھ کے علاقے پر قبضہ جمالیا - صوبہ جات بنگال و بہار اُڑیسہ بھی خود مختار ہوگئے - ان کے علاوہ چھوٹے موٹے علاقوں کے حاکم بھی خود سر ہوتے گئے -

روھیل کھنڈ وغیرہ کا علاقہ روھیلوں نے دبا لیا - سیدوں نے اپنی طرف داری

وامداد کے صلے میں بھرت پور کے جاتوں کو اُبھارا تھا وہ بھی اس علاقے پر متصرف ہوگئے - فرخ آباد کے علاقے پر بنگش خاندان خود مختار ہو رہا تھا - مرھٹوں نے مالوے اور گجرات کو لوٹا اور اپنی اولوالعزمانہ تاخت و تاراج کو آگرے کے دروازے تک وسعت دی - دھلی بھی اُن کی لوٹ مار کی دسترس سے نہ بچ سکی —

اِسی زمانے (۱۱۵۱ ھ) میں نادر شاہ نے حملہ کیا - محمد شاہ دو لاکھ کی فوج سے مقابلے کو گیا، شکست اُٹھائی - دونوں میں صلح ہوئی - چار کروڑ روپیہ تاوان جنگ کا بار محمد شاہ نے برداشت کرنے کا وعدہ کیا اور ادائے تاوان تک دارالسلطنت دھلی پر نادری قبضہ تسلیم کرلیا —

نادری سپاھی شہر میں گھوم رہے تھے کہ پہاڑ گنج کے دوکان داروں سے کسی بات پر آن بن ہوگئی - اس بلوے میں نادر شاہ کے قتل ہونے کی افواہ اُڑ گئی - بلوائیوں کا جوش اور بڑھ گیا - نادر شاہ نے بلوے کو فرو کرنے کی کوشش کی، خود چاندنی چوک میں کوتوالی چبوترے کے قریب سنھری مسجد میں پہنچا - کسی نے اُس پر گولی چلادی، نشانہ خطا گیا - اُس کی جان تو بچی لیکن اس قدر غضب ناک ہوا کہ قتل عام کا حکم دے دیا - تمام شہر میں قیامت برپا تھی صبح کے آٹھ بجے سے شام کے تین بجے تک قتل و غارت کا بازار گرم تھا - نادری سپاھیوں نے وہ ستھراؤ کیا کہ ایک لاکھ سے اُوپر جانیں تلف ہوگئیں، جن میں کئی بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے بھی تہ تیغ ہوگئے - شہر کے گلی کوچے مردوں سے اٹے پڑے تھے - جدھر نظر اُٹھتی تھی نعشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے،

گھر گھر کہرام مچا ہوا تھا لیکن اس حالت میں بھی ظالم فاتح نے اپنے بیٹے کی شادی عالمگیر کی پوتی سے رچائی۔ تاوان جنگ اور فدیۂ قتل کے معاملات طے ہونے میں کئی دن لگ گئے - چار کروڑ روپے کے ساتھ نادر شاہ تخت طاؤس بھی لے گیا - لوٹ کا مال اس کے سوا تھا - جب نادر شاہ دھلی سے روانہ ہوا اور پہلی منزل پر تمام اسباب غنیمت کا جائزہ لیا تو اسی کروڑ کا تخمینہ ہوا —

مال سے زیادہ جان کا نقصان ہوا - دھلی سوگوار تھی ' گلی کوچے بھیانک ' دراز نے اور سونے پڑے تھے یہ ایسا کاری گھاؤ لگا کہ اند مال نا ممکن ہوگیا - سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں او وہ خرابی پڑی کہ پھر تعمیر کی شرمندہ نہ ہوئی - مقتدر اور مدبر اُمرا بھی دربار سے کنارہ کش ہوگئے - برھان الملک تو عین ھنگامۂ نادری میں جاں بحق تسلیم ہوئے - نظام الملک نے بھی دکن کا رخ کیا - اُن کے ۱۱۳۶ ھ میں وزارت سے مستعفی ہونے پر میر فاضل خلف نواب محمد امین خاں وزیر ہوگئے تھے - جس وقت نادر شاہ کی آمد کا غلغلہ بلند ہونے لگا تو ۱۱۵۰ ھ میں آصف جاہ پھر حسب طلب دکن سے آگئے تھے ' لیکن اب حکومت کی خرابی کو دیکھہ کر پھر دکن واپس ہو گئے - وزارت پر میر فاضل دوبارہ بحال ہوئے - برھان الملک کی جگہ اُن کے داماد منصور علی خاں صفدر جنگ نے صوبۂ اودھ سے نادری تاوان کے لیے دو کروڑ روپیہ دے کر حاصل کی —

ابھی نادر گردی سے حکومت اور رعایا چور چور اور نڈھال تھی ھی کہ ایک دوسری بلا نازل ہوئی - محرم سنہ ۱۱۶۱ ھ میں احمد شاہ ابدالی لاھور کو فتح کرتا ہوا عازم دھلی ہوا - محمد شاہ بیمار تھا ' اپنے

بیٹے میرزا احمد کو قمرالدین خاں وزیر اور صفدر جنگ سپہ سالار کے ہمراہ کیا - ابدالی نے بھی لدھیانے سے گزر کر سرہند کو لوٹا - محمد شاہی فوج سرہند کے قریب پہنچ کر صف آرا ہوئی - پہلے تو قمرالدین خاں شہید ہوئے لیکن ابدالی کو شکست ہوئی - وہ لاہور سے چند بان ضبط کر کے لایا تھا ' نا واقفیت سے ان کو اُلٹا سر کیا جس سے اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور راہ فرار اختیار کرنی پڑی - محمد شاہی فوج کی کامیابی اتفاقی سمجھی گئی ' اسی لیے کسی نے " فتح خدا ساز " سے تاریخ (۱۱۶۱ ھ) نکالی ہے - اسی جنگ کے دوران میں محمد شاہ نے دہلی میں انتقال کیا - اُس کے اُمرا نے اُس کے بیٹے میرزا احمد کو احمد شاہ کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا - قمرالدین خاں کے مرنے پر صفدر جنگ کو وزارت ملی اور سادات خاں ذوالفقار جنگ کو میر بخشی گری ' اور اس کے بھانجے میر احمد علی خاں سیف الدولہ کو بخشی گری احدیاں - سادات خاں کو احمد شاہ نانا بابا کہتا تھا اس لیے کہ اُس کی لڑکی محمد شاہ سے بیاہی گئی تھی - سادات خاں کی طرف سے نواب بہادر جاوید خاں بادشاہی خواجہ سرا کینہ رکھتا تھا اس لیے ۱۱۶۴ ھ میں تین روز بادشاہی قلعے میں اُسے قید کر کے میر بخشی گری کی خدمت آصف جاہ کے بیٹے فیروز جنگ کو دی —

یہ انتظامات ابھی مکمل ہوئے ہی تھے کہ روہیلوں نے سر اٹھایا - صفدر جنگ نے ان کی سرزنش کی کوشش کی لیکن کوئی سود مند نتیجہ نہ نکلا - اُن کے استیصال کے لیے صفدر جنگ نے جاٹوں اور مرہٹوں کو بلایا تھا - تنخواہ شاہی خزانے سے دی جاتی تھی ' ملک کے محاصل ان کے

مصارف کی نذر ہو جاتے تھے اس لیے سلطنت اور ضعیف ہوتی گئی۔ ابھی اس سے فرصت ہوئی تھی کہ ابدالی دوسری بار ۱۱۶۲ھ میں چڑھ آیا۔ بادشاہ نے لاہور اور ملتان کے دو صوبے دے کر جنگ کی مصیبت سے نجات پائی۔ فیروز جنگ کو دکن جانا پڑا تھا جہاں اُن کے والد بزرگوار نے سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ اُنھوں نے اپنے نوعمر بیٹے میر شہاب الدین عماد الملک کو نیابت میر بخشی گری دی اور صفدر جنگ کے سپرد کیا۔ برہان پور میں ان کا انتقال ہوا، عماد الملک کو میر بخشی گری عطا ہوئی اور باپ کا خطاب بھی ملا۔ صفدر جنگ نے بادشاہی خواجہ سرا نواب بہادر کو دغا سے قتل کر دیا۔ اس کے قتل نے ذرا برھمی پیدا کر دی۔ اس کے کئی متوسلین اور طرفدار تھے، چنانچہ میر تقی میر اور دوسرے کئی شعرا بھی اس سے توسل رکھتے تھے۔ صفدر جنگ کی طرف سے بادشاہ کے بھی دل میں میل آیا۔ نواب عماد الملک نے یہ حال دیکھا تو صفدر جنگ کے نائب موسوی خاں کو جو میر آتشی کے کام پر مامور تھا قلعے سے باہر نکال دیا اور اس کے تعلقے پر خان دوران کے بوتے کا تقرر کیا۔ صفدر جنگ نے موسوی خاں کی بحالی کی بڑی کوشش کی، بادشاہ نے کہا کوئی دوسرا تعلقہ مانگو۔ اس نے عماد الملک کو بدل کر میر بخشی گری پر سادات خاں ذوالفقار جنگ کو جو فیروز جنگ سے قبل اس خدمت پر مامور تھا مقرر کرایا۔ لیکن بادشاہ کو اُس کی طرف سے سرگرانی پیدا ہوچکی تھی عماد الملک نے اُس کے اقتدار کو توڑنے اور اثر و قوت کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ چھ مہینے تک اُس سے برسرپیکار رہا۔ ملہار راؤ ہلکر کو مالوے سے اور جے اپا کو ناگپور سے اپنی کمک کو بلایا۔

ان کے پہلچلے سے قبل ہی صفدر جنگ سے مصالحت ہوگئی - صفدر جنگ کو صوبہ داری اودھ کے تعلقے پر جانا پڑا اور اس کے ساتھ سادات خاں کو بھی - لیکن ان دو مرہٹہ سرداروں سے مل کر عمادالملک نے سورج مل جاٹ پر فوج کشی کی - جاٹوں کے تین مستحصن قلعوں کمھیر، ڈیگ اور بھرت پور کا محاصرہ کیا اور بادشاہ سے توپیں طلب کیں، لیکن انتظام الدولہ وزیر خلف اعتماد الدولہ نے جو عماد الملک کا ماموں تھا بادشاہ کو توپ خانہ بھیجنے سے باز رکھا - عاقبت محمود خاں، مدارالمہام عمادالملک نے جو توپ خانے کی درخواست لیکر بادشاہ کے حضور میں آرہا تھا، بادشاہی منصب داروں اور توپ خانے کے ملازموں کو اپنا موافق بنا لیا اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ انتظام الدولہ کے اقتدار کی جڑ کاٹ دی جائے - مقررہ روز اس کے مکان پر حملہ کیا لیکن فوراً ہی راہِ گریز اختیار کی - خالصۂ بادشاہی اور منصب داروں کی جاگیر میں لوٹ مار مچائی - بادشاہ نے اُسے بلایا وہ فوراً حاضر ہوا اور پھر خورجہ واپس ہوگیا - ادھر سورج مل جاٹ اہل محاصرہ کے ہاتھوں تنگ و تاراج اور تباہ و برباد ہو رہا تھا، اُس نے بادشاہ کے حضور میں امداد کی درخواست کی - بادشاہ نے شکار اور انتر بید (دوآبہ) کے نظم و نسق کا بہانہ کیا اور سورج مل جاٹ کی امداد کو چلا - سکندرہ میں خیمہ زن ہوا - ھلکر نے سوچا کہ بادشاہ نے توپ خانہ بھیجنے سے پہلوتہی کی ہے اس میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے، اور اب جب کہ وہ دارالسلطنت سے باہر نکل گیا ہے تو اس کا سامان رسد روک دینا اور تنگ کر کے توپ خانہ حاصل کرنا چاہیے - عمادالملک اور جے آپا کو

اطلاع کیے بغیر خود ھی چل دیا - متھرا کے راستے سے دریاے جمنا کو عبور کیا اور بادشاھی لشکر کے قریب قریب پہنچ گیا - یہ وھاں اُسی شب پہنچا جب کہ عاقبت محمود خاں بادشاہ کے حضور میں باریاب ھو کر خورجہ واپس جا رھا تھا - ھلکر نے اول شب چند بان سر کیے - بادشاھی لوگوں نے غلطی سے عاقبت محمود خاں کی شرارت پر محمول کیا اور امرِ سہل جان کر کچھ پروا نہ کی - آخر شب یہ معلوم ھوا کہ ھلکر ھے تو ھاتھوں کے طوطے اُڑ گئے' نہ تو استعدادِ جنگ کر سکتے تھے اور نہ فکرِ فرار - احمد شاہ' اس کی ماں اور صمصام الدولہ میر آتش پسر امیرالامرا خان دوران نے احمال و اثقال کو چھوڑ چھاڑ چند آدمیوں کے ساتھ دھلی کی راہ لی - عمادالملک کو خبر ھوئی تو وہ سورج مل کے محاصرے کو چھوڑ دھلی روانہ ھو گیا - سورج مل سے بادشاہ کی سازش اور عہد و پیمان کا اُسے علم ھو گیا تھا - دوسرے اُمراے بادشاھی کو بھی بادشاہ کی یہ حرکت ناگوار ھوئی - عمادالملک نے اُن سے سازش کر کے اور خصوصاً صمصام الدولہ میر آتش سے مل کر انتظام الدولہ سے وزارت چھین لی - صمصام الدولہ کو امیر الامرائی پر مامور کیا اور ۱۰ شعبان روز یکشنبہ سنہ ۱۱۶۷ھ کی صبح کو خلعتِ وزارت پہنا اور اُسی روز بوقت اِستوا احمد شاہ اور اس کی ماں دونوں کو قید کر دیا - عزیزالدین خلف جہاں دار شاہ کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا - ایک ھفتے کے بعد احمد شاہ اور اس کی ماں کو جو اِس اختلال اور فتنے کی جڑ تھے اندھا کر دیا - میر محمد حسین کلیم کا فقرہ ھے: " کل کے دن تھے بادشاہ ھور وزیر آج کے دن ھو بیٹھے اندھے بصیر - ایسی دولت سے زینہار زینہار

فاعتبروا یا اولی الابصار" - کچھ دنوں بعد صوبۂ پنجاب کے انتظام کی غرض سے عمادالملک نے لاہور کا قصد کیا - یہاں معین الملک کو شاہ درانی نے حاکم مقرر کیا تھا، اُس کی وفات کے بعد اُس کی اہلیہ متصرف تھی - عمادالملک نے عالمگیر ثانی کو تو دھلی میں چھوڑ دیا اور شہزادہ عالی گہر کو نوزکی پر مقرر کر کے ھانسی و حصار کے راستے لاہور روانہ ھوا - یہاں اھلیۂ معین الملک کو جو کمال غفلت میں تھی قید کیا - یہ عمادالملک کی ممانی تھی اور نیز اُس کی لڑکی اُس سے نامزد تھی - اُس کو معزول کر کے لاہور کی صوبہ داری آدینہ بیگ کو تیس لاکھ روپے کے بدلے سپرد کی اور دھلی واپس ھوا - شاہ درانی کو جب یہ خبر ھوئی تو قندھار سے یاشلہ کوب لاہور پہنچا - یہ دیکھتے ھی آدینہ بیگ نے راہ فرار اختیار کی - درانی نے دھلی کا رخ کیا اور شہر سے بیس کروہ کے فاصلے پر علم افراز ھوا - عمادالملک بےسرو سامانی کی حالت میں تھا، مجبوراً درانی سے ملا - اُس نے پہلے تو بڑے عتاب کا اظہار کیا لیکن مسماۃ مسطور اور اپنے وزیر اشرف الوزرا شاہ ولی خاں کی سفارش سے چھوڑ رھا - پیش کش کے اقرار سے وزارت بھی بحال رھی - درانی نے جہان خاں کو سورج مل کے قلعوں کی تسخیر کے لیے مقرر کیا - عمادالملک نے بھی اُس کا ساتھ دے کر بڑے کار نمایاں انجام دیے ، جس سے شاہ درانی بہت خوش ھوا - جب وزارت کی بحالی کے لیے پیش کش کا مطالبہ ھوا تو عمادالملک نے کہا کہ خاندان شاھی سے دو شہزادے اور درانی فوج میرے ساتھ کی جائے میں دو آبے سے زر خطیر وصول کر کے داخل سرکار کرتا ھوں - درانی نے دو شہزادے دھلی سے طلب کیے اور اپنے ایک سردار جاں باز خاں

کے حوالے کر کے عمادالملک کے همراہ کیا - ان کے ساتھ عمادالملک نے کمال بے سرانجامی میں دریاے جمنا کو عبور کیا اور احمد خاں بنگش کے مسکن فرخ آباد کا عزم کیا - احمد خاں نے بڑا شان دار استقبال کیا - خیمے، خرگاہ، هاتھی اور گھوڑے شہزادوں اور عمادالملک کو پیش کش میں دیے - وهاں سے نکل کر گنگا کو عبور کیا اور صوبۂ اودہ کا رخ کیا - شجاع الدولہ ناظم اودہ آمادۂ جنگ لکھنٔو سے نکلا اور صوبۂ اودہ کی سرحد سانڈی پالی کے میدان میں پہنچ گیا - طرفین کے قراولوں میں دو بار لڑائی ہوئی لیکن آخر کار سعداللہ خاں روهیلے کی وساطت سے پانچ لاکھ روپے پر صلح هوئی - عمادالملک نے شہزادوں سمیت سنہ ۱۱۷۰ ھ میں میدان سے کوچ کیا اور فرخ آباد پہنچا - اِدھر درانی کے لشکر میں وبا پھیل گئی تھی - وہ حوالیِ اکبر آباد سے گزر کر اپنی ولایت کو واپس جا رہا تھا - جس روز دهلی کے مضافات میں پہنچا تو عالمگیر ثانی نے نجیب الدولہ کے ساتھ اُس سے مقصود آباد کے تالاب پر ملاقات کی اور عمادالملک کی شکایتوں کا دفتر کھول دیا - درانی نے نجیب الدولہ کو امیر الامرائی کا منصب دیا اور لاهور روانہ هوگیا - عمادالملک اس نئے امیر الامرا کی فکر میں فرخ آباد سے عازم دهلی هوا، هلکر کو دکن سے بلایا اور بالاجی کے بھائی رنگ ناتھ راؤ کو لے کر دهلی کا محاصرہ کیا - بادشاہ اور نجیب الدولہ محصور هوے - ۴۵ روز تک توپ اور دهکلہ کی جنگ ہوتی رهی - یہ ایسی سخت جنگ تھی "کہ اکثروں کے دل هل گئے، قیامت برپا هوگئی، رؤسا کا رنگ فق هوگیا" * - آخر کار

---

* ذکر میر --

هلکر نے نجیب الدولہ سے زبردست رشوت لی اور صلح کی طرح ڈالی -
اُس کو مع اثقال و احمال قلعے سے باہر نکالا ۔ اپنے خیمے کے پاس جگہ دی
اور اُس کے علاقے میں بھیج دیا - دتا سردار نے عمادالملک کی طرف سے
اس کو شکرتال میں محصور کرکے عمادالملک سے کمک طلب کی - لیکن
اُس نے اِدھر توجہ نہیں کی بلکہ سلطنت کے جز و کل مہمات کو اپنے ہاتھ
میں لے لیا - اپنے ماموں انتظام الدولہ سے خوش نہیں تھا اور عالمگیر
ثانی سے بھی دل صاف نہیں رہا تھا اس لیے خان خاناں کو جو محبوس
تھا قتل کر دیا اور اسی روز (۸ ربیع الآخر پنجشنبہ سنہ ۱۱۷۳ ھ)
عالمگیر ثانی بھی شہید ہوگیا - اس کی بجائے محی الملت، عالمگیر کے پر پوتے
کو شاہ جہاں ثانی کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا - اس کے بعد دتا کی
کمک کو روانہ ہوا - اِنہیں ایام میں درانی کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا - دتا نے
شکرتال کا محاصرہ اٹھا لیا اور درانی کے مقابلے کے لیے سرہند کی طرف روانہ
ہوا - عمادالملک دہلی واپس آیا - شاہ درانی کی فوج کے غلبہ کے آثار
رونما ہونے لگے - یہ رنگ دیکھ کر نئے بادشاہ کو دہلی میں چھوڑ دیا اور
خود سورج مل جاٹ کے ہاں مدت تک ٹھہرا رہا - اس عرصے میں
نجیب الدولہ جواں بخت پسرِ عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ کو توزکی پر مقرر
کرکے دہلی میں حکومت کرنے لگا - عمادالملک وہاں سے فرخ آباد گیا اور
شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر جنگ اہل فرنگ میں لڑا - یہاں ہزیمت
اُٹھائی تو جاٹ کے علاقے میں چلا گیا - ۱۱۸۷ ھ میں دکن گیا اور وہاں
سے سورت اور مکۂ معظمہ - حج سے واپس آیا تو آخر تک کالپی میں رہا -
بہر حال شاہ درانی کے اس حملے کے وقت ہی سے اُس کے سیاسی اقتدار

میں زوال آگیا اور اس کے بعد اس کی شخصیت کا کوئی اثر ملکی سیاسیات پر باقی نہ رہا ۔

شاہ درانی کا یہ وہ مشہور حملہ ہے جس نے مرہٹوں کے قوت وزور' اولوالعزمانہ تاخت و تاراج' حوصلہ مندانہ جوش اور حاکمانہ امنگوں کا خاتمہ پانی پت کے میدان میں کر دیا ۔ لیکن اس کے ساتھ دھلی کی جو خرابی و بربادی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے ۔ اِس تباہی کے متعلق میر صاحب اپنے چشم دید حالات اس طرح بیان کرتے ہیں:—

"شام کو منادی ہوئی کہ بادشاہ نے امان دے دی ہے ۔ لوگ مطمئن تھے کہ تھوڑی رات گئے غارت گروں نے دستِ تطاول دراز کیا' شہر کو آگ لگادی' مکانوں کو لوٹا اور جلا کر بھسم کر دیا ۔ صبح ہوئی' صبح کیا تھی صبح قیامت تھی ۔ بادشاہ اور روھیلوں کی فوج چڑھ آئی اور قتل و غارت شروع کر دیا ۔ دروازے توڑے' آدمیوں کو زنجیر بند کیا' اکثروں کو جلایا اور سر تن سے جدا کیا' ایک عالم کو خاک و خون میں نہلایا ۔ تین دن تک شبانہ روز ستم رانی سے ہاتھ نہیں اٹھایا ۔ کوئی چیز خوردنی و پوشیدنی نہیں چھوڑی ۔ چھتیں ڈھادیں' دیواریں گرادیں' جگر سوختہ اور سینہ خستہ کیا ۔ وہ زشت سیرت درو بام پر درآئے' اکابرِ شہر کو بے ننگ و ناموس اور شیوخ کو تباہ حال کر دیا ۔ بزرگ پانی کو ترستے تھے' گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں پر عرصۂ دنیا تنگ تھا ۔ وضیع و شریف عریاں

تھے اور پردہ نشین بے خاناں - اکثر بلا میں گرفتار تھے اور رسوائے کوچہ و بازار - صدہا آدمی خدا گیر تھے اور عورتیں اور بچے اسیر - شہر پر بلاؤں کا ہجوم تھا اور قتل و غارت عام - عزیزوں کا حال ابتر ہوگیا - بہت سے جاں بلب ہوگئے' ظالموں نے کاری زخم لگائے' فحش و دشنام کے لیے زبان دراز کردی - روپیہ پیسہ لیتے تھے اور لوہے کی سلاخیں دکھا کر ڈراتے تھے' جس کسی پر ہاتھ ڈالا ستر کو محتاج کردیا - ایک عالم اس عالم سے ناشاد گیا' ایک دنیا کی ناموس برباد گئی - نئے شہر کو تباہ و تاراج کر کے برابر کر دیا - تیسرے روز نسق مقرر ہوا - انزلا خاں نسق چی باشی آیا - اُس کے سپاہی کلاہ اور صدریاں پہنے ہوئے تھے - الحاصل قد غنچیوں نے غارت گروں کو شہر سے باحتیاط نکال دیا لیکن وہ سفاک قدیم شہر میں گھس پڑے - ایک دنیا کو ہلاک کر دیا - سات آٹھ دن یہ خوں ریز ہنگامہ گرم رہا - پوشش ستر اور قوتِ یک روزہ کسی کے گھر میں باقی نہ رہی - مردوں کے سر بے کلاہ اور عورتیں بے رومالِ سیاہ ہوگئیں" * —

دہلی کی تباہی کے بعد درانی نے شاہ جہان ثانی کو معزول کر کے ۱۱۷۴ھ میں جواں بخت بن شاہ عالم بن عالمگیر ثانی کو تخت نشین کیا - اور جب مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر دلی

* ترجمہ از ذکرِ میر —

واپس آیا تو ایلی اور اپنے بیٹے کی شادیاں شاہی خاندان کی لڑکیوں سے رچائیں - اور شاہ عالم کو جو بنگالے کی طرف چلا گیا تھا، جواں بخت کی جگہ بادشاہ مقرر کیا اور اُس کے بیٹے جہاندار شاہ کو ولی عہد اور شجاع الدولہ کو وزیر —

۱۱۷۴ ھ کے بعد سے شاہ عالم کی آخیر مدت حکومت (۱۲۰۲ ھ) تک اہم جنگی مہمات کا خاتمہ ہوگیا - خود سلطنت ضعیف ہو گئی تھی اور ہرگز اِس لائق نہ تھی کہ جنگ و جدل کا بار اُٹھا سکے - شاہ عالم کے زمانے میں دو تین لڑائیاں ہوئیں - ایک ۱۱۷۵ ھ کی جنگ ہے جس میں شجاع الدولہ نے نواح کالپی کا علاقہ اور قلعۂ جھانسی کو مرہٹوں سے لے لیا تھا - دوسری جنگ بنگالہ ہے، جو شجاع الدولہ اور انگریزوں کے مابین ہوئی اور جس میں اول الذکر کو شکست ہوئی - دوسری مرتبہ پھر انہیں فریقوں میں بکسر کی مشہور لڑائی ہوئی اس مرتبہ بھی شجاع الدولہ کو شکست فاش ہوئی - یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن جگہ جگہ حکام اور عمال خود سر اور خود مختار ہو گئے تھے - دکن کے چھ صوبے تو بہت پہلے ہی سے مطلق العنان تسلیم کر لیے گئے تھے - آودہ اور بنگال بھی خود مختار ہو گئے - بنگال تو انگریزوں کے دستِ تصرف سے زیادہ دنوں نہ بچ سکا البتہ دکن اور آودہ کو خوب فروغ ہوا - آخر الذکر کو شمالی ہند کی تاریخ میں بطور خاص دخل ہے - اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر حکام قابض و متصرف تھے - اُن کی حالت بھی کم و بیش مطلق العنان والیانِ ملک کی سی تھی - اب مغلیہ قلمرو سے عبارت دھلی اور اس کے اطراف کے اضلاع تھے - بنگال و دکن

کے وسیع و عریض صوبوں کے قطعِ نظر حسب ذیل ریاستیں ہمارے مضمون کے اعتبار سے قابلِ ذکر ہیں —

اودھ — اودھ کے پہلے صوبہ دار برھان الملک تھے - اُن کے زمانے میں اُن کا علاقہ ضلع لکھنؤ کے علاوہ روھیلکھنڈ، گورکھپور، بنارس اور الہ آباد کے اضلاع کے کچھ حصے تھے - مستقر اُن کا لکھنؤ ہی تھا ۔ ان کے بعد صفدر جنگ صوبہ دار ہوئے جو برھان الملک کے بھانجے اور داماد تھے - صفدر جنگ کی وفات پر ۱۱۶۷ ھ میں شجاع الدولہ ان کے بیٹے مسند نشین ہوئے جنہوں نے ۱۱۸۸ ھ تک حکومت کی - ان کا مستقر فیض آباد تھا - انہوں نے ابتداءً بادشاہِ دھلی کی طرف سے انگریزوں سے لڑائیاں کیں لیکن مسلسل شکستیں اُٹھائیں، اور جب بادشاہِ دھلی انگریزی کمپنی کا وظیفہ خوار ہوگیا تو یہ بھی اپنے صوبے کے انتظام میں مشغول ہوگئے - انگریزوں کی مدد سے اپنے علاقہ کا بندوبست کیا - ان کے زمانے میں انگریزوں کا اثر اور عمل دخل بڑھنے لگا - اِن کا کچھ حال گزشتہ اوراق میں آچکا ہے - یہ بڑے شوقین مزاج تھے - فیض آباد کو بالکل دھلی کے نمونے پر آباد کر رہے تھے، اھلِ کمال کے قدر دان تھے اور ماھرینِ فنون کو اپنے دربار میں بڑی عزت سے دعوتیں دے دے کر بلاتے تھے ۔ ۱۱۸۸ ھ میں اُن کی وفات پر ان کے بیٹے آصف الدولہ تخت نشین ہوے - انہوں نے اپنا مستقر فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو قرار دیا اور اس کی تزئین و آرائش میں بہت سا روپیہ پیسہ خرچ کردیا - کئی عمارتیں بنائیں، مسجدیں اور پل تعمیر کرائے، بڑا امام باڑا جو تعمیراتی عظمت و شان کا عمدہ نمونہ ہے انہیں کی یادگار ہے - اس سے متصل ایک

مسجد بنائی اور رومی دروازہ تعمیر کرایا - ایک بہت بڑا محل بلوایا جس میں رزیڈنسی تھی - شہر سے باہر بیبیا پور کا محل شکار کے زمانے میں قیام کے لیے تعمیر کرایا - اِن کے زمانے میں دھلی ' فرخ آباد ' ٹانڈہ اور دوسرے شہروں کے با کمال صاحبانِ فن لکھنئو پہنچنے لگے - یہ سب کی قدر کرتے تھے اور روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہاتے تھے —

فرخ آباد

فرخ آباد میں محمد خاں بنگش کی اولاد حکمراں تھی - محمد خاں ابتدا میں ایک جمعدار تھا' سادات بارھہ نے بادشاھی نوکری سے روشناس کرایا - ترقی کرتے کرتے قایم جنگ کا خطاب پایا - ۱۱۴۳ ھ میں صوبہ دارِ مالوہ ہوگیا تھا - اس کے بعد اس کا بیٹا فوج داریء فرخ آباد پر مامور ہوا - اس نے صفدر جنگ وزیر کے اِیما سے بریلی کے پٹھان سردار سعداللہ‌خاں ولد علی‌محمد خاں سے جنگ کی اور مارا گیا - احمد شاہ بادشاہ نے صفدر جنگ کی سفارش پر فرخ آباد بارہ مواضعات کے ساتھ اس کی ماں کے حق میں بطور انعام آل تمغا بحال رکھا ' اور نول رائے کو تحصیل ذی وصول یابی کے لیے مقرر کیا - قایم خاں کے بھائی احمد خاں نے اس سے جنگ کی جس میں نول رائے مارا گیا - صفدر جنگ نے یہ ماجرا سنا تو احمد خاں سے ۱۱۶۳ ھ میں تیغ آزما ہوا - اس مقابلے میں صفدر جنگ زخمی ہوا ' دوسرے سال پھر چڑھائی کی' اس مرتبہ احمد خاں عاجز ہوگیا اور مجبوراً صلح کرلی - احمد خاں بہت ہر دل عزیز حاکم تھا - دھلی کے سیاسی انقلابات سے وہاں کے جو اُمرا ' شرفا اور اھلِ کمال فلاکت اور تباھی کے شکار ہو جاتے تھے ' اُن میں سے اکثر اس کی سرکار میں پناہ لیتے تھے - یہ ہر ایک کے ساتھ

مر بیانہ برتاؤ کرتا تھا اور بے تکلیف نوکری ہر ایک کے گھر ماہوار پہنچا دیا کرتا تھا۔ دہلی کے کئی ممتاز اور ذی عزت امیر اور رئیس اس کی سرکار سے وابستہ تھے - دو سال اندھا رہ کر ۱۱۸۵ ھ میں انتقال کیا —

کٹھیر | عالمگیر کی وفات کے بعد بریلی کے مقتدر ہندوؤں نے خود مختاری حاصل کرلی تھی لیکن جو بہت جلد خانہ جنگیوں کا شکار ہو گئی۔ اِس افراتفری میں ایک نئی مسلمان سیاسی طاقت پیدا ہوگئی - علی محمد خاں روہیلہ پٹھانوں کا سردار تھا - اُس نے بریلی اور مرادآباد کے حاکموں کو شکست دی اور خود کٹھیر علاقے کا حاکم بن بیٹھا - ۱۱۵۴ ھ کے قریب اُس نے کمایوں سے لے کر الموڑہ کے علاقے تک فتح کرلیا - تقریباً دو سال بعد محمد شاہ نے اُس پر فوج کشی کی - وہ گرفتار کر کے دہلی لایا گیا - لیکن چونکہ بادشاہی اُمرا میں سے بعض اُس کے طرفدار تھے اس لیے جلد زنداں سے رہا ہو گیا - اور ۱۱۵۸ ھ میں کٹھیر کی پرانی خدمت پر واپس بھیج دیا گیا - ۱۱۶۲ ھ میں اس کا انتقال ہوا - اس کے لڑکوں کا اتالیق حافظ رحمت خاں روہیلکھنڈ کا حاکم مقرر ہوا - صفدر جنگ نوابِ اودھ نے قایم خاں فرخ آبادی کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا جس نے شکست کھائی اور قتل ہو گیا - حافظ رحمت خاں نے شمال میں پہلی بھیت اور ترائی تک کا علاقہ فتح کرلیا - صفدر جنگ نے بڑا غضب کیا کہ قایم خاں کا اسباب اس کے قتل کے بعد لوٹ لیا - مقتول کا بھائی احمد خاں روہیلوں سے مل گیا اور انتقام کے طور پر نول رائے دیوانِ صفدر جنگ کو شکست دی - الہ آباد کا محاصرہ کیا اور اودھ کے

ایک حصے پر قبضہ کر لیا - صفدر جنگ نے مرہٹوں سے امداد لی اور احمد خاں اور روہیلوں کو آنولہ کے قریب فتح گڑھ اور بسولی کے مقامات پر شکست دی - پہاڑیوں کے دامن میں ان کو چار مہینے تک گھیرے رہا کہ اس اثنا میں احمد شاہ درانی کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا - دونوں فریق صلح پر مجبور ہوگئے - اس صلح کی رو سے حافظ رحمت خاں کو روہیلکھنڈ کا خود مختار حاکم تسلیم کر لیا گیا —

نواب شجاع الدولہ کی مسند نشینی (۱۱۶۶ ھ) کے بعد حافظ رحمت خاں شاہی افواج سے نواب کے خلاف لڑائی میں مل گیا - نواب نے پانچ لاکھ روپے سالانہ کی رقم کا لالچ دے کر شاہی افواج کی کمک سے اُسے باز رکھا - اس نے ۱۱۷۷ ھ کی پانی پت کی جنگ سے فائدہ اٹھایا اور اِٹاوہ کو زیر نگیں کیا - ان پر آشوب ایام میں جب کہ شجاع الدولہ انگریزی قوت کے خلاف برسر پیکار تھا ، اس نے اپنے شہروں کے لیے مضبوط حصاریں تعمیر کرائیں اور قلعے بنائے - ۱۱۸۶ ھ میں نجیب الدولہ نے مرہٹہ لشکر کے ساتھ ، جو سندھیا اور ہلکر کی ماتحتی میں تھا ، حافظ رحمت خاں کے خلاف فوج کشی کی - روہیلے مجبور ہوگئے کہ چالیس لاکھ روپے دے کر گلو خلاصی کریں ، شجاع الدولہ چالیس لاکھ کی رقم کا ضامن ہوا - اِس رقم کے بدلے مرہٹوں نے روہیلکھنڈ کو خالی کیا - روہیلوں نے شجاع الدولہ کو رقم ادا نہیں کی ، شجاع الدولہ چپکا بیٹھا رہا - لیکن جب اُس کو مرہٹوں سے نجات ملی تو فوراً فوج کشی کی تیاری شروع کردی - وارن ہیسٹنگز سے رسالہ مستعار لیا اور لڑائی شروع کر دی ، اِس جنگ میں حافظ رحمت خاں مارا گیا - علی محمد خاں کا لڑکا فیض اللہ

شمال میں بھاگ گیا جہاں وہ روہیلوں کا سردار ہو گیا تھا - کئی معاہدوں کے بعد اُس نے ایک صلح نامہ لکھ دیا جس کی رو سے ۱۷۷۴ ع میں پندرہ لاکھ سالانہ کے نو پرگنے قبول کر لیے اور روہیلکھنڈ کا بقیہ علاقہ شجاع الدولہ کو دے دیا —

جب ہم اس زمانے کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک ڈراؤنا اور بھیانک منظر دکھائی دیتا ہے ۔ ملکی اور سیاسی امور میں اس قدر اختلال پیدا ہو گیا تھا کہ مغلوں کی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی - اس کا اثر عام معاشرتی اور تمدنی حالات پر بہت برا پڑا - تمام ملک میں عام طور سے اِفلاس اور بد امنی تھی اور خصوصاً پایۂ تخت دھلی کی حالت نہایت زبوں تھی - کسی طبقے کا کوئی شخص خوش اور مطمئن نہیں تھا ' مالی خرابی اور کم زوری کے ساتھ جان و مال اور عزت و ناموس کی تباھی نے عام طور سے لوگوں کو بد حال کر دیا تھا - تمام ملک اور خصوصاً شہر دھلی کنگال اور مفلس ہو گیا تھا ' خواب و خور حرام اور امن و اطمینان خواب و خیال تھا - اُمرا سازشوں اور خود غرضیوں میں گرفتار تھے - شریفانہ خصائل اور اعلیٰ خصائص ان سے رخصت ہو رہے تھے - ملک اور سیاست کی باگ کم لیاقت اور نا اھل مصاحبوں کے ھاتھ میں تھی - فوجوں کی حالت بھی بہت گئی گزری ہو گئی تھی - نہ تو سواری کے گھوڑے اچھے تھے اور نہ ان کی وردی میں کچھ حال تھا - گھوڑے مرجھیرے ' کوتل اور لباس دریدہ اور بوسیدہ ' سپاھی تنخواہ سے مہینوں محروم رہتے تھے - وہ بیچارے

اثاثہ بیچ حتیٰ کہ ڈھال تلوار تک بنیے کے ہاں رہن رکھ دیتے تھے اور بڑی مشکلوں سے زندگی کے دن کاٹتے تھے - صناع اور کاریگر بے روزگار ہوتے جا رہے تھے - ان کی مصنوعات کو اِفلاس نے کس مپرسی اور گم نامی سے روشناس اور قدر دانی سے محروم کر دیا تھا - یہی حال مزارعین کا تھا - علما و فضلا اپنے علم و فضل کو کوڑیوں کے مول بیچتے پھرتے تھے لیکن کوئی پوچھتا نہ تھا - قدر و منزلت اور عزت و احترام کی بجائے بے اِلتفاتی اور بے توجہی اور اغماض و تغافل کام میں لائے جاتے تھے - شاعر بیچارے عجب کش مکش اور گومگو میں تھے - جہاں کسی نواب یا امیر کو ذرا بھی فرصت نصیب ہوئی اور اُس نے شاعروں کو جمع کرنا شروع کیا - کچھ ہی دنوں میں اُس کا رنگ بگڑا تو شاعروں کی پوری جماعت بے روزگار ہوگئی - سرپرست اُمرا کے تغیر و تبدل اور سیاسی عروج و اقبال نے اُن کو اپنے مداحین کی خاطر خواہ سرپرستی نہ کرنے دی - نواب بہادر خواجہ سرا قتل ہوا تو میر تقی میر اور دوسرے شعرا بے سہارا ہوگئے - عمادالملک کے پاے اِقتدار میں لغزش آئی تو سودا اور دوسرے کئی شاعر بے روزگار ہوگئے —

مالی کمزوری نے عام اخلاقی معیار بھی گھٹا دیا تھا اور مسلسل و متواتر جنگوں کے دھچکوں نے لوگوں کے سامنے ایک خوف ناک خونیں منظر اور دنیا کی بے ثباتی کا ہولناک نقشہ کھڑا کر دیا تھا - اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کی معاشرت، تمدن اور اخلاق ہر چیز پر یاس و ہراس چھا گئے اور زندگی کے ہر شعبے پر قنوطیت اور خوف و رجا کا رنگ جم گیا - علوم و فنون پر اوس پڑگئی اور ان کے ماہرین کے

دل و دماغ خوشی و مسرت کے نور سے محروم ہو گئے —

دہلی کے سیاسی انقلابات میں شعرا کے قدم اُکھڑے تو وہ پہلے فرخ آباد پہنچے - یہاں احمد خاں بنگش کی عمل داری تھی - دہلی کے کئی شعرا، علما اور اُمرا اُس سے توسل رکھتے تھے - اُس کا انتقال ہوا اور اُس کی اولاد اپنا سیاسی اِقتدار قایم نہ رکھ سکی تو تمام متوسلین بے یارومددگار ہو گئے اور سب فیض آباد اور لکھنؤ سدھارے۔ کٹھیر کے علاقے میں نواب علی محمد خاں کی حکومت تھی اس کا بیٹا محمد یار خاں "امیر" شاعر تھا اور شاعروں کی بڑی دریادلی سے قدر کرتا تھا - اس کی سرکار سے کئی شعرا وابستہ تھے - اس کی سیاسی قوت میں زوال آیا تو رچی رچائی محفل کی بساط اُلٹ گئی اور تمام افراد منتشر ہو گئے - اب شمالی ہند میں بس لکھنؤ ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں سیاسی انقلابات کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا تھا اور ایک حد تک یکسوئی اور اطمینان نصیب تھا - وہاں کے والی بڑے سخی اور قدردان تھے - اہلِ کمال سے قدر دانی کا سلوک کرتے تھے - ملک کی تمام آمدنی کے وہ بلا شرکت غیرے مالک تھے - جس طرح چاہتے تھے بے دریغ خرچ کرتے تھے - یہ سب کچھ تھا لیکن ملک کی حالت بری تھی - اِفلاس و تباہی کا گھن لگ چکا تھا اور زوال و اِنحطاط کی بلائیں نازل ہو رہی تھیں -

---

اِن حالات میں جب ہم اُردو شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو اُس کو اور بھی زیادہ تھترا ہوا دیکھتے ہیں - شاعروں کا فرقہ تو یوں بھی بیکار اور نکما سمجھا جاتا ہے - کوئی امیر اس وقت تک شاعروں کی

طرف متوجہ نہیں ہوتا جب تک کہ اُسے ملکی و سیاسی معاملات کی طرف سے کامل اطمینان نہیں ہو جاتا، اور پوری فرصت اور فراغت حصے میں نہیں آتی - اِس یاس انگیز، پژمردہ، نازک اور انقلاب آفرین دور میں شاعروں کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا - یہ بیچارے در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور ناکام و نامراد زندگی کے دن کاٹتے تھے —

اِس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی عام شاعری کا جائزہ لیا جائے اور شمالی ہند اور دہلی کی اُردو شاعری کی مختصر تاریخ بیان کردی جائے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اس دور سے قبل اُردو شاعری کی کیا حالت تھی اور اس زمانے میں اس نے کیا رنگ اختیار کیا —

۲

شمالی ہند میں اُردو شاعری کی ابتدا و ترقی

شمالی ہند میں اُردو شاعری کا باضابطہ آغاز در اصل بارھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوا ہے - اس میں شبہ نہیں کہ عالمگیر کی وفات کے پس و پیش ایسے شعرا گزرے ہیں جن کے اشعار تذکروں میں مل جاتے ہیں - چنانچہ موسوی خاں فطرت، خواجہ عطا، جعفر، بیدل وغیرہ ایسے شاعر ہیں جن سے چند شعر منسوب ہیں - اُسی زمانے (۱۱۰۵ ھ) میں اسمعیل امروھی نے ایک مثنوی "تولدنامۂ بی بی فاطمہ" * لکھی ہے - اس کے سوا بعض شاعروں کا کلام بھی دستیاب ہوتا ہے لیکن یہ در اصل ایسی کوششیں تھیں جن کا مستقل اور پائدار اثر قائم نہ ہوسکا، اور ان شعرا نے شمالی ہند میں اُردو شاعری کے رائج کرنے میں کوئی قابل لحاظ مدد نہیں دی - شمالی ہند اور خصوصاً دھلی میں اُردو شاعری کے آغاز کی تاریخ عالمگیر کا چوالیسواں سنہ جلوس (۱۱۱۲ ھ) ہے - یہ وہ تاریخ ہے جس میں بقولِ قایم، ولی نے دھلی کا سفر کیا اور پہلی مرتبہ وھاں کے شاعروں کے حلقے میں اپنی

* کتب خانۂ مولوی عبد الحق صاحب —

ریختہ گوئی سے ہل چل ڈال دی - اور جب ۱۱۴۳ ھ میں بقول حاتم ٭
ولی کا دیوان دہلی پہنچا تو موزوں طبع شاعروں کو متاثر و متحرک
کر دیا - یوں تو دکنی شاعروں کے کلام سے شمالی ہند کے شاعر اس سے قبل
سے واقف تھے اور شمالی ہند کے بعض شاعروں کے کلام سے اس کی شہادت
بھی ملتی ہے - قائم ‡ (قائم چاند پوری سے قبل گزرا ہے) نے اپنے مرثیہ
میں قادر دکنی کا ذکر اس طرح کیا ہے: -

قایم کا آج ہند میں شہرا ہوا بلند دکھن میں اس کے شعر کہو قادرا سے تھیں

مخزن نکات (مولفہ ۱۱۶۸ ھ) میں لکھا ہے کہ پچاس سال قبل
شاہی دکنی کے مرثیے ہاتھوں ہاتھ دکن سے شمالی ہند پہنچتے تھے
اور عام طور سے پڑھے جاتے تھے لیکن ان کا کوئی بھی اثر نہ پڑ سکا - یہ
صرف ولی کے کلام کی کرامت تھی کہ اس نے شمالی ہند کے شاعروں کو
ریختہ کی طرف متوجہ و مائل کر دیا - اس کے مقلدین میں آبرو ' حاتم '
مضمون ' مظہر جانِ جاں ' احسن اللہ ' شاکر ناجی ' مصطفیٰ خاں
یکرنگ ایسے شعرا ہیں جو اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں - ولی کے تتبع
میں طبع آزمائی کرنے کا ذکر ان میں سے بعض نے کیا ہے چنانچہ حاتم
لکھتا ہے :- " در ریختہ ولی را استاد می داند " - آبرو کا ایک شعر ہے :-

آبرو شعر ہے ترا اعجاز گو ولی کا سخن کرامت ہے

یہ شاعرانہ تعلی ہے اس کا ذکر کرنا ہی اس کے اثر کو تسلیم کرنا ہے -
ولی کی تقلید سے اس کے مقلدین کے کلام میں ایک حد تک ہندی
کا عنصر غالب تھا - اس ہندی عنصر نے اس قدر شدت اختیار کر لی تھی

٭ تذکرۂ ہندی - ‡ حمید نے قائم برہانپوری لکھا ہے جو دوسرا شاعر معلوم ہوتا ہے -

کہ ایہام کا رواج ہوگیا - ایہام کی بنیاد اِسی ہندی عنصر پر قایم ہوئی - بقول آزاد " سنسکرت میں ایک لفظ کے کئی معنی ہیں اسی واسطے اس میں اور برج بھاشا اس کی شاخ میں ذو معنین الفاظ اور ایہام پر دوہروں کی بنیاد ہوتی تھی - فارسی میں یہ صنعت ہے مگر کم - اردو میں پہلے پہل شعر کی بنا اِسی پر رکھی گئی" - ظاہر ہے کہ ایہام کا التزام ایک مصنوعی اور غیر فطری فعل تھا جس نے عام شاعری اور خصوصاً غزل کو اثر اور سادگی کے جوہر سے محروم کر دیا - اس میں مضامین کے ادا کرنے سے بڑھ کر ذو معنی الفاظ کے استعمال پر شاعر کی پوری قوت اور زور صرف ہو جاتا تھا ' اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کلام بےکیف اور بےلطف ہو جاتا تھا اور عام قبولیت حاصل کرنے سے محروم - اس دور کے اساتذہ کا کلام اُٹھاکر دیکھیے تو شاعرانہ صناعی اور ہنر مندی پر حرف رکھنے کو جگہ نہیں لیکن سادگی اور اثر کافور ہیں ' الفاظ کا ذخیرہ بافراط موجود ہے اُن کے استعمال اور معانی کے مختلف پہلو روشن ہیں ' عالمِ لسانیات اور محققِ لغات کےلیے اُن کا کلام بیش بہا ذخیرہ ہے ' لیکن کیف ولذت سے خالی ہے - اِبتداءً تو یہ طرز مقبول ہوئی لیکن بہت جلد یہ غیر فطری التزام و تصنع مردود ٹھہرا - ایہام گوئی کے مشہور علم بردار حاتم کو بھی یہ روش چھوڑنی پڑی چنانچہ جب سنہ ۱۱۶۹ ھ میں اپنے کلام کا انتخاب " دیوان زادہ " کے نام سے کیا تو پرانی طرز کے کلام کو خارج کر دیا اور لکھا ہے :—

کہتا ہے صاف و شستہ سخن بسکہ بے تلاش

حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

ایہام گوئی کے خلاف تحریک کا آغاز در اصل ان شعرا نے کیا جو ایہام گو اساتذہ کے بعد فوراً مجلسِ شاعری میں جلوہ افروز ہوے - اِن میں مظہر، سودا، میر اور درد وغیرہم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اِن کے دور میں قدیم روش شاعری یک قلم متروک ہوگئی - اس عہد کی ابتدا میں بھی ایک طبقہ ایسا موجود تھا جو ایہام گوئی کا قائل تھا اور شاعری میں اس اِلتزام کو ملحوظ رکھنے پر مٹا ہوا تھا - میر کا شعر ہے : —

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں اِیہام بھی نہیں

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اِن کے ابتدائی دور میں اِیہام کے ماننے والے موجود تھے اور اِس صنعت کو شعر کی دلچسپی اور لطف کا موجب سمجھتے تھے - اس دور کے بھی بعض شعرا نے اِس طرز پر طبع آزمائی کی ہے - سودا کی ایک غزل اِسی رنگ میں ہے، لیکن اُس نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ ابتدائی دور کے اِیہام گو علم بردار مضمون اور آبرو کی طرز ہے مجھے اس سے کوئی مناسبت نہیں : —

اسلوب شعر کہنے کا تیرے نہیں ہے یہ مضمون و آبرو کا ہے سودا یہ سلسلہ
آبرو کی طرز میں ایک غزل لکھی ہے : —

ہو شاد اِس غزل سے روح آبرو کی سودا
تو اس زمیں میں نادان طور اپنا کیوں نہ بولے

میر حسن کا زمانہ کسی قدر بعد کا ہے، لیکن اس نے بھی اِیہام میں طبع آزمائی کی ہے، چنانچہ اپنے تذکرہ میں اپنے چند شعر بطورِ نمونہ نقل

کیے ھیں ' جن کی نسبت لکھا ھے " چلد اشعار بطور قدماے اِیہام بلداں گفتہ شد "- اِس سے معلوم ھوتا ھے کہ اِیہام گوئی کا اثر کچھہ نہ کچھہ باقی تھا اور شاعر کم از کم بطور تفریح اِیہام میں طبع آزمائی کرتے تھے لیکن اِسی زمانے میں لوگ اِس سے بیزار ھوتے جاتے تھے جیسا کہ سودا کے اوپر کے دو شعروں سے واضح ھے - یہی وجہ ھے کہ نوجوان شعرا کے حلقے میں یہ طرز مردود ٹھہری اور اُس کے غیر فطری ھونے پر نظر کرکے اُس کے خلاف شاعروں نے علمِ احتجاج بلند کیا - سودا نے صاف لکھا ھے : —

یک رنگ ھوں آتی نہیں خوش مجکو دورنگی
منکر سخن و شعر میں اِیہام کا ھوں میں

اِیہام گوئی کی بے وقعتی میر صاحب کی اِس راے سے بھی ظاھر ھوتی ھے جو انہوں نے احسن اللہ کے اشعار کے حق میں اِن الفاظ میں صادر کی ھے:- "طبعش مائل بہ اِیہام بود ازیں جہت شعرِ او بے رتبہ ماند"-

قایم نے ایہام گوئی کو " ستم" کہا ھے' اس کے اصل الفاظ یہ ھیں :-
" ایں ستم کہ شاعرانِ ابتدائی زمانۂ محمد شاہ باعتقادِ خود تلاشِ الفاظِ تازہ و ایہام نمودہ شعر را از مرتبۂ بلاغت انداختند تا بمعنی چہ رسد - غرض نا گفتہ بہ " —

مظہر' سودا ' میر وغیرھم نے جب اس طرز کو چھوڑنا پسند نہیں کیا اور ایک نئی روش زیادہ وسعت اور پہلؤ کے ساتھہ اختیار کی تو ان کو زیادہ دشواری اور دقت پیش نہیں آئی اس لیے کہ قدیم طرز سے عام بیزاری پھیل گئی تھی ' زبان بڑی حد تک بن چکی تھی ' الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود تھا ' زبان کے ابتدائی قواعد اساتذہ کے کلام سے

مستحکم ہو چکا تھا' فارسی عروض مدتوں پہلے اُردو شاعری کا بنیادی عنصر بن چکی تھی' نئے دور کے مذاق نے کئی الفاظ و محاورات کو متروکات میں داخل کردیا تھا' یہاں تک کہ "کہنہ گو و مشاق" بوڑھا استاد حاتم بھی اس اثر سے نہ بچ سکا - اُسے بھی سنہ ۱۱۶۹ھ میں اپنا دیوان (دیوان زادہ) نئی طرز میں مرتب کرنا پڑا' اور خود اپنے تئیں بقول مصحفی' حاتم ثانی کہنا پڑا - ولی کی استادی کا اثر جس کا خود اس نے اعتراف کیا ہے' زبان و خیال کے اعتبار سے کم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ قدیم زبان بڑی حد تک متروک اور ہند کی زبان میں طبع آزمائی شروع ہوگئی' حاتم نے لکھا ہے :—

ہند کی گفتگو انوکھی ہے چرب ہے سب اوپر یہاں کی زباں

قائم لکھتا ہے : —

قایم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
ایک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

میر حسن نے بھی قدیم زبان کے ترک کرنے اور معانی و مضامین کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :— "چوں بنیادِ ریختہ از زبانِ دکن است بنا بریں صاحب سخنانِ این فن و معنی شناسانِ مغز سخن طرزِ زبانِ هر دیار را معیوب نمی دانند و پیروی معانی می کنند" - قدیم زبان میں اصلاح کا حال مخزن نکات اور دیوان زادۂ حاتم کے دیباچہ سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح غیر مانوس ہندی عناصر کو خارج کر کے مروجہ زبان کے مطابق فارسی اجزا شامل کیے گئے :—

قایم ۱۱۶۸ھ میں لکھتا ہے :—

"بر متتبعانِ فنِ ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ الحال

اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشته می‌آید - طرز کلام اینها سانا بروئے فارسی است چنانچه جمیع صنائعِ شعری که قرار دادۂ اساتذۂ اسلاف است بکار می برند و اکثرے از ترکیباتِ فرس که موافقِ محاورۂ اردوئے معلیٰ مانوسِ گوش می یابند ملجمله جوازالبیان می دانند الا ترجمانِ زبانِ مغل بریخته کردن مقبوح است چه دریں صورت صحتِ زبان یکی از هردو نمی ماند و اگر بعضے از اصطلاح که زبان زدِ مردمِ فصحائے ایں دیار بود کرده آید چنداں مضائقه ندارد اما اتباع و تقلید کسانِ طبقۂ اولیٰ که یک مصرعِ شان ریخته و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریخته فارسی بالفاظ غیر مانوس مخلوط هم ساخته مذمومِ محض می انگارند بهر حال ایں ملتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقۂ شاعر باید نمود " -

حاتم ۱۱۶۹ھ میں اس خیال کو کسی قدر وضاحت سے اس طرح پیش کرتا ہے:-

"لفظ 'در' و 'بر' و 'از' و 'واو' که فعل و حرف باشد در دیوانِ خود تقید دارد - دریں ولا ازده دوازده سال اکثر الفاظ را از نظر انداخته لسانِ عربی و زبانِ فارسی که قریب الفهم و کثیر الاستعمال باشد و روز مرۂ دهلی که مرزایانِ هند و فصیحانِ رند در محاوره دارند منظور داشته ' سوائے آں زبانِ هر دیار تا به هندوی که آں را بھاکا گویند موقوف کرده - محض روز مره که عام فهم و خاص پسند بود اختیار نمود ...... ایں قاعده (قاعدۂ متروکات) را تا کجا شرح دهد - غرض که خلافِ محاوره و غیر مصطلح و غلطیِ روز مره و نقصانِ فصاحت را دخل نه باشد " —

قائم اور حاتم کے ان بیانات سے قدیم زبان میں اصلاح کا اندازہ ہوتا ہے اور

صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندی عنصر کم ہوتا گیا اور فارسی عربی کے اجزا مستحکم ہوتے گئے۔ اس باب میں مظہر جانِ جاں نے اس قدر غلو کیا کہ اس زمانے میں ان کی اردو کو اہلِ فن نہ ریختہ کہتے تھے اور نہ فارسی بلکہ ان کی اردو کا حال بقول سودا " کتا دھوبی کا کہ گھر کا نہ گھاٹ کا " تھا*۔

یہیں سے فارسی اور ہندی کے عناصر میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں میر کے اس بیان پر نظر رکھنی چاہیے جس میں انہوں نے ریختہ کی اقسام کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اس طرز کا ذکر کیا ہے جو اس دور میں رائج ہوئی۔ اس بیان سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ریختہ گوئی نے رفتہ رفتہ کیا صورت اختیار کی اور اس دور میں آکر اس کا کیا رنگ ہوا۔ یہ بیان چونکہ اس دور کے ایک مشہور استاد کا ہے اس لیے ہر طرح لائق غور ہے۔ میر صاحب نے لکھا ہے :—

" ریختہ کی چند قسمیں ہیں ...... پہلی یہ کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی ہو مثلاً قطعۂ امیر خسرو —

زر گر پسرے چو ماہ پارا　　کچھ گھڑیے سلواریے پکارا

نقد دلِ من گرفت و بشکست　　پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سدوارا

دوسری قسم یہ ہے کہ آدھا مصرعہ ہندی ہو اور آدھا فارسی جیسا کہ میر معز کا شعر ہے —

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے　　در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

---

* یہ غالباً مظہر کے ابتدائی کلام کے متعلق رائے ہے ورنہ ان کا بعد کا کلام بہت پاک صاف اور شستہ و رفتہ ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ فارسی کے حروف و افعال استعمال کیے جائیں یہ تیوہم ہے - چوتھی قسم یہ ہے کہ ایسی فارسی ترکیبیں لائی جائیں جو زبانِ ریختہ کے مناسب ہوں - یہ جائز ہے - لیکن اسے غیرِ شاعر نہیں جانتا ' ایسی ترکیبیں کہ جو ریختہ کے لیے نامانوس ہوں معیوب ہیں ' اس کا جاننا بھی سلیقۂ شاعری پر موقوف ہے - میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے - اگر فارسی ترکیب گفتگوے ریختہ کے موافق ہو تو مضائقہ نہیں - پانچویں قسم ایہام کی ہے کہ اس فن میں جس کا رواج شاعرانِ سلف میں تھا - اب طبائع اس صنعت میں کم مصروف ہیں لیکن شستگی سے استعمال ہوتی ہے - ایہام کے معنی یہ ہیں کہ وہ لفظ ذو معنی ہو جس پر شعر کی بنیاد ہوتی ہے - ایک معنی قریب ہوں اور دوسرے بعید - معنیِ بعید سے شاعر کی مراد ہو اور قریب سے نہیں - چھٹی قسم وہ اندازِ شاعری ہے جسے ہم نے اختیار کیا ہے ' یہ انداز تمام صنعتوں مثلاً تجانیس ' ترصیع ' تشبیہ ' صفاے گفتگو ' فصاحت بلاغت ' ادا بلندیٔ خیال وغیرہ پر محتوی ہے " * -

اسی خیال کو گردیزی اور قایم نے بھی اپنے تذکروں میں پیش کیا ہے-

ریختہ کی یہ تعریف و تحدید ممکن ہے کہ تحقیقی نقطۂ نظر سے بالکل صحیح ثابت نہ ہو لیکن اس قدر تو یقینی ہے کہ اس دور کے اساتذہ نے اُردو شاعری کا انداز ہی بدل دیا اور اس میں وہ تمام ضروریات اور لوازمات اختیار کر لیے جو شاعری کو سنوارنے اور بنانے میں کام آتے ہیں - ان تمام التزامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کا اثر بہ شدت

* ترجمہ از نکات الشعرا -

داخل ہو رہا تھا، لیکن زبان کو غیر مانوس ترکیبوں اور لغات سے پاک کرکے ہندی اور فارسی عناصر میں توازن و اعتدال بھی پیدا کیا جا رہا تھا۔

ہمارا جو موضوع ہے وہ اسی دور کے ایک نامور علمبردار مرزا رفیع سودا کی حیات اور شاعری کی تحقیق و تنقید ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اپنے موضوع پر آئیں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں اُردو شاعری نے شمالی ہند میں کیا ترقی کی ——

شمالی ہند میں جب اُردو شاعری کا آغاز ہوا تو گنتی کے صرف چند شاعر تھے، ایہام گو بھی چند ہی تھے، جس سے ظاہر ہے کہ اُردو شاعری ابھی زیادہ مقبول نہیں ہوئی تھی، لیکن ایہام گوئی کے خلاف کوشش شروع ہوئی تو شاعروں کی تعداد میں ایک غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ اس کا ثبوت اُن تذکروں سے آسانی سے مل جاتا ہے جو اس دور میں لکھے گئے ہیں۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں میر نے اپنے تذکرے نکات الشعرا میں ایک سو تین شاعروں کا ذکر کیا ہے اور سنہ ۱۱۶۶ھ میں گردیزی نے اٹھانوے کا جن میں پچیس شاعر ایسے ہیں جو میر کے تذکرے میں شامل نہیں ہیں۔ سنہ ۱۱۸۸ھ میں قدرت اللہ شوق نے دو سو اٹھاسی شاعروں کا ذکر کیا ہے اور میر حسن نے قبل سنہ ۱۱۸۸ھ مابعد سنہ ۱۱۹۳ھ دو سو اٹھاسی کا۔ شورش نے سنہ ۱۱۹۳ھ میں تین سو چودہ شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس کے بعد شاعروں کی تعداد میں اس شدت سے اضافہ ہونے لگا کہ حصر و شمار آسان نہیں۔ اس تعداد اور تدریجی ترقی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں

تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُردو شاعری نے تیس چالیس سال کے عرصے میں غیر معمولی مقبولیت اور ترقی حاصل کر لی - چنانچہ اس کا ثبوت ان مجلسوں کی کثرت سے بھی ملتا ہے جن میں ریختہ گو شاعر اپنا کلام سناتے تھے - فارسی گویوں کے لیے غزلوں کو منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ مشاعرے تھے اس زمانے میں کئی جگہ مشاعرے ہوتے تھے - سب سے زیادہ مشہور سالانہ مشاعرہ مرزا بیدل کے عرس کے موقع پر ہوتا تھا - اس زمانے کے شاعروں کے کلام اور دیگر تحریروں سے اس کا حال معلوم ہوتا ہے* - فارسی گویوں کے مشاعروں کے توڑ پر ریختہ گویوں نے مراختہ (صحبتِ ریختہ گویاں) کی بنا ڈالی تھی ' چنانچہ مراختے کئی جگہ ہوتے تھے - مراختۂ خان آرزو ' یہ ہر قمری مہینے کی پندرھویں تاریخ کو خان آرزو کے مکان پر منعقد ہوا کرتا تھا - حاکم لاہوری نے اپنے تذکرہ " مردم دیدہ " میں اس کا ذکر کیا ہے - مراختۂ خواجہ میر درد ' یہ بھی ہر مہینے کی پندرھویں کو درد کے مکان پر منعقد ہوتا تھا' معلوم ہوتا ہے کہ خان آرزو کے مراختہ کا سلسلہ بند ہوا تو انھوں نے اپنے ہاں یہ صحبت گرم کی - کچھ دنوں یہ سلسلہ جاری رہا - اس کے بعد درد نے یہ محفل اپنے ہاں رچانی بند کر دی اور میر تقی میر سے کہا کہ ان کے ہاں مراختے منعقد ہوا کریں ' چنانچہ میر کے ہاں یہ صحبت گرم ہونے لگی - ان کے سوا میر نے اپنے تذکرے میں چند اور مراختوں کا ذکر کیا ہے - مراختۂ میر سجاد ' مراختۂ جعفر علی خاں زکی ' مراختۂ میر علی نقی وغیرہ —

---

* ملاحظہ ہو ہجو مولوی ندرت از سودا ؛ رقعات انند رام مخلص ؛ خزانۂ عامرہ —

شاعروں کی ترقی پذیر کثرت اور مجالس ریختہ کی ہنگامہ آرائی پر نظر کرکے ماننا پڑتا ہے کہ فارسی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ریختہ گوئی کا ہر طرف بازار گرم تھا - اس غیر معمولی ترقی و ترویج میں جن شاعروں نے کام کیا ہے ان میں سودا بطور خاص اہمیت رکھتا ہے —

۱

حیات

مرزا محمد رفیع سودا کے اجداد مغل زاد مرزایانِ کابل سے تھے، جن کا پیشہ سپہ گری تھا -

سودا کے والد مرزا شفیع تھے جو اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر بطریقِ تجارت ہندوستان آے اور "عملِ تجارت" * میں مشہور ہوے - ولایت سے آے تھے، مغل تھے، تجارت نے تمول دیا تھا اس لیے فارغ البال تھے اور اعزاز و امتیاز سے زندگی بسر کرتے تھے - یہی وجہ ہے کہ نعمت خان عالی کی دختر سے ان کی شادی † ہوئی جس کے بطن سے سودا پیدا ہوا - سنہ پیدائش مشتبہ ہے - آزاد نے ۱۱۲۵ ھ لکھا ہے - قائم نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ کے زمانے (سنہ ۱۱۱۹ تا سنہ ۱۱۲۴ ھ) میں مرزا رفیع، بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گئے تھے - اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کریں تو اس زمانے میں اس کی عمر فوجی ملازمت کے لیے کم از کم ۱۸ سال ہوگی اور اس لحاظ سے سنہ ولادت ۱۱۰۶ ھ سے قبل ہو سکتا ہے - میر حسن نے ۱۱۸۵ ھ اور ۱۱۸۸ ھ کے مابین لکھا ہے کہ اس کی عمر ۷۰ سال کی ہوگی اس اعتبار سے اس کا سال ولادت ۱۱۱۵ ھ اور ۱۱۱۸ ھ کے درمیان پڑتا ہے - ہمارے خیال میں قایم کا بیان زیادہ معتبر ہے - کابلی دروازہ کے علاقے میں گھر تھا ‡، جہاں سودا کا بچپن گزرا - اس گھر کا ایک بڑا پھاٹک

---

* مخزن نکات - † تذکرۂ شاہ کمال - ‡ آب حیات -

تھا جس میں آگے چل کر سودا کی نشست رہنےلگی تھی وہ دروازہ تھا جو دھلی میں تباہ ہوا۔ اس کے بچپن کے حالات ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں لیکن قرائن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ بچپن میں کسی قدر تیز اور شوخ ہوگا۔ ابتدائی تعلیم اس زمانے کے رواج کے مطابق مکتب میں ہوئی تھی۔

آں بہارِ عمر کو سودا با یاسے کہ من
صبح می رفتم سوے مکتب گلستاں در بغل

اس کی تصانیف اور کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم با ضابطہ اور عمدگی سے ہوئی تھی —

اس کا بچپن خوش حالی اور فارغ البالی میں گزرا۔ کچھ عرصے کے بعد جب باپ کا انتقال ہوا تو ترکہ میں بہت کچھ نقد وصول ہوا، جسے اس نے نہایت قلیل مدت میں شاعر مزاجی کے اقتضا سے یار باشی اور احباب پرستی کی نذر کر دیا: "زرے کہ از ترکۂ وے (پدرش) بدست مرزا افتاد در مدت قلیل بمقتضاے شاعر مزاجی بر سبیلِ دوستیہا بباد داد*"۔ خود اس نے اپنی شاعر مزاجی اور خوش مستی کی طرف ایک شعر میں اشارہ کیا ہے: —

صحبتِ شعر و بکف جام و صراحی در دست
اس سوا سودا کو کچھ کام نہیں دنیا سے

اس میں جام بکف اور صراحی در دست کا اشارہ یار باشی اور احباب پرستی کی طرف ہے۔ اس زمانے میں شعر و شاعری کے چرچے اور شاعرانہ محفلوں کی ہنگامہ آرائی اچھے اچھے نقات اور خلک دل

* مخزن نکات

مولویوں کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکی' سودا تو نوجوان اور شاعر مزاج تھا وہ زیادہ متاثر ہوا اور شعر و سخن میں مگن رہنے لگا- جو کچھ ترکہ میں ملا تھا پھونک ڈالا - اب معاش کے ذرائع تنگ تھے - فوج میں نوکری کرنی پڑی - میر نے اسے نوکر پیشہ اور گردیزی نے سپاھی پیشہ لکھا ھے - حمید اورنگ آبادی اسے منصب دار بتاتا ھے - ان بیانات سے معلوم ھوتا ھے کہ سودا نے ابتداءً فوج میں نوکری کرلی تھی- قائم نے بھی لکھا ھے کہ وہ بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گیا تھا - مرزا ابو طالب متوطن پریندہ نواح اورنگ آباد کے ذکر میں قائم لکھتا ھے "مرزا ابوطالب المتخلص بہ طالب مردے بود هفتاد سالہ از متوطنان قصبۂ پریندہ* نواح اورنگ آباد است - در لشکرِ بہادر شاہ سابقۂ آشنائی باعموے بزرگوار حضرتم مرزا رفیع صاحب بہم رسانده همراہ لشکر ظفر اثر بہ رفاقت ایشاں برائے کارِ جاگیر خود بہ دارالخلافت شاهجہان آباد رسیدہ تامدتے کہ اقامت نمود هم خانۂ ایشاں بود" - خود سودا نے اس قصیدے میں جو حضرت علی کی منقبت میں لکھا ھے اس کی طرف اشارہ کیا ھے —

کہی جاتی نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے
جس طرح کی میری اوقات میں ڈالی هل چل

لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا لشکر میں
پال بے چوب تلے اپنے بغیر از پرتل

معلوم ھوتا ھے کہ فوج کی نوکری سے جلد دست برداری حاصل کرلی تھی اور معاش کے دوسرے ذرائع اختیار کیے —

یہ چونکہ ذی عزت باپ کا بیٹا اور نامور نانا کا نواسا تھا اس لیے

---

* تذکرہ میں بلندہ ھے جو غلط معلوم ھوتا ھے اس نام کا کوئی مقام اس زمانے میں صوبۂ اورنگ آباد خجستہ بنیاد میں نہیں تھا - البتہ پریندہ اس زمانے میں ملکی تقسیم کی رو سے صوبۂ اورنگ آباد میں شامل تھا - یہ مقام آج کل سرکار عالی کے ضلع عثمان آباد میں ھے -

ایسے آسانی سے امرا و سلاطین کا تقرب نصیب ہوا - " ترکہ بہاد دادہ بہ مصاحب پیشگی بر آمد - قبولِ ملوک نامدار و تقربِ سلاطینِ عالی مقدار او را میسر گشت *" - گو یہ مصاحب پیشگی پر اتر آیا لیکن مصاحب بننا بھی آسان نہ تھا - اس زمانے کے امرا و ممدوحین کا حال خود سودا نے لکھا ہے :—

پس غرض کیا کہا ہے کہ اشعارِ رتبہ دار
لے جا کے تو پڑھا کرے اُن ناکساں تلک

جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لاویں زباں تلک

نزدیک جن کے ہے وہ بڑا صاحبِ کمال
منصب کا جس کے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک

گر بو علی سلام کرے آن کر اونہیں
سینہ ہی پر رہے ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک

چاہیں کہ ہم کلام ہوں اوس سے تو یہ کہیں
پہنچے ہے تیرا سلسلہ کس خانداں تلک

آدم تک اون کے پاس غرض آدمی نہیں
پہنچاوے تا نسب کو نہ شایستہ خاں تلک

خاندانی اور نسلی اعزاز و امتیاز کے ساتھ سودا میں ذاتی اوصاف بھی تھے اور سب سے بڑا وصف تو یہ تھا کہ وہ بڑا شاعر تھا - اِسی لیے اُسے یہ اعزاز نصیب ہوا - علی لطف نے لکھا ہے "طبع رسا کی مربی گری سے انیس وجلیسِ سلاطین نامدار اور وزراے عالی تبار کے رہے " —

---

* مطبوعہ نکات -

سودا نے دھلی میں پرورش پائی تھی - ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُس زمانے میں وھاں شعر و شاعری کے چرچے عام تھے - شاعری اُس زمانے میں لوازمِ شرافت سے تھی - ابتداءً ماحول نہایت خوشگوار اور موافق تھا اُس کی طبیعت کو شعر و سخن سے فطری مناسبت تھی، صرف رھنمائی کے لیے اُستاد کی ضرورت تھی - اُس زمانے میں مرزا محمد زماں عرف سلیمان قلی خاں" وداد " مشہور اُستاد تھے - ان کے دادا اصفہان سے آئے تھے - یہ خود دلی میں پیدا ھوئے تھے - نواب موسوی خاں کے ساتھ بڑے اعزاز سے زندگی بسر کرتے تھے تین سو روپے ماھانہ پاتے تھے اور شعر کہہ کر دل خوش کرتے تھے ٭ - سودا نے ابتداءً فارسی میں طبع آزمائی کی اور انہیں سے اِصلاح لینی شروع کی —

سودا کی شاعری کے آغاز کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن سنہ ۱۱۴۳ھ اور سنہ ۱۱۵۰ھ کے درمیان اس کی اردو شاعری نے فروغ پایا تھا اور اس کا کلام اپنے وقت کے سخن فہموں میں روشناس ھو چکا تھا جیسا کہ اس نے سبیل ھدایت اور رسالۂ عبرت الغافلین میں جو سنہ ۱۱۸۸ھ اور سنہ ۱۱۹۵ھ کے مابین لکھنئو میں لکھا گیا ھے ' اپنی شاعرانہ شہرت کی مدت علی الترتیب چالیس اور پینتالیس سال بتائی ھے - شاعری میں اُس نے سودا تخلص اختیار کیا اس کی نسبت " بعض† کا قول ھے کہ باپ کی سوداگری سودا کے لیے وجہِ تخلص ھوئی - لیکن بات یہ ھے کہ ایشیا کے شاعر ھر ملک میں عشق کا دم بھرتے تھے اور سودا و دیوانگی عشق کے ھمزاد ھیں اس لیے وہ بھی ان لوگوں کے لیے باعثِ فخر ھے - چنانچہ اس لحاظ سے سودا تخلص کیا اور سوداگری کی بدولت ایہام کی صنعت رونق میں آئی" - اسپرنگر نے بھی قایم کے حوالہ سے باپ کی سوداگری کو وجہِ تخلص بتایا ھے -

---

٭ عقد ثریا ؛ آب حیات - † آب حیات -

قائم کا تذکرہ چھپ چکا ہے اُس میں یہ مذکور نہیں —

اُس زمانے میں ایک اور فاضل عالم خان آرزو تھے - اُن کے فضل و کمال سے دلی اور هندوستان کے دوسرے شہروں کے علما اور شعرا فیض پاتے تھے - اُن کے هاں مراختہ کی محفل منعقد هوتی تھی - سودا اُن کا شاگرد تو نہ تھا مگر بقول آزاد اُن کی "صحبت سے فائدے بہت حاصل کیے - چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے - خان آرزو نے کہا مرزا! فارسی اب تمہاری زبانِ مادری نہیں ' اس میں ایسے نہیں هو سکتے کہ تمہارا کلام اهل زبان کے مقابل میں قابل تعریف هو - طبع موزوں هے' شعر سے نہایت مناسبت رکھتی هے ' تم اُردو کہا کرو تو یکتاے زمانہ هوگے - مرزا بھی سمجھ گئے اور دیرینہ سال اُستاد کی نصیحت پر عمل کیا "- قدیم تذکرہ نگار اِس باب میں خاموش هیں - آزاد کے بیان کا ماخذ معلوم نہیں 'لیکن سودا کے ایک داخلی بیان سے ثابت هے کہ وہ فارسی میں طبع آزمائی کو تضیع اوقات سمجھتا تھا - اُس کا ایک قطعہ هے جس میں فاخر مکیں پر طنز کرتے هوئے ایک فارسی داں کا قول بیان کیا هے: —

میں ایک فارسی داں سے کہا کہ اب مجکو
هوئی هے بندشِ اشعارِ فرس ذهن نشیں

جو آپ کیجیے اِصلاح شعر کی میرے
نہ پائیے غلطی تو محاورہ میں کہیں

هے اور زیرِ فلک ذات میرزا فاخر
سلامت اُن کو رکھے حق سدا بروے زمیں

سوکب اُنھوں کو ھے اصلاح کا کسو کی دماغ
قبول کب کرے اُن کی متانتِ رنگیں

کہا یہ بعدِ تامل کہ دوں جواب تجھے
جو میری بات کا اے یار تجکو ھووے یقیں

جو چاھے یہ کہ کہے ھند کا زباں داں شعر
تو بہتر اُس کے لیے ریختے کا ھے آئیں

وگرنہ کہہ کے وہ کیوں شعر فارسی ناحق
ھمیشہ فارسی داں کا ھو موردِ نفریں

کوئی زبان ھو لازم ھے خوبیء مضموں
زبانِ فرس پہ کچھ منحصر سخن تو نہیں

اگر فہیم ھے تو چشم دل سے کر کے نظر
زباں کا مرتبہ سعدی سے لے کے تابہ حزیں

کہاں تک اُن کی زباں تو درست بولیگا
زبان اپنی میں تو باندہ معنیء رنگیں

دیارِ ھند میں دو چار ایسے ھو گزرے
جنھوں نے باز رکھا منھکے سے اپنے تئیں

چنانچہ خسرو و فیضی و آرزو و فقیر
سخن انھوں کا مغل کے ھے قابلِ تحسیں

سوائے ان کے کوئی اور بھی ھو پر شاعر
سوادِ ھند میں وہ ھی ھیں بامزہ نمکیں

اس سے ظاھر ھے کہ خان آرزو کا مشورہ نہیں تھا۔ اگر وہ مشورہ دیتے تو اس طرح فخر یہ مسلم الثبوت اساتذہ میں اپنا شمار نہ کرتے - اردو میں طبع آزمائی کے مشورے کی اس زمانے میں کوئی ضرورت نہ تھی۔

خود اردو کی مقبولیت اور لوگوں کے بڑھتے ہوئے عام رجحان نے فارسی کا بت توڑ دیا تھا - نو وارد سے نو وارد ایرانی بھی اس سے نہ بچ سکے - سودا تو ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اور پورا ہندوستانی تھا - ماحول کے عام مذاق کے اثر سے اس نے فارسی کو کم التفاتی سے دیکھا - اس نے اپنے قطعے میں جس بنیادی خیال کو پیش کیا ہے اسی کی بنا پر فارسی کی بجائے اردو میں طبع آزمائی کرنے کو ترجیح دی ہے - یہ اس کے حق میں مفید ہوا ورنہ وہ ایک ایسی زبان کے پیچھے اپنے دل و دماغ کی قوتیں زائل کر دیتا جس میں بہ ہزار فکر و کاوش کوئی نئی بات پیدا نہیں کی جا سکتی تھی —

اردو میں طبع آزمائی کا خیال پیدا ہوا تو استاد کی تلاش ہوئی- اس زمانے میں حاتم دلی کے مشہور استاد تھے - ان کی شہرت عام تھی- اچھے اچھے سخنور ان کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور وہ خود بھی اس کی طرف فخریہ اشارہ کرتے ہیں' چنانچہ کہا ہے:—

تمام ہند میں دیوان کو ترے 'حاتم'
رکھے ہیں جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

'حاتم' کا شعر تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

آٹھ تیس برس ہوئے کہ 'حاتم' مشاق و قدیم و کہنہ گو ہے

سودا بھی ان کی شہرت سن کر ان کا شاگرد ہوا - طبیعت میں خداداد ملکہ تھا اور سخن سے فطری لگاؤ' اس لیے بہت جلد چمکا - شاہ حاتم

اپنے شاگرد سے بہت خوش تھے ' جلد ہی دنوں میں اس کے اوصاف شاعرانہ پر ناز کرنے لگے اور آخر تک اس کی شاگردی پر فخر کرتے تھے - چنانچہ اپنے مجموعۂ کلام (دیوان زادہ) پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی تو سودا کا ذکر کچھہ اس انداز میں کیا ہے کہ اس سے فخر کی خوشبو آتی ہے - قاسم نے میاں ہدایت کی زبانی ایک روایت * بیان کی ہے کہ شاہ حاتم جب سودا کی غزل کو اصلاح دیتے تھے تو اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے —

از ادب 'صائب' خموشم ورنہ در ہر وادئے
مرتبہ شاگردی من نوست استاد مرا

اور احباب سے کہتے تھے کہ یہ شعر صائب نے میری استادی اور مرزا رفیع کی شاگردی کے حق میں کہا ہے - لکھلؤ سے مرزا کے قصیدے اور غزلیں آتیں تو آپ دوستوں کو پڑہ پڑہ کے سناتے اور خوش ہوتے -

سودا اردو میں طبع آزمائی کرنے لگا تو اس کے جوہر خوب کھلنے لگے ' شہر میں شہرت ہونے لگی - یہ مشاعروں میں اپنی غزل پڑھنے لگا - اس زمانے میں سب سے زیادہ مشہور محفل مراختہ خان آرزو کی تھی ' اس میں اچھے اچھے استاد شریک ہوتے تھے ' سودا بھی اس میں غزلیں پڑھتا تھا - چنانچہ مشہور واقعہ † ہے کہ اس مشاعرے میں اس نے اپنی ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے -

آلودہ ز قطرات عرق دیکھہ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پرسے زمیں کو

---

* مجموعۂ نغز ؛ آب حیات -   † مجموعۂ نغز ؛ تاریخ شعرائے اردو ؛ آب حیات -

خان آرزو نے فوراً ایک فی البدیہہ شعر موزوں کیا —

شعر سودا حدیث قدسی ہے چاہیے اُٹھہ رکھیں فلک پہ ملک

مدعا اس کا یہ تھا کہ سودا نے قدسی کے اِس شعر کا ترجمہ کیا ہے :—

آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبیں را اختر ز فلک می نگرد روئے زمیں را

" سودا بے اختیار اُٹھہ کھڑے ہوے ' خان صاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکریے کے ساتھہ خوشی ظاہر کی گویا حقیقتاً خان صاحب نے اُن کے کلام کو مثلِ حدیث قدسی تسلیم کیا * " —

سودا کو جب زرا زیادہ شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی تو اس کی زندگی نے نیا رخ بدلنا شروع کیا ' مقتدر اُمرا اور سلاطینِ وقت تک اس کی رسائی ہونے لگی - ہم اوپر قائم کا بیان لکھہ چکے ہیں کہ اُس کو قبولِ ملوکِ نا مدار اور تقربِ سلاطینِ عالی مقدار میسر ہوا - اس کا صاف مدعا یہ ہے کہ اُس کی شاعری نے بہت جلد عام شہرت اور مقبولیت حاصل کرلی تھی جس کی بنا پر وہ سلاطین و اُمرا سے روشناس ہوا - قائم نے جن سلاطین و ملوک کا ذکر کیا ہے اُن سے مراد غالباً احمد شاہ اور عالم گیر ثانی ہیں - احمد شاہ سے قبل محمد شاہ کے آخری زمانے میں سودا کی شاعری نے فروغ پایا - چنانچہ محمد شاہی خواجہ سرا بسنت خاں کی مدح میں جو دو قصیدے ہیں اُن سے اس کا اندازہ ہوتا ہے - احمد شاہ کی مدح میں سودا کا کوئی قصیدہ نہیں لیکن عجیب بات ہے کہ میر صاحب نے اُسی زمانے میں لکھا ہے "ملک الشعرائی ریختہ اور اشاید " - عالم گیر ثانی کی مدح میں سودا نے ایک قصیدہ

* آب حیات —

لکھا ہے جس کے عہد میں قائم لکھتا ہے " بالفعل (سنہ ۱۱۶۸ ھ) بخطاب ملک الشعرائی کہ مہین پایۂ سخنوراں است عزو امتیاز دارد "۔ میر و قائم کے بیانات سے ظاہر ہے کہ سودا کو دربارِ دہلی سے سنہ ۱۱۶۸ ھ سے قبل ملک الشعرائی کا خطاب مل چکا تھا۔ لیکن ایک مشہور روایت سے (جس کو محمد انوار حسین تسلیم سہسوانی نے بھی کلیاتِ سودا مطبوعۂ نولکشور سنہ ۱۲۸۹ ھ کے خاتمہ پر نقل کیا ہے) یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی حزیں نے سودا کو ملک الشعرائی کا خطاب دیا تھا۔ جب سنہ ۱۱۴۶ ھ میں شیخ ہندوستان آیا تو کچھ عرصے تک دہلی میں بھی رہا ' ایک روز سودا ملنے گیا ' شعر پڑھنے کی اجازت حاصل کی اور اپنا یہ شعر پڑھا:۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

شیخ نے پوچھا " تڑپے ہے " کے کیا معنی؟ کہا " می تپد "۔ شیخ نے پھر شعر پڑھوایا اور زانو پر ہاتھ مار کر کہا " مرزا رفیع قیامت کردی ۔ یک مرغِ قبلہ نما باقی بود آنرا ہم نہ گزاشتی"۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے' فرط مسرت سے بغل گیر ہوئے اور اس خطاب سے سرفراز کیا۔ اس روایت کی ہلکی سی تائید سودا کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے —

ممکن نہیں یہ روحِ مقدس سے حزیں کے
ایسی جو غزل ہووے تو سودا صلہ دے چھوڑ

اگر یہ روایت صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ سودا کو یہ خطاب محمد شاہ کے اخیر زمانے میں ملا اس لیے کہ شیخ کا قیام اُسی زمانے میں دہلی میں تھا اور ممکن ہے کہ میر و قائم نے اُسی واقعے کی بنا پر لکھا ہو ' لیکن شیخ سے ایسی توقع رکھنا بے جا ہے کہ اس نے ایک ریختہ گو ہندوستانی شاعر کو محض ایک شعر کے سننے پر اتنی عزت بخشی ہو۔ اس کی کتاب

(احوالِ حزیں) اپنے وقت کی "مدرانڈیا" ہے کیا تعجب ہے کہ اس نے سودا کو "دریوچ گویانِ ہند بدنوستی" کہا ہو جیسا کہ مشہور ہے - بہر حال میر و قائم کے بیانات اور یہ روایت ثابت کرتے ہیں کہ ملک الشعرائی کا خطاب کم سے کم سنہ ۱۱۶۵ ھ سے قبل سودا کو مل چکا تھا - مصحفی کا بیان ان سب سے مختلف ہے - اُس نے لکھا ہے "بعضے اُو (سودا) را دریں فن بملک الشعرائی پرستش می کنند" - مصحفی کا یہ مبہم بیان ان قدیم مستند بیانات کی موجودگی میں کچھہ قابلِ لحاظ نہیں - آزاد دهلوی نے شاہ عالم بادشاہ کے متعلق اس خطاب کے سلسلے میں جو افسانہ گھڑا ہے وہ ان بیانات کی موجودگی میں بے بنیاد ثابت ہوتا ہے - بہر حال جب سودا کو شہرت نصیب ہوئی تو اس کے کئی قدردان پیدا ہوگئے - اُس کا سب سے پہلا سرپرست امیر محمد شاہی عہد کا خواجہ سرا بسنت خاں تھا - خود سودا نے لکھا ہے :—

جو کچھہ کہا ہے تو نے یہ تجھہ کو سب مبارک
میں اور میرے سر پر میرا بسنت خاں ہو

کس واسطے کہ مجھہ کو اتنا ہی چاہیے ہے
جامہ ہو ایک تن پر کھانے کو نیم ناں ہو

سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم ہے مجھہ پر
کفرانِ نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو

اتنی ہی آرزو ہے کچھہ عمر ہو جو باقی
مصرف جہاں میں اُس کا تیرے قدم کے یہاں ہو

کب جاسکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پر وہ سنگِ آستاں ہو

محمد شاہ (متوفی سنہ ۱۱۶۱ ھ) کے بعد جب احمد شاہ کا دور آیا تو سودا دھلی ہی میں تھا اور اُس عہد کے امیروں کی سرپرستی میں بسر کرتا تھا - احمد علی خاں سیف الدولہ ' سادات خاں ذوالفقار جنگ کے بھانجے تھے اور احدیوں کے بخشی ' اُن کی مدح میں سودا کے تین قصیدے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کے حال پر بطورِ خاص مہربان تھے —

کہنے لگا کہ تجھہ سے تعجب ہے یہ سخن
اتنا تو ہو کے عاقل و دانا و ہوشیار

یہ رمز اب تلک نہیں سمجھا ہزار حیف
ہے یہ وہ جس کے خوانِ کرم کا تو ریزہ خوار

یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس کی تیغ
کرتی رہی سدا سر اعدا پہ کار زار

اِسی زمانے میں نواب عمادالملک کا ستارا چمکا - انہوں نے احمد شاہ بادشاہ کو سنہ ۱۱۶۷ ھ میں بصارت سے محروم کیا اور عالم گیر ثانی کو تخت پر بٹھایا ' خود خلعت وزارت پہنا ' ملکی سیاسیات میں اُن کو خاص اہمیت حاصل تھی - سودا کے یہ بھی سرپرست تھے ' اُن کے زمانے میں اِسے ہر طرح کی فارغ البالی حاصل تھی- اُن کی مدح میں لکھا ہے :-

اُس کے مصرف کے جو دیہات ہیں بس اُن میں سے
اپنے مداح کو بھی کردے مقرر متصلک

تو ہی تک دل میں کر اب عرض کا میری انصاف
جائے کس در پہ کوئی پہنچ کے ایسے در تک

ذیل کے اشعار سے عمادالملک کی غیر معمولی سیاسی اہمیت اور

شخصیت کا اندازہ ہوگا، سلطنت کے بنیادی کاموں میں اُن کا زبردست ہاتھ تھا، وزیر تھے اور امورِ مملکت میں بطورِ خاص دخیل :—

نہیں ہے معجزِ عیسیٰ سے کم تیری تدبیر
کیا ہے زندہ سرِ نو سے جن نے عالم گیر
سنا نہیں ہے کہ غازیء دیں عماد الملک
جو میر بخشی تھا وہاں کا سواب ہوا ہے وزیر
اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے اے ناداں
تو ہوسکے گی پھر اس وقت اس کی کچھ تدبیر
کرے ہے عرض یہ سودا ہمیشہ عالم کا
رہے تو کارکُشا اے امیر ابنِ امیر

آج اُس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بہ صورت ہے وہ انسان و بہ سیرت ہے ملک
یعنی نواب سلیماں فر و نام آصف جاہ
عہد میں جس کے یہ فیور بزرگ و کوچک
کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا دخل
متھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولد کودک

یہ صحیح ہے کہ سودا کی ان امیروں کی سرپرستی میں اطمینان اور فارغ البالی سے گزرتی تھی' ان کی قدردانیوں نے اُس کو کبھی انتشارِ طبع اور پریشانیء خاطر کا شکار نہ ہونے دیا، لیکن یہ رنگ زیادہ دنوں جما ہوا نہ رہا، اور بہت جلد بگڑ گیا - والیء ملک کی نادانی و نا اہلی نے سلطنت کو غیر محفوظ اور متزلزل کر دیا تھا - سودا صاحبِ تخت و

تاج سے نالاں تھا؛ یہ در اصل اُن لوگوں کے حامیوں اور ساتھیوں میں تھا جو اپنے وقت کے دربار کے زبوں حال سے مطمئن نہ تھے- اسی لیے وہ دہلی سے بھاگنا چاہتا تھا؛ اس بیزاری کی شہادت میں وہ مخمس پیش کیا جاسکتا ھے جس میں سودا نے والیء ملک کی ناگفتہ بہ حالت اور اعیانِ مملکت کے حالِ زبوں کی ننگی تصویر کھینچی ھے- بادشاہ اور درباردار وں کی ھجو تو کہی ھے لیکن دلی بیزاری کا رنگ نمایاں ھے :—

امیر اب جو ھیں دانا انہوں کا ھے یہ حال
ھوے ھیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کی چال

بچھے ھے سوزنی خوجہ کھڑا جھلے ھے رومال
حضور بیٹھے ھیں ایک دو ندیم اهل کمال

دھری ھے روبرو ایک پیک دان اور تنبول

جو کوئی ملنے کو اُن کے انہوں کے گھر آیا
ملے یہ اُس سے کر اپنا دماغ خوش پایا

جو ذکرِ سلطنت اُس میں وہ درمیاں لایا
انہوں نے پھیر کے اُودھر سے منہ یہ فرمایا

خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لیے جمع ھوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کا فکر اس طرح کریں ھیں مشیر

وطن پہنچنے کی بخشی کو سوجھی ھے تدبیر
کھڑا یہ اٹکلے دیوان خاص بیچ وزیر

کہ شامیانے کے بانسوں پہ ھیں روپے کے خول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
فروغ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر

جو تک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردشِ دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ رونیے کہ مردمِ شہر

گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

یہ بھی ثبوت اس بات کا ہے کہ سودا دل سے دِلّی کو ترک کرنا چاہتا تھا، لیکن کچھ دنوں جو وہاں اِن دل شکن حوادث و انقلابات کے باوجود ٹھہر گیا محض دوست احباب کے اصرار سے۔ چنانچہ ایک رباعی میں خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خواجہ میر درد کا نام خصوصیت سے لیا ہے :—

نادیدنی ازبسکہ ہے روے عالم   ہے کفر ملاقات جو کیجے باہم
کرتا ہوں کہیں جانے کا جس وقت میں عزم   درد آن کے سودا میرے پکڑے ہے قدم

وہ حوادث و انقلابات سے گھبرا گیا تھا اور موقع کا طالب تھا اور بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی طرح دہلی سے باہر کوئی پُرامن جگہ مل جائے، اتفاق سے اُسے ایک موقع ہاتھ آیا۔ جب * شاہ درانی کے مشورے سے سنہ ۱۱۶۷ھ میں عماد الملک دو شہزادوں کو لے کر دوآبے سے زرِ خطیر وصول کرنے گئے اور فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے پاس ٹھہرے تو سودا بھی ہمراہ تھا۔ بنگش نے نواب عماد الملک اور شہزادوں کا بڑا احترام کیا، شجاع الدولہ کے خلاف ان کی مدد کی، اُس کا دیوان مہربان خاں تھا جو کمال نیک نامی سے اوقات گزارتا تھا، یہی وجہ ہے

* مخزن نکات۔

کہ اُس کی کمال عزت تھی - یہاں تک کہ احمد خاں بنگش اُسے اپنا بیٹا کہتا تھا - " مجلسِ رنگیں و بزمِ ارم تزئیں رکھتا ہے اور ہر صادر و وارد کے ساتھ اپنی استعداد اور حوصلے کے مطابق سلوک کرتا ہے ' اہلِ سخن کے ساتھ سر گرمِ سخن رہتا ہے اور ہر صاحبِ فن کے ساتھ اِس طرح گھل مل جاتا ہے جس طرح جسم میں جان - زیورِ اخلاق سے آراستہ ہے' موسیقی اور ہندی شاعری سے (کہ عبارت ہے کبت سے) بہرہ رکھتا ہے ' امارت ظاہری اس مرتبے پر پہنچ گئی ہے کہ اُمرائے حال و سابق کا انیس و جلیس ہوگیا ہے" * - اس کے سوا موزوں طبع تھا - شاعری میں سوز سے اِصلاح لیتا تھا - دوسرے کئی ریختہ گو شاعر پہلے ہی سے اس کی سرکار میں موجود تھے اور اب جب کہ نواب غازی الدین خاں کے ساتھ سودا پہنچا تو اُس نے نواب موصوف سے درخواست کی کہ مرزا کو اُس کی رفاقت میں رکھنے کی اجازت دیں † - سودا کی شاعری کا شور یہ پہلے ہی سن چکا تھا اور اب جب کہ ملاقات ہوگئی تو زیادہ متاثر ہوا اور بڑے اشتیاق و اصرار سے مرزا کو اپنی رفاقت میں رکھنے کی اجازت حاصل کر لی —

جب تک دربارِ دہلی میں ذرا بھی جان تھی اور اُمرا و رؤسا کی عظمت و شان برقرار تھی اس وقت تک سودا کی بھی چین سے گزرتی تھی - معاش کا کوئی دغدغہ نہ تھا اور اسی لیے دہلی چھوڑنے کا کبھی دل میں وسوسہ نہ آیا ' لیکن جب یہ رہا سہا رنگ بھی بگڑا اور سرپرست اُمرا کا سیاسی اقتدار معرضِ خطر و زوال میں نظر آنے لگا اور روز بروز ابتری پھیلنے لگی تو اس کے بھی پائے ثبات میں لغزش آئی : —

---

* تذکرۂ میرحسن - † مخزن نکات -

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بعنتے ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

اس سے بڑھ کر ترکِ دہلی کا بہانہ اور کیا ہو سکتا تھا ' چنانچہ جب اس نے مہربان خاں کا اصرار حد سے گزرا دیکھا تو ٹھہر گیا - یہاں ٹھہر نے کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ خود مہربان خاں صاحبِ ذوق شاعر اور شاعر پرست تھا ' رند اس کا تخلص تھا ' موسیقی وغیرہ میں پوری مہارت رکھتا تھا - سودا قدردانی کا بھوکا تھا اور موسیقی کا بڑا ماہر - سوز جیسا باکمال شاعر بھی تھا - اِن حالات میں فرخ آباد کا قیام اس کے لیے نا مناسب نہ تھا —

فرخ آباد میں سودا کا قیام سنہ ۱۱۸۵ ھ سے کچھ پہلے تک رہا ' یہاں اس نے بڑے امراز سے گزاری اور ہر طرح خوش اور مطمئن رہا' اپنے شاعرانہ کمال سے نزدیک و دور مشہور و مقبول ہوتا رہا - اسی شہرت و مقبولیت کا اثر تھا کہ جب سنہ ۱۱۶۹ ھ میں شجاع الدولہ مسند نشین ہوے اور اودھ کی حکومت کی باگ ان کے ہاتھ میں آئی تو کچھ دنوں کے بعد سودا کو "کمال اشتیاق سے برادرِ من مُشفق من لکھکر خط مع سفر خرچ بھیجا ' سودا نے فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا •" —

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے — بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

آزاد نے لکھا ہے کہ دلی چھوڑنا گوارا نہ تھا اس لیے معذرت میں

• آب حیات -

یہ رباعی لکھ بھیجی - یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا - اس لیے کہ شجاع الدولہ کی مسند نشینی کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کو اہم ملکی معاملات و مہمات سے سر کھجانے کی فرصت نہ تھی - دوسرے سودا کے سرپرست عماد الملک سے ان کی مخالفانہ چشمک تھی - ان کی تخت نشینی کے بعد ہی عماد الملک نے احمد شاہ ابدالی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شجاع الدولہ سے زرِ خطیر وصول کر کے پیش کریں گے - چنانچہ اس غرض سے انہوں نے بڑے لاو لشکر کے ساتھ دو آبے کا سفر کیا - سودا بھی ساتھ تھا - فرخ آباد سے آگے مہربان خاں کے اِصرار نے اس کو آگے بڑھنے نہ دیا - جس رباعی کو اس دعوت کی معذرت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے وہ رباعی سنہ ۱۱۷۴ھ کے مکتوبہ کلیات میں موجود نہیں - اِن حالات میں شجاع الدولہ کا دہلی میں دعوت بھیجنا قرینِ صحت نہیں معلوم ہوتا - یہ ممکن ہے کہ قیام فرخ آباد کے دوران میں یہ طلبی ہوئی ہو - اس لیے کہ اس وقت تک شجاع الدولہ کے حصے میں بڑی حد تک فرصت و فراغت آچکی تھی اور یہی زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو فرخ آباد میں یہ دعوت پہنچی اور اس نے اس کے جواب میں یہ رباعی لکھ بھیجی - اس لیے کہ اس میں در بدر کی آوارگی کا اشارہ کیا گیا ہے - فرخ آباد جانے سے پہلے اس کو تلاشِ معاش میں کسی دوسری جگہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا - یہاں سے دوسری جگہ جانا آوارگی تھی - شجاع الدولہ کے علاوہ محمد یار خاں خلف علی محمد خاں والیء ملک روہیلکھنڈ وغیرہ نے بھی اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی لیکن فرخ آباد میں وہ اس قدر خوش تھا کہ اس دعوت کو

بھی رد کردیا۔ اگر یہاں خوش نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ دونوں جگہوں میں سے کہیں چلا جاتا اس لیے کہ یہ دونوں شعر و سخن کے قدردان تھے۔ شجاع الدولہ کی سخاوت و قدردانی مشہور ہے۔ محمد یار خاں بھی صاحب ذوق حاکم تھا موسیقی کا بڑا ماہر اور شعرا کا زبردست پرستار تھا۔ اس کی سرکار میں کئی شاعر جمع تھے چنانچہ قدوی لاہوری، میر محمد نعیم، پروانہ علی شاہ پروانہ مراد آبادی، میاں عشرت موال، حکیم کبیر اور میاں مصحفی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ سودا اور سوز کے دعوت رد کرنے پر اس نے قائم کو بلا کر سو روپے کے مشاہرہ پر اپنے ہاں رکھ لیا تھا، خود بھی اچھا شاعر تھا اور شاعروں کی حد سے زیادہ قدر کرتا تھا۔ نامور شعرائے ریختہ کی تصویروں کا مرقع ایک سحر کار مصور فاضل خاں سے تیار کرایا تھا*۔ ایسے قدر دان حاکموں کی دعوت قبول نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ فرخ آباد میں ہر طرح خوش تھا۔ یہاں کی خوش حالی اور اطمینان کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ مہربان خاں سے اس کے تعلقات تقریباً استاد شاگرد کے تھے۔ اس کی حالت بد قسمت درباری شاعر کی سی نہ تھی۔ بلکہ اس کو اپنے کمال کی حقیقی اور واجبی داد ملتی تھی۔ چنانچہ جو نظمیں مہربان خاں کی تعریف میں لکھی ہیں ان کے انداز سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ فرخ آباد کی قدر دانی اور نکتہ شناسی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب محمد یار خاں کی دعوت کو سودا نے قبول نہیں کیا تو اس کے درباری شاعروں کے حلقے میں غالباً اس کا بڑا چرچا

---

* تذکرۂ ہندی۔

ہوا اور کچھ بعید نہیں کہ اسی لیے قدوی لاہوری وہاں سے سودا کے مقابلے کے لیے فرخ آباد آیا لیکن جیسا کہ میر حسن نے لکھا ہے ذلت اٹھا کر واپس ہوا - چنانچہ خود سودا نے بھی لکھا ہے :—

اے بیابانِ نحوست کے غول　　بستیوں کو نہ کر تو ڈانوا ڈول
فرخ آباد کے محلوں میں　　حد سے باہر تو کر چکا ہے کلول
جلد یہاں سے نکل وگرنہ تیرا　　پھر اس طرح سے میں دونگا کھول

فرخ آباد میں کم و بیش سترہ سال بڑی عزت و آبرو میں گزار دیے یہاں نہ صرف مہربان خاں اس کی قدر دانی اور مزاج داری کرتا تھا بلکہ خود بنگش بھی اس پر مہربان تھا - چنانچہ وہ قصائد وغیرہ جو اس کی تعریف میں ہیں اس پر شاہد ہیں - کہا جاتا ہے کہ نواب احمد خاں بنگش کے انتقال پر سودا فرخ آباد سے فیض آباد گیا - یہ صحیح نہیں بلکہ اس کی وفات (سنہ ۱۱۸۵ ھ) سے کچھ قبل اس نے فرخ آباد کو خیر باد کہی - نواب احمد خاں اپنی وفات سے دو سال قبل بصارت سے محروم ہو گیا تھا ' یہ دو سال اس کے نہایت ابتری میں گزرے اور اسے حکومت کے کاروبار کو پوری طرح دیکھنے بھالنے کا موقع نصیب نہ ہوا - سودا کا سرپرست امیر مہربان خاں دیوان بھی اپنے سرکاری فرائض کی بہ نسبت نواب کے علاج معالجے میں زیادہ مصروف تھا - نواب کی بیماری اور اس کے اوہام پرستانہ معالجے نے فرخ آباد کے پناہ گزیں شعرا کو نئی گردش کا پیغام سنا دیا تھا - یہی وجہ ہے کہ سودا نے اس کی وفات سے قبل نہ کہ بعدِ وفات فرخ آباد کو خیر باد کہی اس کا ثبوت خود اس کے کلام میں موجود ہے- مہربان خاں کے اشعار کی تعریف

میں ایک مثنوی لکھی ہے اس میں اپنے رخصت ہونے کا ذکر کیا ہے اور دعا دی ہے کہ تو نواب کے سایے میں پھلے پھولے اور سوز کی سفارش کی ہے کہ وہ ایک طائرِ خوش نوا ہے جو اتفاق سے تیری محبت کے جال میں گرفتار ہے - اگر وہ یہاں سے چھوٹا تو پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا —

شعر کے بحر میں ترا اوستاد — کشتیِٔ ذہن کو ہے بادِ مراد
اُس کو ہر طرح تو غنیمت جان — پھر ملے گا نہ سوز سا انسان
کیسے ہی رام ہوں کسی کے ساتھ — یاچھی پھر کے ہوئے نہ آویں ہاتھ

کر چکا میں دعا پہ ختم کلام — پہنچے رخصت کا میری تجکو سلام
حشر تک زیرِ سایۂ نواب — رہیو جوں آفتاب عالم تاب

ان اشعار سے صاف روشن ہے کہ سودا نے احمد خاں کی وفات (سنہ ۱۱۸۵ ھ) سے قبل فرخ آباد کو الوداع کہی - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ سنہ ۱۱۸۳ ھ تک تو ضرور فرخ آباد میں موجود تھا اس لیے کہ اس کے ایک خط کا ذکر شفیق نے گل رعنا میں کیا ہے جو غرۂ ربیع الآخر ۱۱۸۳ ھ کو فرخ آباد سے ذکا کے نام لکھا تھا ' ایسی صورت میں فرخ آباد چھوڑنے کی تاریخ سنہ ۱۱۸۳ ھ اور سنہ ۱۱۸۵ ھ کے درمیان پڑتی ہے - فرخ آباد سے نکل کر سودا فیض آباد پہنچا جو نواب شجاع الدولہ کی راج دھانی تھی- نواب اس کا بڑا احترام کرتا تھا اور اپنی سرکار میں اس کے رہنے کو غنیمت جانتا تھا* - سودا نے کئی قصیدے اور قطعے وغیرہ مختلف تقریبوں سے اس کی شان میں کہے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ

---

* تذکرۂ ہندی -

وہ یہاں بڑی حد تک خوش اور فارغ البال تھا۔ دلی سے بہت سے مشاہیر اور صاحبان فن و کمال یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ یہاں کی محفل نے بالکل دلی کا سا رنگ اختیار کر لیا تھا اور سودا کے قیام سے شعر و شاعری کا بازار گرم ہو گیا تھا*۔ اس لیے اس کے واسطے یہ ماحول کچھ نیا، اجنبی اور ناموافق نہ تھا، تین چار سال گزر نے بھی نہ پائے تھے کہ ۱۱۸۸ھ میں نواب شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا۔

نواب آصف الدولہ مسند آرا ہوئے۔ انہوں نے فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو مرکزِ حکومت قرار دیا، فیض آباد کی رچی رچائی محفل لکھنؤ میں جمی۔ سودا کو بھی وہاں جانا پڑا۔ یہاں کا رنگ ہی کچھ اور تھا، آصف الدولہ کی نئی نئی حکومت تھی، رنگ رلیوں اور خوش مستیوں کا زمانہ تھا، نام و نمود اور شان و شکوہ کی دھن میں روپیہ پانی کی طرح بہتا تھا۔ یہاں بھی سودا کی عزت و توقیر میں فرق نہ آنے پایا بلکہ ایک حد تک اس کے اعزاز میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کا حال سودا کے رسالۂ عبرت الغافلین اور اس کے شاگرد حکیم اصلح الدین کے اس قصیدے سے معلوم ہوگا جو مصحفی کی ہجو میں تحریر ہوا ہے۔ آزاد دہلوی نے رسالۂ مذکور اور اس قصیدے کا خلاصہ آب حیات میں درج کیا ہے جو یہاں بجلسہ نقل کیا جاتا ہے :—

"اشرف علی خاں نام ایک شریف خاندان شخص تھے، انہوں نے فارسی کے تذکروں اور استادوں کے دیوانوں میں سے پندرہ برس کی محنت میں ایک انتخاب مرتب کیا اور تصحیح کے لیے مرزا فاخر

---

* تذکرۂ شاہ کمال۔

مکیں کے پاس لے گئے کہ اُن دنوں فارسی کے شاعروں میں نامور وہی تھے - انہوں نے کچھہ انکار کچھہ اقرار اور بہت سی تکرار کے بعد انتخاب مذکور کو رکھا اور دیکھنا شروع کیا - مگر جابجا استادوں کے اشعار کو کہیں بے معنی سمجھہ کر کاٹ ڈالا کہیں تیغ اصلاح سے زخمی کر دیا - اشرف علی خاں صاحب کو جب یہ حال معلوم ہوا تو گئے اور بہت سی قیل و قال کے بعد انتخاب مذکور لے آئے - کتاب اصلاحوں سے چھلنی ہو گئی تھی اس لیے بہت رنج ہوا ' اسی عالم میں مرزا کے پاس لاکر سارا حال بیان کیا اور انصاف طلب ہوئے' ساتھہ اس کے یہ بھی کہا کہ آپ اسے درست کر دیجیے - انہوں نے کہا مجھے فارسی زبان کی مشق نہیں ' اُردو میں جو چلتا لفظ جوڑ لیتا ہوں خدا جانے دلوں سے کیونکر قبولیت کا خلعت پالیا ہے - مرزا فاخر مکیں فارسی داں اور فارسی کے صاحب کمال ہیں انہوں نے جو کچھہ کیا سمجھہ کر کیا ہوگا - آپ کو اصلاح منظور ہے تو شیخ علی حزیں مرحوم کے شاگرد شیخ آیت اللہ ثنا ' میر شمس الدین فقیر کے شاگرد مرزا بچھو ذرہ تخلص موجود ہیں ' حکیم بو علی خاں ہاتف بنگالہ میں ' نظام الدین صانع بلگرامی فرخ آباد میں ' شاہ نورالعین واقف شاہ جہان آباد میں ہیں' یہ ان لوگوں کے کام ہیں —

جب مرزا نے ان نامور فارسی دانوں کے نام لیے تو اشرف علی خاں نے کہا کہ ان لوگوں کو مرزا فاخر خاطر میں بھی نہیں لاتے - غرض کہ ان کے اصرار سے مرزا نے انتخاب مذکور کو رکھہ لیا ؛ دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو جو باکمال سلف سے آج تک مسلم الثبوت چلے آتے ہیں ان کے اشعار

تمام زخمی تڑپتے ھیں- یہ حال دیکھ کر مرزا کو بھی رنج ھوا - بموجب صورت حال کے رسالۂ "عبرت الغافلین" لکھا اور مرزا فاخر کی غلط فہمیوں کو اصولِ انشاپردازی کے بموجب کما حقہ ظاھر کیا - ساتھ اس کے ان کے دیوان پر نظر ڈال کر اس کی غلطیاں بھی بیان کیں اور جہاں ھو سکا اصلاح مناسب دی —

مرزا فاخر کو بھی خبر ھوئی ' بہت گھبرائے اور چاھا کہ زبانی پیاموں سے ان داغوں کو دھوئیں چنانچہ بقاء اللہ خاں بقا کو گفتگو کے لیے بھیجا' وہ مرزا فاخر کے شاگرد تھے اور بڑے مشاق اور باخبر شاعر تھے - مرزا سے ان سے خوب خوب گفتگوئیں رھیں اور مرزا فاخر کے بعض اشعار جن کے اعتراضوں کی خبر اڑتے اڑتے ان تک بھی پہنچ گئی تھی ان پر ردو قدح بھی ھوئی - چنانچہ ایک شعر ان کا تھا —

گرفتہ بود دریں بزم چوں قدح دلِ من شگفتہ روئی صہبا شگفتہ کرد مرا

مرزا کا اعتراض تھا کہ قدح کو گرفتہ دل کہنا بے جا ھے - اھل انشا نے ھمیشہ قدح کو کھلے ھوئے پھول سے تشبیہہ دی ھے یا ھنسی سے کہ اسے بھی شگفتگی لازم ھے - بقا نے جواب میں شاگردی کا وسیلہ بہت بہایا اور آخر کو بافل کا ایک شعر بھی سند میں لائے ... - مرزا رفیع سن کر بہت ھنسے اور کہا کہ اپنے اُستاد سے کہنا کہ اُستادوں کے شعروں کو دیکھا کرو تو سمجھا بھی کرو ' یہ شعر تو میرے اعتراض کی تائید کرتا ھے - .... غرض یہ تدبیر پیش نہ گئی تو مرزا فاخر نے اور راہ لی - ان کے شاگرد لکھنؤ میں بہت تھے ' خصوصاً شیخ زادے کہ ایک زمانے میں وھی ملک اودھ کے حاکم بنے ھوئے تھے اور سپہ زوری اور سرشوری کے بخار ابھی تک دماغوں

سے نہ گئے تھے۔ ایک دن سودا تو بے خبر گھر میں بیٹھے تھے وہ بلوہ کر کے چڑھ
آئے - مرزا کے پیٹ پر چھری رکھ دی اور کہا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ
سب لو اور ہمارے استاد کے سامنے چل کر فیصلہ کرو - مرزا کو مضامین
کے گل پھول اور باتوں کے طوطے مینا تو بنانے آتے تھے مگر یہ مضمون ہی
نیا تھا سب بھول گئے - بیچارے نے جزدان قلم کو دیا خود میانے میں
بیٹھے اور اُن کے ساتھ ہوے - گرد وہ لشکرِ شیطان تھا یہ بیچ میں تھے '
چوک میں پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ یہیں انہیں بے عزت کیجیے ' کچھ
تکرار کر کے پھر جھگڑنے لگے ...... اتفاقاً سعادت علی خاں کی سواری آنکلی۔
مجمع دیکھ کر ٹھیر گئے اور حال دریافت کر کے سودا کو اپنے ساتھ ہاتھی
پر بٹھا کر لے گئے - آصف الدولہ مرحوم صدر میں دسترخوان پر بیٹھے
تھے سعادت علی خاں اندر گئے اور کہا کہ بھائی صاحب بڑا غضب ہے '
آپ کی حکومت اور شہر میں یہ قیامت - آصف الدولہ نے کہا کیوں
بھئی خیر باشد - انہوں نے کہا کہ مرزا رفیع جس کو باوا جان نے برادرِ
من اور مشفقِ مہربان کہہ کر خط لکھا ' آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ
آیا - آج وہ یہاں موجود ہے اور اس حالت میں ہے کہ اگر اس وقت
میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس بیچارے کو بے حرمت کر ڈالا
تھا - پھر سارا ماجرا بیان کیا - آصف الدولہ فرشتہ خصال گھبرا کر بولے
کہ بھئی مرزا فاخر نے ایسا کیا تو مرزا کو کیا کیا گویا ہم کو بے عزت کیا -
باوا جان نے ان کو بھائی لکھا تو وہ ہمارے چچا ہوے - سعادت علی خاں نے
کہا اس میں کیا شبہ ہے - اسی وقت باہر نکل آئے' سارا حال سنا - بہت
خفا ہوے اور کہا کہ شیخ زادوں کا محلہ اکھڑوا کر پھینک دو اور شہر سے

نکلوا دو۔ مرزا فاخر کو جس حال میں ہو اُسی حال سے حاضر کرو۔ سودا کی نیک نیتی دیکھنی چاہیے۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جناب عالی ہم لوگوں کی لڑائی کاغذ قلم کے میدان میں آپ ہی فیصل ہوجاتی ہے حضور اس میں مداخلت نہ فرماویں۔ قلم کی بدنامی ہے۔ جتنی مدد حضور کے اقبال سے پہنچی وہ کافی ہے۔ غرض مرزا رفیع باعزاز و اِکرام وہاں سے رخصت ہوئے۔ نواب نے احتیاطاً سپاہی ساتھ کر دیے۔ حریفوں کو جب یہ راز کھلا تو اُمراے دربار کے پاس دوڑے۔ صلاح ٹھہری کہ معاملہ روپیہ یا جاگیر کا نہیں۔ تم سب مرزا فاخر کو لے کر مرزا رفیع کے پاس جاؤ اور خطا معاف کروالو۔ دوسرے دن آصف الدولہ نے سر دربار مرزا فاخر کو بھی بلایا اور کہا کہ تمہاری طرف سے بہت نازیبا حرکت ہوئی۔ اگر شعر کے مرد میدان ہو تو اب روبرو سودا کے ہجو کہو۔ مرزا فاخر نے کہا "ایں از ما نمی آید"۔ آصف الدولہ نے کہا "ایں از شما می آید کہ ایں شیاطینِ خود را بر سرِ مرزاے بے چارہ فرستادید از خانہ ببازارش کشیدند و می خواستند آبرویش بخاک بریزند"۔ پھر سودا کی طرف اشارہ کیا یہاں کیا دیر تھی فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی :-

تو فخرِ خراسانی و فا ساقط ازو گوہر بہ دہاں داری و را ساقط ازو
روزان و شباں ز حق تعالیٰ خواہم مرکب دہدت خدا و باساقط ازو"

اس واقعے کا انجام بقولِ آزاد "یہ ہوا کہ علاوہ انعام و اِکرام چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ہوگیا اور نواب نہایت شفقت کی نظر فرمانے لگے۔ اکثر حرم سرا میں بیٹھے ہوتے اور مرزا کی اطلاع ہوتی باہر نکل آتے تھے۔ شعر سن کر خوش ہوتے اور انہیں انعام

سے خوش کرتے تھے * بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ نواب نے خطاب ملک الشعرائی سے سرفراز کیا تھا یہ بیان قطعاً غلط ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو صفحات ۳۵ - ۳۶ مقالہ ھذا - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نواب حد سے زیادہ قدردانی کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مرزا کا کلیات ہمیشہ نواب کے پلنگ پر مطالعے کے لیےدھرا رہتا تھا † —

آزاد کے سوا علی لطف اور اسپرنگر نے بھی چھ ہزار سالانہ کی جاگیر کا ذکر کیا ہے لیکن سودا کو نقد رقم حاصل کرنے میں درباری کارکنوں اور عاملوں کی بڑی منت سماجت کرنی پڑتی تھی اور خزانے سے رقم اس دشواری اور ذلت سے ملتی تھی کہ اس نے اس کی بار بار شکایت کی ہے - ایک قصیدے میں آصف الدولہ سے اِن دقتوں کی شکایت کی ہے اور نقد رقم کے عوض جاگیر سے سرفراز کرنے کی درخواست کی ہے :—

اِس نظم سے غرض ہے مجھے عرضِ مدعا
مقصد مرا تغزل ہے پہلےچہ بانصرام

اپنی تری جناب میں اتنی ہی عرض ہے
کس کس کا ملتجی ہوں کہا کر ترا غلام

انصاف ہے کہ ہو وہ عطا اس جناب کی
اور ان کی میں سماجت و منت کروں مدام

دیہات جو ہیں مصرفِ مطبخ کے اس میں سے
اس نقدی کے عوض ہو مجھے محتاکِ طعام

لکھنؤ میں آصف الدولہ کے سوا سودا کے اور بھی ممدوح تھے جن میں سرفرازالدولہ حسن رضا خاں نائب سلطنت زیادہ اہمیت رکھتا

---

* آب حیات - † تذکرۂ شاہ کمال -

تھا - اس کی نسبت شاہ کمال نے لکھا ہے "مرزا حسن رضا خاں صاحب دیوان خوش فکر شاعر ہے - اپنا دیوان بہ ثبت دستخط مجھے لکھنؤ میں دیا تھا - سودا سے مشق سخن کرتا تھا اور مجھ سے اتحاد و ربط رکھتا تھا - ایام طفلی سے لے کر یہاں (حیدرآباد) آنے تک لکھنؤ میں سالہا سال ملاقات اور یک جا قیام کا اتفاق تھا" .* سودا تو اس کا اُستاد ہی تھا اس کے سوا اور کئی شاعر اُس کی سرکار سے وابستہ تھے - میر حسن اور دوسرے کئی شعرا اُس سے توسل رکھتے تھے - یہ خود شاعر تھا اور رضا تخلص کرتا تھا - شاہ کمال نے اس کے دیوان کا اچھا خاصا انتخاب اپنے تذکرے میں درج کیا ہے - سودا نے اس کی مدح میں چند قصیدے اور چند قطعے وغیرہ کہے ہیں - ایک قصیدے میں مقررہ رقم کے بآسانی نہ ملنے کی شکایت کی ہے :—

پھرا کروں میں لیے مشت استخواں اپنے
مکانے میں پئے عیال زیر کہنہ رواق

سو اب تو اس سے بھی نوبت گزر گئی ہے مگر
گلے میں کرتا 'بپا کندھ' ہاتھ میں چماق

سپرد تجکو ہے سررشتہ سب کی حرمت کا
کیا ہے الٰہی وہ مخلوق کا ہے جو خلاق

سو طالب الٰہی میں حرمت کا اب نہیں جس سے
کروں معاش بسر اپنا میں بہ تم و طراق

عوض میں دے مجھے اس نقدی کے تو ایسا گاؤں
بسر ہو عمر مری جس سے زیر کہنہ رواق

---

* ترجمہ از تذکرۂ شاہ کمال -

نہ شکل نور علی خاں ہوں کھا کے میوں فربہ
نہ سوکھ کر ہوں طرح میرزا رفیع کے قاق

بہ نان و دال میں سازش کر ایک گوشہ میں
مدام مدح میں تیری لکھا کروں اوراق

معلوم نہیں کہ مقررہ نقد رقم کے عوض کوئی گاؤں جاگیر میں ملا کہ نہیں - علی لطف نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی اور چھ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کردی —

دوسرے ممدوح مسٹر رچرڈ جانسن ریذیڈنٹ لکھنؤ تھے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہر دل عزیز انگریز تھے - " ملک وسکان کے وہ باشندے جو ان سے شناسائی رکھتے تھے ان کا کمال احترام کرتے تھے" * - یوں بھی دربار اودھ میں انگریزوں کا دخل بڑھتا جا رہا تھا - ان کے سیاسی اقتدار کے لیے خود شجاع الدولہ نے بہت پہلے میدان صاف کردیا تھا - وہ روز بروز چھا رہے تھے - سودا نے جو قصیدہ مسٹر جانسن کی مدح میں لکھا ہے اس سے ایک انگریز ریذیڈنٹ کے اقتدار کا پتا چلتا ہے —

تیری وہ ذات کو تو نہیں ہے شہ فرنگ
کرسی میں تیری پایۂ اورنگ کا ہے ڈھنگ

جانسن کو ممتاز الدولہ حسام جنگ کا خطاب بھی تھا -

ہے اب مگر وہ ایک کہ جس کا ہے یہ خطاب
ممتاز دولہ فخر جہان و حسام جنگ

ایسے مقتدر اور ذی اثر شخص کی مدح میں قصیدہ لکھنا باعث تعجب نہیں - مسٹر جانسن کے سیاسی اقتدار کے باوجود سودا کے اس

---

* فہرست کتب خانۂ ٹیپو سلطان -

سے خوش گوار تعلقات تھے جس کا بڑا ثبوت خود یہ قصیدہ ہے —
اس انگریز ریذیڈنٹ کو ایک ہندوستانی شاعر سے دلچسپی کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی لیکن علی لطف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اردو شاعری سے خاص لگاؤ تھا ' اس نے لکھا ہے کہ نواب محبت خاں محبت خلف نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے " قصہ سسی پنو کا فرمانے سے ممتاز الدولہ مسٹر جانسن بہادر کے ... ... نظم کیا اور نام اس مثنوی کا اسرار محبت رکھا ہے "- اس کے علاوہ قمرالدین منت کو بھی اس کا توسل حاصل تھا* یہی سبب ہے کہ سودا سے اس کے خوشگوار تعلقات ہے —

نواب آصف الدولہ اور اہلِ لکھنؤ کی قدردانی اور رتبہ شناسی نے بڑی حد تک فارغ البال رکھا لیکن اس پیرانہ سالی میں حصولِ معاش کی خاطر دربدر کی گردشوں اور دقتوں سے دوچار ہونا پڑا تو وطن یاد آیا - شروع میں وطن میں رہنے کو بے مزہ سمجھتا رہا - ترکِ وطن اس کے نزدیک انگور سے رس کا نکلنا اور باہر آکر پر کیف شراب بننا تھا - لیکن جب غریب الوطنی کے مصائب کا سامنا ہوا تو بے اختیار وطن یاد آیا - وطن کی عافیت کو کس طرح یاد کیا ہے : —

بلبل کو کیا تڑپتے میں دیکھا چمن سے دور
یارب نہ کیجیو تو کسی کو وطن سے دور

وطن سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں رہا اور جس حال میں رہا دھلی اور اس کے احباب کو بھولا نہیں - کس حسرت سے جہاں آباد کے احباب کو یاد کیا ہے : —

---
* گلشن ہند -

فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے سودا ہے
خبر اس کی جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو

ایک اور جگہ لکھا ہے : —

سودا وطن کو تج کر گردش سے آسماں کی
آوارۂ غریبی ہے اتنی مدتوں سے
شوقِ زباں تک اپنے ہم شہریوں کو بھولا
نامہ جو اُس کو پہنچا اُن بے مروتوں سے
کھولا اُسے تو ہرگز اک لفظ بھی نہ سمجھا
قاصد سے پوچھے معنی رو رو اشارتوں سے

وطن کو چھوڑے ہوئے مدت ہوچکی تھی لیکن غریب الوطنی کا احساس تھا اور دھلی اور وہاں کے دوست احباب ہر وقت یاد آتے تھے۔ لیکن جب ایک بار سنہ ۱۱۶۷ ھ میں وطن سے نکلا تو سنہ ۱۱۹۵ ھ تک دھلی کا قیام نصیب نہ ہوا - یہاں تک کہ آخرالذکر سال میں ۴ رجب کو رحلت کی - لکھنؤ میں آقا باقر کے امام باڑے میں سپرد خاک ہوا - شفق اورنگ آبادی نے تاریخ کہی ہے : —

لکھنؤ بیچ میرزا رفیع چوتھی رجب کی جان سے گزرے
جب کہ ... کہا ہوئی تاریخ ہائے سودا جہان سے گزرے

سودا کی رحلت کا واقعہ ایسا نہ تھا کہ آسانی سے صبر و شکر کیا جاتا - دھلی اور لکھنؤ کے شعراء کے حلقوں میں اس کا بڑا ماتم ہوا - عرصے تک لوگ اُسے یاد کرتے رہے - ہم عصروں اور شاگردوں نے تاریخیں کہی‌ہیں اور متاخرین نے اپنے کلام میں اکثر اُس کا ذکر کیا ہے - شاہ حاتم نے جب سنا تو بے اختیار ہو کر کہا " ہائے ہمارا پہلوانِ سخن

مرگیا "*۔ اُس کے ہمدم و ہم‌نشین شاگرد میر فخرالدین ماہر نے جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا وہ اُس کے مزار پر کندہ کیا گیا تھا :—

خلد کو جب حضرتِ سودا گئے — فکر میں تاریخ کے ماہر ہوا
بولے منصف دور کر پائے علاں — شاعرانِ ہند کا سرور گیا

قائم نے بھی ایک تاریخی قطعہ کہا ہے :—

آہ مرزا رفیع دنیا سے — جا کے جنت میں جب مقیم ہوا
دردِ فرقت سے اُس کے مثلِ قلم — اہلِ معنی کا دل دو نیم ہوا
گل سے تا خار اس چمن میں جو تھا — خاک بر سر وہ جوں نسیم ہوا
سالِ تاریخ کی تھی مجکو تلاش — کیونکہ بس حادثہ عظیم ہوا
اس میں پیرِ خرد نے از سر یاس — یہ کہا اب سخن یتیم ہوا

قائم نے جگہ جگہ سودا کو یاد کیا ہے :—

سلیے کس کا سخن کہ دل سے مٹے — داغ مرزا رفیع سودا کا

قمرالدین منت نے " بگفت گوہر معنی یتیم شد ہے ہے " کے مصرعے سے تاریخ نکالی ہے ۔ اور ناسخ نے " سودا جوہر فضل " سے —

مصحفی ماہ محرم میں سودا کے مزار پر گئے تو اُن کو ماہر کا قطعہ پسند نہ آیا اور خود بڑے شوق سے ایک قطعہ نظم کیا :—

مرزا رفیع آنکہ در اشعار ہندیش — ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستاں غلو
ناگہ چو در نوشت بساطِ حیات را — گردید مدفنش ز قضا خاکِ لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی — سودا کجا و آں سخنِ دل‌فریب او

ناسخ نے اپنے دیوان میں کئی جگہ سودا کو یاد کیا ہے' ایک شعر ہے :۔

---

* آب حیات ۔

پہلے اپنے عہد سے افسوس سودا اُٹھ گیا
کس سے ناسخ اس غزل کی جا کے لیں اب داد ہم

خانگی زندگی

سودا کی خانگی زندگی کے حالات بڑی حد تک تاریکی میں ہیں - اُس کے اہل و عیال کے متعلق تفصیلات بھی تک روشنی میں نہیں آئیں - مختلف تذکروں میں مختلف بیانات ہیں - قائم اور میر حسن نے لکھا ہے کہ سودا کا ایک بیٹا تھا جس کا نام مرزا غلام حیدر تھا - یہ شاعر تھا اور مجذوب تخلص کرتا تھا - علی ابراہیم اور علی لطف نے بھی مجذوب کو سودا کا بیٹا ہی بتایا ہے - آخر الذکر نے لکھا ہے کہ وہ سنہ ۱۲۱۵ھ تک لکھنؤ میں زندہ تھا اور عسرت و تنگ دستی میں زندگی کے دن گزارتا تھا - قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ مجذوب سودا کا تربیت کردہ ملحوظ نظر اور بہ طریقِ فرزند پرورش کیا ہوا شاگرد تھا - مصحفی نے اسے پسر خواندہ لکھا ہے - سرور نے متبنائے سودا - قاسم نے سودا کا متبنیٰ، مغل بچہ اور جوان خوش اخلاق لکھا ہے - طبقات سخن میں غلام محی الدین قریشی میرٹھی نے لکھا ہے کہ "مجذوب اپنے تئیں سودا کا بیٹا بتاتا ہے لیکن سودا کے کوئی بچہ نہ تھا - شاید متبنیٰ لیا ہو" - شیفتہ نے لکھا ہے "سودا بفرزندیش برداشتہ بود" - ان بیانات میں قائم اور میر حسن کے بیانات زیادہ قدیم ہیں - یہ اس لیے معتبر بھی ہو سکتے ہیں کہ ان دونوں کے سودا سے زیادہ گہرے تعلقات تھے - خود مجذوب نے بھی سودا سے تعلقِ پسری کا اظہار کیا ہے :—

خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجکو

سودا کا سن کے بیٹا مجذوب جانتے ہیں

نہ معلوم میر سے اُس کی کیوں ان بن ہوگئی تھی کہ اُن کے جواب میں سات دیوان لکھے ایک شعر میں ان کو مخاطب کر کے لکھا ہے : -

اے میر سمجھیو مت مجذوب کو اوروں سا

ہے وہ خلفِ سودا اور اہلِ ہنر بھی ہے

یہ شروع میں حیدر تخلص کرتا تھا - قائم نے سنہ ۱۱۶۸ ھ میں یہی تخلص بتایا ہے - تبدیلِ تخلص کی وجہ اپنے باپ کے تخلص (سودا) کی مناسبت ہے - قائم نے اس کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نو عمر اور نو مشق تھا - وہ لکھتا ہے " نور بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرت مرزا صاحب است . طبعِ سلیم و فہمِ درست دارد - اگر دنبال انداز گوئی والد ہمتے گیرد باندک روزے اصلاح پذیرد " - تالیف تذکرۂ قائم کے وقت (سنہ ۱۱۶۸ ھ) قرین قیاس یہ ہے کہ مجذوب کی عمر اٹھارہ بیس سال کی ہوگی - اس لحاظ سے سنہ ۱۱۵۰ ھ کے لگ بھگ اس کی پیدائش کا سنہ ہوگا - اگر قائم اور میر حسن کے بیانات صحیح ہیں تو سودا ۴۰ اور ۵۰ سال کی عمر کے درمیان متاہل اور صاحب اولاد ہوگا * - اگر قائم اور میر حسن کے بیانات اس بنا پر ہیں کہ سودا نے مجذوب کی پرورش بطور فرزند کی تھی تو صاحبِ طبقات سخن کا بیان صحیح ہے کہ سودا لاولد تھا اور یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ جب عمر زیادہ ہوگئی اور اولاد کی توقع نہ رہی تو متبنیٰ لے لیا - آزاد ' سودا

---

* نیز ملاحظہ ہو صفحۂ ۳۵ مقالۂ ہذا -

کی وفات کے اٹھتر سال بعد لکھا گئے ان کو "بڑی تلاش کے بعد ایک شخص ملے کہ ان کے نواسے کہلاتے تھے - بے چارے پڑھے لکھے بھی نہ تھے اور آشفتہ حال تھے" - ممکن ہے کہ سودا کے کوئی لڑکی ہو یا مجذوب کی آل سے کوئی اولاد ہو جس سے آزاد کی ملاقات ہوئی - سودا کے مزید خاندانی حالات اور اس کے اہل و عیال کے متعلق تفصیلات ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں —

غنچہ

ممکن نہیں کہ سودا کا ذکر آئے اور اس میں اس کے غلام غنچہ کو جگہ نہ ملے - آزاد کا بیان ہے کہ " ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اور ساتھ قلمدان لیے پھرتا تھا - جب کسی سے بگڑتے تو فوراً پکار اٹھتے ارے غنچہ! لا تو قلمدان اس کی خبر تو لوں - یہ مجھے سمجھا کیا ہے؟ پھر شرم کی آنکھیں بند اور بے حیائی کا منہ کھول کر وہ وہ بے نقط سناتے کہ شیطان بھی امان مانگے" —

آزاد کے سوا کسی قدیم تذکرہ نگار نے غنچہ کا ذکر نہیں کیا - البتہ اس کا ایک شاگرد میاں فخرالدین ماہر خلف اشرف علی خاں (صاحب تذکرہ) تھا جو ہر وقت اس کی خدمت میں رہا کرتا تھا - تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سودا کے دیوان کی تبئیض کا کام وہی انجام دیتا تھا اور وہ خود بھی فخریہ بیان کرتا تھا کہ ہمیشہ مرزا کی صحبت میں سرگرم رہا - مصحفی نے لکھا ہے " ازیں جہت اکثر اوقات خود را از مصاحبان و مشیران مرزا می شمارد و فخریہ می گوید کہ مونس ہر وقت ایشاں بودہ ام و طرفہ تر ایں کہ با وصف آگاہی فن اگر کلامش نگاہ کنی خالی از سخافت نیست - دریں جا ایں مثل بسیار بموقع بیاد آمدہ

کہ دوران با خبر در حضور و نزدیکان بے بصر دور' —

مصحفی کے اِس بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ماہر کی خدمت پر نظر کرکے لوگوں نے ازراہِ ظرافت یہ نام دے دیا ہو جس نے رفتہ رفتہ ایک حقیقی واقعے کی شکل اختیار کرلی - یہ قیاس ہے البتہ آزاد کے بیان کی تائید اس تصویر سے ہوتی ہے جو انڈیا آفس کے نسخۂ کلیات سودا میں موجود ہے - تصویر ہم نے اس مقالے کے شروع میں دے دی ہے' اس کے پیچھے جو خادم ایستادہ ہے شاید اس کا نام غنچہ ہو' بہرحال جب تک کوئی قدیم تحریری شہادت نہ ملے اس وقت تک آزاد کے بیان پر کامل یقین نہیں کیا جاسکتا —

مالی حالت

سودا کے باپ تاجر کی حیثیت میں ہندوستان آئے تھے' مشہور تاجر تھے' خوب کمایا - ننھیال بھی خوش حال تھی- مرزا کے نانا نعمت خاں عالی عالمگیری امیر تھے- بچپن فارغ البالی اور خوش حالی میں گزرا - باپ نے ترکہ میں بہت کچھ چھوڑا تھا - جوانی میں سب کچھ اُڑادیا اور بادشاہی نوکری اختیار کرلی- جس میں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی - فوجی نوکری چھوڑ کر امیروں کی مصاحبت اختیار کرلی تھی - یہ زمانہ بھی فارغ البالی کا تھا' لیکن جب سلطنت دہلی کا رنگ بگڑا تو فرخ آباد جانا پڑا' جہاں مہربان خاں رند کفیل تھا - وہاں قدردانی کے خوب مزے اڑائے - فیض آباد اور لکھنؤ میں رہا تو ایک حد تک خوش حال تھا - آصف الدولہ نے چھ ہزار سالانہ کی رقم مقرر کردی تھی - اس زمانے میں یہ رقم کچھ معمولی نہ تھی - اِس میں شبہ نہیں کہ اس کے ملنے میں بڑی دشواری

ہوتی تھی اور بڑھاپے میں اس کے حاصل کرنے کے لیے بڑی پیروی اور دوا دوش کرنی پڑتی تھی تاہم یہاں بھی معاشی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا اور تنگ دستی کی صورت نہیں دیکھی - آمدنی اتنی معقول تھی کہ اس پر اقران و امثال رشک کرتے تھے - چنانچہ میر جیسے قانع اور ضابط و متین شخص نے بھی جب مرزا کی ہجو کتے پالنے پر لکھی تو آمدنی کی طرف اشارہ کیا ہے —

اک جو لچر کو رزق کی وسعت سی ہوگئی
تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہوگئی

بہر حال مرزا کی آمدنی اس قدر تھی کہ وہ اپنی زندگی کا معیار کافی بلند رکھ سکا - اس کے پاس نوکر چاکر تھے اور مکان ضروری تکلفات سے آراستہ تھا - رچرڈ جانسن کو اپنا دیوان بطور تحفہ دیا جس میں اپنی تصویر سر ورق درج کردی - تصویر میں ایک حقہ بردار خادم پیچھے کھڑا ہے، یہ خود قالین کے فرش پر نشست لگائے بیٹھا ہے ' خوش نما گاؤ تکیے ہیں- اس معیار زندگی کے قطع نظر مجذوب کو متبنی لینا (اگر یہ صحیح ہے) اور رنگ برنگ کے کتے پالنے ' خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی آمدنی معقول تھی - معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کماتا تھا اڑا دیتا تھا اور کچھ پس انداز کرنے کی فکر نہیں کرتا تھا - مرنے کے بعد ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا اس لیے کہ اس کی وفات کے بعد مجذوب لکھنؤ میں پریشانی اور عسرت میں دن کاٹتا تھا * —

عادات و اخلاق

سودا کے کردار کے حق میں میر نے ایک نہایت جامع جملہ لکھا ہے "جوانے است خوش خلق و شگفتہ روے"

* گلشن ہند مولوی علی لطف -

میر صاحب کی صاف گوئی مشہور ہے - ان کے بیان کی روشنی میں سودا کے کردار کو دیکھنا چاہیے - بے شبہ وہ خوش اخلاق تھا - اس کا برتاو دوست احباب کے ساتھہ شریفانہ تھا - کثرت سے دوست آشنا تھے - وہ سب سے بحفظِ مراتب ملتا تھا اور سب کا خیال رکھتا تھا - شاگرد بےحدو حساب تھے - ان سب سے محبت کا سلوک کرتا تھا - شاگرد کسی خاص فرقے ' طبقے یا مقام کے نہ تھے ' بلکہ مختلف فرقوں اور مقاموں کے شاعر اس سے فیض پاتے تھے - یہ سب کو نہایت فراخ دلی سے شعر و سخن کے رموز سے واقف کرتا تھا - اِس سے اس کی وسیع المشربی کا پتا چلتا ھے - مشہور شاعر تھا اور دور و نزدیک کے اهلِ کمال سے راہ و رسم رکھتا تھا - شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ھے کہ فرخ آباد سے ایک خط سنہ ۱۱۸۳ ھ میں ذکا کے نام لکھا تھا " بعد تحریر این تذکرہ (گل رعنا) خطے محررۂ غرۂ ربیع الآخر سنہ ثلاث و ثمانین و مائۃ و الف بنام اولاد محمد خاں ذکا بلگرامی از فرخ آباد بہ دکن فرستادہ - و برخے اشعار ریختہ و فارسی بدستخط خود اِرسال داشتہ " - مرزا عارف الدین خان عاجز اورنگ آبادی نے جب اس کی شہرت سنی تو شاعرانہ ترنگ میں ایک شعر میں اس کی ھجو کہی :-

مرزا وهی ھے شہر میں مرزا کہیں جسے
پربت میں یوں تو خرس بھی مرزا رفیع ھے

لیکن جب عاجز دهلی گئے تو اس سے ملے - اپنی ایک غزل سنائی جس کا مطلع ھے : —

اگر کیف سخن میرا نہال تاک کو پہنچے
صراحی شاخ هوجاوے شراب انگور سے ٹپکے

سودا نے کمال خلوص سے اس کی داد دی اور عاجز کو ریختہ کا

استاد تسلیم کیا اور اپنا دیوان دستخطِ خاص سے ان کی نذر کیا * —

میر حسن نے سودا کے متعلق لکھا ہے "مردے است از مغتنمات روزگار، خوش خلق و نیک خو ...... فقیر اکثر در خدمت آں بزرگوار می رسد - بسیار کرم می فرماید" - اِن واقعات سے سودا کی خوش خلقی کا پتا چلتا ہے- اس کی عادتیں بھی اچھی اور پختہ تھیں - مذھب کی طرف زیادہ رجحان رکھتا تھا - کج روی اور بدی سے ھمیشہ بچتا رھا - جو خصائص اس زمانے میں شرفا کے لیے لازم تھے وہ اس میں موجود تھے - اگر عادات و خصائل میں استحکام اور استواری نہ ہوتی تو وہ ضرور امرا اور حکام کی نظروں سے گر جاتا - اِس کے سوا اس کے حریف بھی ھجو نگار تھے - اِن کی زد سے اِس کا بچنا محال ھوجاتا - دوست احباب سے ھمیشہ بے تکلف ملتا تھا - دوستوں کے جلسوں اور مشاعروں میں بے تکلف شریک ھوتا تھا- اکثر لطیفے اور شگوفے چھوڑتا جاتا تھا - احباب سے بڑی گرم جوشی سے پیش آتا تھا - دوستوں کی خاطر تمام ترکہ اڑا دیا اور میراث پھونک ڈالی - شگفتہ رو اور خندہ جبیں تھا - غم و الم کو پاس آنے نہیں دیتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا ھنستا ھنساتا تھا - اس کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا اندازہ ان لطیفوں اور حکایتوں سے ھوگا جن کو ھم نے ظرافت کے عنوان کے تحت الگ درج کیا ھے —

بڑا باکمال شاعر تھا اور استاد مانا جاتا تھا - سلاطین و وزرا کا انیس و جلیس بھی تھا لیکن غرور و تمکنت طبیعت میں نہ تھی - چھوٹے بڑے سب سے مراسم تھے - شاعرانہ رسمی تعلّی کو چھوڑ دیجیے تو اپنے کمال

* یہ روایت ھے جو اورنگ آباد کے بوڑھوں سے سنی ھے -

پر مغرور نہ تھا - بلکہ ہر آن آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا - طبیعت میں طالب علمی کی شان تھی - کچھ نہ کچھ آخر تک سیکھنا ہی چاہتا تھا جیسا کہ خود اس نے دو جگہ لکھا ہے —

" مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا کہ گوہرِ سخن عاصی زیبِ گوشِ اہلِ ہنر ہوا ہے - اس مدت میں ... تمام عالم کے سخن انصاف پر تلمیذانہ گوش دیا جس کی زبان پر قبیلِ اعداسے حرفِ واقعی اور منصفانہ جاری ہوا ہے - باللہ کہ مرتبہ من تعلم حرفاً فہو مولاہ طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد : —

وائے بر جان سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

اس کے پانچ سال بعد ایک مقام پر لکھا ہے : —

بندہ ہم از چہل و پنج سال اوقاتِ خود را در فنِ ریختہ ضائع ساختہ است و ہنوز سخن خود را بعضے جاہا از پایۂ اعتراض بیروں نیافتہ - کساں را کہ دریں فن مسلم الثبوت داند بہ امید حصول فائدہ زانوے ادب تہ کردہ پیش آنہا می نشیند بلکہ نومشق ہم اگر دخلِ بجا در شعرِ ایں عاصی نمودہ است مسلم داشتہ " —

لیکن چھوٹوں کی گستاخی اور اُن کے بے جا تفاخر سے نفرت تھی - اس صورت میں ضبط و برداشت کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا - اسی طرح چھوٹوں کی قبیح عادتوں کو برداشت نہیں کرسکتا تھا - طبیعت میں تیزی تھی، ضبط و صبر اکثر کھو بیٹھتا تھا اور بعض اوقات

بڑی بے اعتدالی کر جاتا تھا - ایک بڑا عیب یہ تھا کہ خیالات و عقائد کے ساتھ ذاتیات پر بھی نازیبا حملے کر بیٹھتا تھا - اس کا حال مذہب اور ہجویات کے عنوانوں کے تحت کسی قدر تفصیل سے ملے گا —

موسیقی دانی سودا کو موسیقی سے بڑی ذوق تھا - اس فن میں اُستادانہ مہارت رکھتا تھا - میر حسن نے لکھا ہے : —

" درعلم موسیقی نیز ماہر است و تصانیفِ بسیار در نغمہ ہم دارد " شوق کا بیان ہے " در موسیقی استاد کامل " - اتفاق سے بعض ایسے لوگوں سے اُسے واسطہ رہا ہے جو موسیقی کے ماہرین کامل سمجھے جاتے تھے - فرخ آباد میں مہربان خاں رند کی رفاقت میں تھا جس کی نسبت میر حسن نے لکھا ہے " در تصانیفِ نغمہ ہم دستے پیدا کردہ - چنانچہ اکثر اہلِ فنا دل عشاق را بہ نغمۂ دل آویز می برند " - اسی مہربان خاں کی نسبت شوق کا بیان ہے " طبعش بطرف علم موسیقی زیادہ از حد مائل - اکثر تپہ و خیال از تصنیف او بر زبانِ افواہِ عام متداول " - اسی طرح سودا کا ایک دوست مرزا صادق علی عرف مرزا مدد اللہ شاہ جہان آبادی تھا - مزاح و ظرافت طبیعت میں بہت تھی - موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا تھا اور اس فن میں محمد شاہی عہد کے مشہور گویے میاں نعمت خاں کا شاگرد تھا اور سودا سے خاص ربط ضبط رکھتا تھا - اس نے سودا کے اصرار سے شاعری ترک کر دی تھی * - ان بیانات کے قطع نظر موسیقی دانی کے آثار خود سودا کے کلام میں موجود ہیں - اُس کی بعض مترنم بحریں شہادت دیتی ہیں کہ وہ اس فن میں بصیرت رکھتا تھا اور غالباً اسی لیے

---

* مجموعۂ نغز -

مصحفی نے لکھا ہے " بہ سبب آگاہیِ علمِ موسیقی مرثیہ و سلام کہ گفتہ بر سوز نہادنِ آنہا نیز قادر " —

سگ پروری | سودا کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا - ابریشمی بال والے کتے پالتا تھا * - فدوی لاہوری کی ہجو میں جو ترجیع بند لکھا ہے اُس میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے —

سن بے اُلوا پھنچ کے بلگالے　　سادہ سگ آپ کو تو بلوالے

میرے تئیں کو ہے بسکہ ذوق بہ سگ　　سگ بہت خوب میں نے ہیں پالے

اسی شوق کو دیکھہ کر میر صاحب سے رہا نہ گیا تو انہوں نے اس کی ہجو میں ایک قطعہ لکھا جس کے دو جواب سودا کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں - میر صاحب کی کہی ہوئی ہجو سے پتا چلتا ہے کہ سودا کو کتوں سے بڑی اُلفت تھی - اچھے بال والے کتے پالتا تھا اور ان کو ہمیشہ پیار اور محبت سے رکھتا تھا - رنگ برنگ کے کتے اس کے پاس تھے - دہلی میں تین کتیاں پالی تھیں ان سے اگر ہمسایوں کو تکلیف بھی پہنچتی تھی تو اس کی اس کو پروا نہ ہوتی تھی - ہمسایوں کی گالیاں سہیں لیکن کتوں سے تعرض نہیں کیا - کتوں کو اگر کوئی دھتکارتا تو یہ اپنے دل میں کڑھتا اور خون پی کر رہ جاتا - وہ کتیاں مرگئیں تو اسے بڑا رنج ہوا - اُن میں سے ایک کا نام پستی، دوسری کا لونگی، تیسری کا برقی تھا - میر صاحب کے قطعے کے چند شعر ہیں :—

دتکارو کتے کو تو لہو اپنا وہ پیے
ہے اس کی استخواں شکنی کتوں کے لیے

کتوں کے لے کے زرد و سیاہ و سفید پشم
کس کس طرح سے دیکھتا ہے داب داب چشم

---

* تذکرۂ ہندی

دلی میں تین کتیاں کہیں لے کے پالیاں
ہم سایوں کی جلیوں کے لیے کہائیں کالیاں

وے مر گئیں تو دیر رہا روتا غم زدہ
پسلئی کے پہچے پھر نہ ملسا تک ستم زدہ

لونڈی کا گرم غم جو رہا سو کچھ نہ ہوا
برفی کی تعزیت میں سگ رو بے یخ ہوا

ظرافت سودا کی طبعی ظرافت کے باب میں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ نعمت خان عالی جیسے ظرافت نگار انشا پرداز اور ہزل گو شاعر کا نواسا تھا - اس کو ننھیال کی طرف سے ظرافت ورثے میں ملی تھی - ظرافت اس کی فطرت میں موجود تھی - اِس باب میں اس کی طبیعت انتہا پسند واقع ہوئی تھی - مزاح یا لطیف ظرافت سے گزر کر وہ اکثر تمسخر و فحش کے حدود میں جا نکلتا تھا - طبیعت کہیں رکتی نہیں تھی- جہاں کہیں موقع دیکھتا بے خوف و خطر اپنے قلم و زبان کو جنبش دیتا - اس کی مثالوں میں ہجویہ کلام اور وہ لطیفے ہیں جو تذکروں میں مسلسلاً درج ہو گئے ہیں - ہجویہ کلام پر ہم الگ بحث کریں گے - یہاں چند لطائف درج کیے جاتے ہیں جن سے اس کی ظرافت طبع کا اندازہ ہوگا :-

میر محمد خاکسار قدم شریف (دھلی) کے خدام سے تھے -شاعری کا مزہ تھا اور اپنے تئیں بڑا حریف و طباع سمجھتے تھے - میر صاحب سے ان کی چشمک تھی - ان کے تذکرۂ " نکات الشعرا " کے جواب میں ایک

تذکرہ بنام " معشوق چہل سالۂ خود " لکھا تھا - اس میں سب سے پہلے اپنا ذکر درج کیا تھا اور خود ہی اپنے لیے سیدالشعرا کا خطاب مقرر کر لیا تھا - میر صاحب نے ان کے غرور شاعری اور زعم باطل کا دکھڑا رویا ہے اور اپنے تذکرے میں ان کا ذکر لکھ کر شعرا کے زمرے سے خارج کردیا ہے جس سے دونوں کی چشمک کا پورا ثبوت ملتا ہے - خاکسار ایک روز سودا کے ساتھ مرتضی قلی فراق کے مکان پر گئے اور احباب بھی جمع تھے - سودا کا بیان * ہے کہ "ان حضرت (خاکسار) نے بے موقع میر تقی کا شکوہ چھیڑا اور حاضرین محفل سے اس کی ہجو کہنے کی درخواست کی اس بات کو کسی نے قبول نہیں کیا لیکن بہ پاس خاطر میں نے اسی وقت یہ مطلع کہہ کر اس کے حوالے کیا —

میر کا مکھڑا ہے نکھا گل زنبق کا سا ہے
پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ بھلبق کا سا ہے

یہ سنتے ہی پوری مجلس ہنسی کے مارے لوٹنے لگی - خاکسار کے پیٹ میں بھی ہنسی کے مارے بل پڑ رہے تھے - اس نے جب دیکھا کہ اہل محفل کی ہنسی رک نہیں رہی اور بڑی دیر ہو گئی ہے، دفعتاً اپنے پیٹ پر نظر دوڑائی تو بالکل بھلبق سا تھا - تو سمجھ گئے کہ شعر کا صحیح اطلاق ان کے حامی پر ہو رہا تھا اور یہ ہنسی سب انہیں کو دیکھ کر ہو رہی تھی - یکایک اٹھے اور مرزا اور ان کے ساتھیوں کو لچر و پوچ سنانے لگے - سب نے بڑی منت سماجت کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا - اس روز سے ترک ملاقات ہے " —

---

* مطرزِ نکات —

مہر صاحب کے ہاں پندرہ تاریخ کو مشاعرے کی محفل منعقد ہوتی تھی ' ایک دفعہ ہولی کے موسم میں مشاعرے کی تاریخ پڑی - مشاعرے میں شاعر پہلے ہی سے موجود تھے کہ اتنے میں فضل علی دانا آئے - یہ نہایت سیہ فام اور سیہ ریش تھے اور اس پر کالے کپڑے پہنتے تھے - اس ھئیت میں انہیں آتا دیکھ کرسودا بول اٹھا "یارو ہولی کا ریچھ آیا"- ہولی کا موسم تھا جس میں اس زمانے میں اراجیف و اطفال ' بندر ' ریچھ ' گھوڑے وغیرہ بنتے تھے - مرزا نے یہ فقرہ اس قدر با موقع کہا کہ پوری مجلس ہنسنے لگی * —

اٹاوہ کے ایک شاعر شیخ قائم علی تھے اور امیدوار تخلص کرتے تھے - مرزا سے ملنے کا دل میں بڑا اشتیاق تھا - انعام اللہ خاں یقین کے بھتیجے مقبول نبی خاں کی وساطت سے ملنے کے لیے فرخ آباد گئے - اپنی چند غزلیں مرزا کو سنائیں - مرزا نے سن کر فی البدیہہ یہ شعر کہا —

ہے فیض سے کسی کے یہ نخل ان کا بار دار
اس واسطے کیا ہے تخلص امیدوار

یہ بے چارے بہ ارادۂ شاگردی گئے تھے - بڑے منفعل واپس ہوئے اور یہ شعر پڑھا —

از در دوست ندانم بچہ عنوان رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اس مذاق کا یہ اثر ہوا کہ اپنا تخلص بدل کر قائم رکھا اور پھر کسی کی شاگردی کا خیال نہ ہوا † —

" ایک دن میاں ہدایت ملاقات کو آئے - بعد رسوم معمولی

* نکات الشعرا — † مجموعۂ نغز جلد دوم صفحہ ۸۱ —

آپ نے (سودا نے) پوچھا کہ فرمائیے میاں صاحب آج کل کیا شغل رکھتا ہے - انہوں نے کہا افکارِ دنیا فرصت نہیں دیتے - طبیعت کو ایک مرض یاوہ گوئی کالگا ہوا ہے گاہے ماہے غزل کا اتفاق ہو جاتا ہے - مرزا ہنس کر بولے غزل کا کہنا کیا کوئی ہجو کہا کیجے - بے چارے نے حیران ہو کر کہا کہ ہجو کس کی کہوں آپ نے کہا ہجو کو کیا چاہیے تم میری ہجو کہو میں تمہاری ہجو کہوں * " —

" آصف الدولہ مرحوم کی انا کی لڑکی خرد سال تھی - نواب فرشتہ سیرت کی طبیعت میں ایک تو عموماً تحمل اور بے پروائی تھی دوسرے اُس کی ماں کا دودھ پیا تھا ناز برداری نے اُس کی شوخی کو شرارت کردیا - ایک دن دوپہر کا وقت تھا - نواب سوتے تھے - ایسا غل مچایا کہ یہ بد خواب ہو کر جاگ اُٹھے - بہت جھنجھلائے اور خفا ہوتے ہوئے باہر نکل آئے - سب ڈر گئے کہ آج نواب کو غصہ آیا ہے خدا خیر کرے - باہر آکر حکم دیا کہ مرزا کو بلاؤ - مرزا اسی وقت حاضر ہوے - فرمایا کہ بھئی مرزا اس لڑکی نے مجھے حیران کیا ہے - تم اس کی ہجو کہہ دو - یہاں تو ہر وقت مصالحہ تیار تھا - اسی وقت قلمدان لے کر بیٹھ گئے اور مثنوی تیار کردی کہ ایک شعر اس کا لکھتا ہوں —

لڑکی وہ لڑکیوں میں جو کھیلے   نہ کہ لونڈوں میں جاکے ڈنڑ پیلے " † —

---

* آب حیات —   † آب حیات —

سودا کے قلمی دیوانوں میں ایک مخمس میر ضاحک کی ہجو میں ہے جس کا پہلا مصرع ہے (یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھہ سے سکندر)- مطبوعہ دیوانوں میں یہ مصرع اس طرح درج ہو گیا ہے " کہتا ہے یہ سودا کہ اے خلاق مقدر "- اس ترمیم سے اس مخمس کی شان نزول بے لطف ہوگئی ہے -

آزاد کا اس کے متعلق بیان ہے کہ " میر مہدی حسن فراغ " کو خدا مغفرت کرے - انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حسب معمول مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں پائیں باغ میں تخت بچھے تھے - صاحب عالم خود مسند پر بیٹھے تھے - شرفا و شعرا کا مجمع تھا - مرزا رفیع اور میاں سکندر مرثیہ گو بھی موجود تھے کہ میر ضاحک تشریف لائے - اُن کی پرانی وضع اور لباس پر کہ اُن دنوں میں بھی انگشت نما تھی صاحب عالم مسکرائے - میر صاحب آکر بیٹھے - مزاج پرسی ہوئی- حقہ سامنے آیا - اتفاقاً صاحب عالم نے مرزا رفیع سے کہا کہ کچھہ ارشاد فرمائیے (دونوں صاحبوں کے معاملات تو انہیں معلوم ہی تھے - خدا جانے چھیڑ منظور تھی یا اتفاقاً زبان سے نکلا) - سودا نے کہا میں نے تو ان دنوں میں کچھہ کہا نہیں - میاں سکندر کی طرف اشارہ کیا کہ انہوں نے ایک مخمس کہا ہے - صاحب عالم نے فرمایا کیا ؟ سودا نے پہلا ہی بند پڑھا " —

یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھہ سے سکندر
ضاحک کے اُڑا دیوے کسی بن میں قلندر

گھر اس کے تولد ہو اگر بچۂ بلدر
گلیوں میں نچاتا پھرے وہ بلکلے کے اندر

روٹی تو کما کھا رے کسی طرح مچھلدر

یہ پڑھنا ہی تھا " کہ میر ضاحک مرحوم اٹھ کر میاں سکندر سے دست و گریبان ہوگئے - سکندر بے چارے حیران نہ واسطہ نہ سبب یہ کیا آفت آگئی - سب اُٹھ کھڑے ہوئے - دونوں صاحبوں کو الگ کیا اور سودا کو دیکھیے تو کنارے کھڑے مسکرا رہے ہیں (یہ تھی شانِ نزول اس مخمس کی) * —

" آصف الدولہ ایک دفعہ شکار کو گئے - خبر آئی کہ نواب نے بھیلوں کے جنگل میں شیر مارا - ... (سودا نے) فوراً کہا —

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دو بارا
شیر خدا کو جس نے بھیلوں کے بن میں مارا

نواب کو بھی خبر ہوئی - جب پھر کر آئے تو خود شکایت دوستانہ کے طور پر کہا کہ مرزا تم نے ہم کو شیرِ خدا کا قاتل بنایا ؟ ہنس کر کہا جناب عالی ! شیر تو اللہ ہی کا تھا نہ حضور کا نہ فدوی کا † —

قیافہ شناسی

سودا میں ایک وصف قیافہ شناسی کا بھی تھا - شوق نے لکھا ہے " درقیافہ دانی نہایت رسا قابل" - آزاد نے ایک واقعہ لکھا ہے جو اگر صحیح ہے تو سودا کی قیافہ دانی کی مزید شہادت ملتی ہے " ایک دن سودا مشاعرے میں بیٹھے تھے - لوگ اپنی اپنی غزلیں پڑھ رہے تھے - ایک شریف زادے کی بارہ تیرہ برس کی عمر - اُس نے غزل پڑھی مطلع تھا —

* آب حیات - یہ بند آب حیات میں نہیں ہے ہم نے قلمی دیوان سے نقل کیا ہے -
† آب حیات —

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گرمیِ کلام پر سودا بھی چونک پڑے۔ پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا۔ لوگوں نے کہا یہ صاحبزادہ ہے ۔ سودا نے بھی بہت تعریف کی ۔ کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا کہ میاں لڑکے جوان تو ہوتے نظر نہیں آتے ۔ خدا کی قدرت انہیں دنوں میں لڑکا جل کر مرگیا ٭ ـــ

مذہب

سودا مغل زاد مرزا تھا ۔ آبائی مذہب تشیع تھا ۔ ننھیال بھی مذہباً اِمامیہ تھی ۔ سودا کے نانا نعمت خان عالی ہر چند لاأبالی اور ھلسور تھے لیکن مذہب پرستی میں بڑا غلو رکھتے تھے ۔ آبائی اور مادری دونوں رشتوں سے سودا پر مذہبی اثرات پڑے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھی اِمامیہ طریق کا پیرو تھا ۔ اُس نے اپنے مذہب کے بارے میں صاف صاف لکھا ہے ـــ

پنجتن پاک کا تو اپنے تئیں کہیو غلام
تیرے مذہب کی اگر بزم میں تکرار چلے

دل میں مذہب کا بڑا اِحترام تھا ۔ ائمۂ پاک کی دل میں سچی محبت تھی ۔ اہلِ بیت کی شان میں اِنتہائی جوشِ عقیدت میں زبردست قصیدے کہے ۔ شہدائے کربلا کے مرثیے کہے ۔ چنانچہ مرثیوں کا ایک ضخیم دیوان ہی الگ ہے ۔ اِن قصائد و مراثی سے گزر کر دوسرے اصنافِ سخن میں بھی وہ اہلِ بیت کا عقیدت مندانہ ذکر کر دیتا ہے

٭ آبِ حیات ـــ

اور اس مداحی پر فخر کرتا ہے —

مداحِ علی کا ہوں میں سودا شعرا میں
پڑھتے ہیں ملائک مرے اشعار فلک پر

گر ہو کششِ شاہِ خراسان تو سودا
سجدہ نہ کروں ہند کی ناپاک زمیں پر

ہیں جو والی مرے بارہ دو جہاں میں سودا
خاکِ در اُن کی سمجھتا ہوں میں زر سے بہتر

قصائد، مراثی اور اس قسم کے اشعار پر ایک نظر ڈالنے سے سودا کے مذہبی عقائد کا حال کھل جاتا ہے۔ ہر چند اُس نے ایک رباعی میں جتایا ہے کہ شیعہ سنی کی تفریق سے اُسے سروکار نہیں —

مجکو ہر چند نہیں شیعہ و سنی سے کام
پر یہ سمجھا ہوں کہ اُس دور میں تھے بارہ اِمام
اِن سوا ہو جو کوئی، ہے وہ اِمام تسبیح
اُس تلک جائے سے موقوف ہو اللہ کا نام

لیکن ساتھ ہی اپنے خاص عقیدے کا بھی اظہار کر دیا۔ وہ اپنے عقیدے میں ایسا راسخ اور پختہ تھا کہ اُس نے کبھی سر مو اِنحراف نہیں کیا۔ اس کو مذہبی معاملات میں پورا غلو تھا اور مذہبی جوش میں اکثر نقطۂ اعتدال سے ہٹ جاتا اور حد تمکین سے تجاوز کر جاتا تھا۔ دوسروں

کے عقائد کی نہایت نازیبا طریقے سے مذمت کرتا تھا - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولوی ساجد شاہ آبادی کی ہجو میں جو قصیدے کہے ہیں اُن سے اس کے مذہبی جوش کا صحیح اندازہ ہوتا ہے - اِس کے علاوہ وہ ہجویہ کلام جس کی بنیاد مذہبی اختلاف پر ہے اِس بات کا بین ثبوت ہے کہ اُس کا مذہبی جوش و خروش تعصب کی حد تک پہنچتا ہے - اِس تعصب کی جھلکیاں اُس کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں - تفصیل آئندہ اوراق میں ہجویات کے عنوان کے تحت ملیں گی -

یہ ضرور ہے کہ سودا کے مذہبی تعصب کے شکار مولوی اور مذہبی عالم ہیں - وسیع مشرب اہل دل اور صوفیا سے اِس باب میں کسی قسم کی مخالفت اُس سے سرزد نہیں ہوئی - چنانچہ درد سے بہت اچھے تعلقات تھے - اِسی طرح مظہر جان‌جاں سے بھی - یہ دونوں بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت تھے - اور غیر شیعہ تھے - مظہر کو جب کسی شیعہ نے مذہبی جنون سے مغلوب ہو کر شہید کر دیا تو سودا نے قاتل کو مرتد شوم کہا اور اِنتہائی غم و الم کا اظہار کیا —

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتدِ شوم
اور اُس کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات اُس کی کہی از روئے درد
سودا نے کہا ہائے جان جاناں مظلوم

اِن واقعات سے سودا کے دامن سے تعصب کا داغ دور نہیں ہو سکتا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ مولویوں اور واعظوں کے مشرب میں اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ ہر مخالف خیال کی سمائی ہوسکے - اِس وجہ

سے اُن کو تنگ نظر کہا جاتا ہے اور اکثر اُن کے حق میں لعن طعن اور سب و شتم روا رکھے جاتے ہیں - لیکن سودا ایک خلک دل واعظ اور مذہب پرست مولوی سے زیادہ تنگ نظر ہے - معمولی سے مذہبی اختلاف کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا اور بے لگام ہو کر فحش و دشنام کے لیے اپنی زبان دراز کر دیتا ہے —

۲

تصانیف و کلام

(الف) - نظم ——

نظم میں ایک ضخیم کلیات ہے جس میں تمام اصناف و موضوعات شاعری پر وافر مقدار میں کلام موجود ہے - اس کا تفصیلی حال اس مقالے کے تنقیدی حصے میں ملیگا —

(ب) - تنقید ——

اس موضوع پر سودا کی حسب ذیل دو تصانیف ہیں -

(ا) عبرت الغافلین —

یہ وہ رسالہ ہے جو فاخر مکیں کی اُن کارستانیوں کے جواب میں لکھا گیا ہے - جو اُس نے اشرف علی خاں کے تذکرے کے حق میں کی تھیں- اس کا تفصیلی ذکر ہم نے گزشتہ اوراق میں کیا ہے - یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے - اس کی پانچ اصلیں ہیں - پہلی فصل سبب تالیف پر ہے - دوسری اساتذہ کے اُن اشعار کے متعلق ہے جن کو مرزا فاخر نے مہمل سمجھ کر قلم زد کر دیا تھا - تیسری اُن اشعار کے متعلق ہے جن پر اعتراضات کیے گئے تھے - پانچویں فصل مرزا فاخر کے اُن اشعار کی تنقید

پر مشتمل ہے جو سودا نے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق کی تھی —

یہ رسالہ اپنے زمانے کے لحاظ سے تنقیدِ شعر کا عمدہ نمونہ ہے - اِس سے ہمارے شعرا کے خیالات شعر کے معائب و محاسن کے متعلق معلوم ہوتے ہیں - جس نقطۂ نظر سے وہ شعر کہتے اور سمجھتے تھے اِس رسالے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے - یہ رسالہ ہر طرح قابل وقعت و لحاظ ہے - اِس کی اہمیت کے لیے صرف یہ بات کافی ہے کہ اس میں اُردو زبان کے ایک مشہور استاد کے خیالات شعر کے متعلق پائے جاتے ہیں - اُس زمانے میں شعر کو زبان و بیان اور مضمون و خیال کے اِعتبار سے جس معیار سے جانچا جاتا تھا وہ اِس رسالے میں موجود ہے - اس کی روشنی میں اگر سودا کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی باتیں صاف اور واضح ہو جاتی ہیں - اور اکثر وہ اشعار جن کو ہم اپنے زمانے کے معیار کے مطابق معانی و مفہوم کا لباس پہناتے ہیں اصل رنگ میں نظر آتے ہیں - ہمیں کلام کے سمجھنے کے لیے تاویل و تعبیر اور قیاس و گمان سے کام لینا نہیں پڑتا ہے بلکہ کلام کی اصل روح ہمیں جیتی جاگتی نظر آتی ہے —

یہ رسالہ آصف الدولہ کے زمانے میں سنہ ۱۱۸۸ ھ اور سنہ ۱۱۹۵ ھ کے مابین بمقام لکھنؤ لکھا گیا ہے -

(۲) سبیلِ ہدایت —

یہ ایک مثنوی ہے جس میں اُردو زبان کے مشہور مرثیہ گو میر محمد المتخلص بہ 'تقی' کے ایک مرثیے اور ایک سلام پر ناقدانہ اِعتراضات کیے گئے ہیں ' اور اُن کے فنی نقائص کی پردہ دری کی گئی ہے - بعض معتبر ادیبوں نے اور چند تذکرہ نویسوں نے غلطی سے اِس مرثیہ نگار کو

میر تقی میر سمجھ لیا ہے - حالانکہ تمام قلمی نسخوں میں 'تقی' ہی کا تخلص ملتا ہے - یہ غلطی غالباً دونوں کے ناموں میں مشابہت کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے- میر تقی 'میر' سے اس مرثیہ گو 'تقی' کو کوئی تعلق نہیں۔ دیوان سودا کے قلمی نسخوں میں صاف طور سے "تقی" استعمال ہوا ہے ہم یہاں ایک بند نقل کرتے ہیں : —

تقی اِس حکایت کو کوئی کیا کہے گا
یہ دو حرف ہیں اس کے جو میں ہوں بولا
کوئی مہرباں ہو کہے کربلا جا
کہ وہاں جا کے مرنے کی دل کو طلب ہے

تمام قلمی دواوین میں یہی تخلص موجود ہے - فہرست مخطوطات انڈیا آفس نشان نمبر ۱۴۷ پر سودا کے اُس کلیات کا ذکر ہے جس کی کتابت یلین کے بیٹے مقبول نبی خاں نے سنہ ۱۲۱۴ھ میں شاہ جہان آباد میں کی تھی - اُس میں صاف طور سے محمد تقی دھلوی عرف میر گھاسی شاگردِ فطر الدین لکھا ہے - یہ وہی شاعر ہے جس کا ذکر میر حسن نے بھی اپنے تذکرے کے صفحہ (۷۰) پر کیا ہے - اِن شواھد کی موجودگی میں 'تقی' کو 'میر' سمجھ لینا کسی طرح صحیح اور قابلِ قبول نہیں - تقی اپنے زمانے کا مشہور مرثیہ گو ہے - اُس کی تعریف اکثر تذکرہ نویسوں نے بڑے شد و مد سے کی ہے - اِس شہرت اور مقبولیت کو دیکھ کر سودا کو نمونے کے لیے اُن کے مرثیوں اور سلاموں کی تلاش ہوئی - بڑی تلاش کے بعد ایک مرثیہ اور ایک سلام بہ ثبتِ دستخطِ مصنف ہاتھ آیا - اُس کو دیکھ کر سودا حیران رہ گیا کہ عوام اور جہلا اُن کو سن کر پھوٹ پھوٹ

ہیں اور شام سے لے کر صبح تک سہلہ کوبی کرتے ہیں لیکن فہمِ علما کی دسترس سے اُن کے معانی باہر ہیں - سودا کو اِن مراثی پر حسب ذیل اعتراضات ہیں :—

(۱) الفاظ کا استعمال صحیح اور برجستہ نہیں کیا گیا —

(۲) محاورات کے استعمال میں غلطیاں کی ہیں —

(۳) فصاحت کا خیال نہیں رکھا گیا - اکثر الفاظ کو اس بے ربطی سے استعمال کیا ہے کہ وہ صاف طور سے غیر فصیح اور بے محل معلوم ہوتے ہیں - تشبیہ اور استعارے کو خوبی کے ساتھ نہیں نبھایا، اسی لیے مفہوم واضح ہونے کی بجائے مبہم اور ناتمام رہ گیا —

(۴) قواعدِ زبان کی غلطیاں کی ہیں —

(۵) عروض اور قافیہ سے پوری واقفیت نہیں - اکثر مصرعوں کی بندشیں بھی چست نہیں —

(۶) مرثیوں کی ظاہری شکل و صورت کی اِن غلطیوں کے علاوہ معنوی غلطیاں بھی اِس میں موجود ہیں - یہ معنوی غلطیاں دو طرح کی ہیں - (الف) سید الشہدا کے رتبے کو اِس مبالغے سے بڑھا دیا ہے کہ بات قابلِ مواخذہ ہوگئی ہے - (ب) آنحضرت صلعم، حضرت علی، حضرت امام حسین کے مراتب کا صحیح لحاظ نہیں رکھا گیا —

(۷) اِن کے علاوہ تاریخ و روایات کی بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں —

اِس اُردو مثنوی پر سودا نے ایک نثری دیباچہ بھی لکھا ہے جو اُس زمانے کی نثری طرزِ تحریر کا ایک نمونہ ہے - کسی شخص نے اِس مثنوی اور دیباچے کو "سبیل ہدایت" کے نام سے مرتب کیا ہے اور

شروع میں ایک دیباچہ فارسی زبان میں لکھا ہے - یہ رسالہ سودا کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا ، جیسا کہ مرتب کے دیباچے سے ظاہر ہے :-

" اگر اثرِ کلام می خواہی اِنصاف را از دست مدہ و بیا بوصف سلطان المعانی ، نہنگِ بحرِ سخندانی ، ابلغ البلغا مرزا محمد رفیع سودا کہ حالا اقلیمِ سخن بہ انصاف زیر نگینِ حکمِ ایشان است و کلام ایشان ملصقان عالم را عزیز تر از جان است ، علی الخصوص شرح اِیں مرثیہ و سلام کہ مسمی بہ سبیل ہدایت است تحفہ بر بلاغت روز گار می زند - محض از برائے تربیتِ اہل محبت نہ برائے مخالفت سر انجام شدہ " —

مرتب نے اِس دیباچے میں کہیں اپنا نام نہیں لکھا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکیم اصلح الدین مرتب کلیات سودا ہیں —

(ج) تذکرہ —

یہ اُردو شاعروں کا تذکرہ تھا جو اب تک ناپید ہے - بعض تذکروں میں اِس کا حوالہ ملتا ہے - قاسم نے اپنے تذکرے مجموعۂ نغز میں اِس کے دو جگہ حوالے دیے ہیں :- (۱) خان آرزو کے مصنفہ اشعار میں ذیل کا شعر درج کیا ہے :—

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

اور لکھا ہے کہ "خدا جانتا ہے کہ حقیقت میں یہ اِسی طرح تھا یا مرزا نے

اِس میں تصرف کیا ہے ' - یہ عجیب بات ہے کہ قاسم نے یہ شعر آرزو سے ملسوب کر دیا ہے - حالانکہ میر نے اس کو موسوی خاں فطرت کے ذکر میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے "یہ سنا جاتا ہے کہ یہ اس شاعر کا شعر ہے واللہ اعلم" -

(۲) مجموعۂ نغز میں سودا کے تذکرے کا دوسرے مرتبہ سعدی دکنی کے ضمن میں حوالہ آیا ہے :- " مظلۂ بیشترے از سخن پیرا خصوص سر آمد شعرائے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا نظر بر اتحادِ تخلص آنکہ اِیں سعدی ھمون سعدی شیرازی است قدس سرہ کہ وارد دیارِ دکن شدہ و شعرِ ریختہ از طبع وقاد آں قدوۂ متغزلان ریختہ - چنانچہ در تذکرۂ خود اشعار اِیں سعدی دکنی را عنی اللہ علہ بہ شیخ شیراز علیہ الرحمتہ و الغفران نسبت نمودہ " —

معلوم ھوتا ہے کہ قاسم کی نظر سے سودا کا تذکرہ گزر چکا ہے - اِسی لیے اُس نے اپنے تذکرے میں دو جگہ نہایت واضح طور پر اُس کا ذکر کیا اور حوالہ دیا ہے - تذکرۂ شعرائے اُردو میں بھی سعدی کے تحت تذکرۂ سودا کا اِسی طرح حوالہ آیا ہے - سب سے پہلے قاسم نے تذکرے کا پتا دیا - اِس سے قبل کسی تذکرہ نویس نے اس کی طرف اِشارہ نہیں کیا - قاسم کے الفاظ صاف اور واضح ھیں - اِس لیے یہ شبہ نہیں ھوسکتا کہ اُس نے اِس تذکرے کو نہیں دیکھا —

تذکرے کا لکھا جانا تسلیم کیا جائے تو اُس کے زمانۂ تصلیف کے متعلق سوال پیدا ھوتا ہے - اِس کے لیے میر کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے :—

" انچہ بعض اِیں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند

خطا است" - مہر کے پیش نظر کچھ تذکرے ہوں گے جن کو دیکھ کر اُس نے "بعض" کا لفظ استعمال کیا ہے - تحقیق سے معلوم ہوا کہ مہر سے قبل دو تذکرے لکھے گئے تھے- پہلا تذکرۂ خان آرزو' دوسرا تذکرۂ امام الدین خان- آخر الذکر بقول مہر حسن محمد شاہی عہد کے شعرا کا تذکرہ ہے - ممکن ہے کہ اُس میں بعض قدیم شاعروں کا بھی ذکر ہو' لیکن مہر حسن کا بیان عہد محمد شاہی کی تخصیص کرتا ہے - خان آرزو کے تذکرے کے متعلق ہمارے معلومات یہ ہیں کہ وہ فارسی شاعروں کا تذکرہ ہے اُردو شاعروں سے اُس میں بحث نہیں کی گئی ہے- اِس کا ثبوت حاکم لاہوری کے تذکرے "مردم دیدہ" سے بھی ملتا ہے جس میں خان آرزو کے تذکرے کے بہ کثرت اقتباسات اور انتخابی اشعار لفظ بہ لفظ نقل ہوے ہیں - اِن دو تذکروں کے سوا کسی ایسے تیسرے تذکرے کا ابھی تک پتا نہیں چلا جو مہر کے تذکرے سے قبل لکھا گیا ہو - لیکن مہر صاحب کے بیان سے یہ ضرور ثابت ہے کہ بعض تذکرے ان کی نظر سے ایسے گزرے جن میں سعدی دکنی کو سعدی شیرازی غلطی سے سمجھ لیا گیا - اگر اِن تذکروں میں سودا کا تذکرہ بھی ہے تو لازمی طور سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ نکات الشعرا کے سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ سے قبل تحریر ہوا تھا —

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سودا نے تذکرہ لکھا ہے تو کس زمانے کے شعرا سے اُس میں بحث کی ہے - قرائن سے پتا چلتا ہے کہ قدیم دکنی شعرا سے شروع کر کے اپنے دور تک کے شاعروں کو اُس میں جگہ دی ہو گی - قدیم شعرائے دکن کا حال اُس کو مرزا طالب متوطن مضافات اورنگ آباد کی زبانی اور بیاض سے معلوم ہوا ہو گا - طالب

دھلی میں سودا کے ھم خانہ رہ چکے ھیں - اُن کی زبانی سودا نے اکثر شعرائے دکن کے حالات سنے تھے' جیسا کہ قائم نے سنہ ۱۱۶۸ھ میں اپنے تذکرے میں لکھا ھے :—

" مرزا ابو طالب المتخلص بہ طالب..... بر فاقت ایشان (سودا) برائے کار جاگیر خود بہ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد رسیدہ - مدتے کہ اقامت نمود ھم خانۂ ایشان بود - و بعضے ازیں احوال و اشعار (شعرائے دکن) کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابو طالب مسطور بہ مرزا صاحب (سودا) رسیدہ و از ایشان علی سبیل ذکر و مذکور بہ فقیر معلوم گردید " -

طالب کی بیاض کا ذکر قائم نے محقق دکنی کے ضمن میں اس طرح کیا ھے یک شعر بنام او (محقق) بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیلِ شاعرانِ دکن نوشتہ دیدہ " - قائم کے اِن اقتباسات سے ظاھر ھے کہ سودا کو مرزا ابو طالب کے ذریعے دکنی شعرا کا علم ھوا تھا - اِس لیے تعجب نہیں کہ اُس کے تذکرے میں قدیم شعرا کا بھی ذکر ھو' اور جب سعدی جیسے قدیم شاعر کا ذکر کیا ھے تو دوسرے قدما کا بھی ذکر کیا ھوگا —

تذکرے کے وجود' اس کے سال تصنیف اور اس کے موضوعات کے متعلق یہ بحث قیاسی ھے - اِس ضمن میں زیادہ وسیع تحقیق درکار ھے- فی الحال ھمارے ذرائع معلومات اور تحقیق کی راھیں مسدود ھیں- ممکن ھے کہ آئندہ کبھی دوسری گمنام اور نایاب کتابوں کی طرح اِس تذکرے کا بھی سراغ لگ جائے اور اصل حالات روشنی میں آجائیں -

(د) نثر اُردو —

نثر اردو میں حسب ذیل تین چیزیں ہیں -

(۱) دیباچۂ سہیل ہدایت -

یہ وہی دیباچہ ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں -

(۲) نثری ترجمۂ مثنوی شعلۂ عشق (مصنفۂ میر) -

آزاد نے دو جگہ اپنی آب حیات میں اس نثر کا ذکر کیا ہے - پہلے وہ مقام ہے جہاں لکھا ہے " میر کی مثنوی شعلۂ عشق کے مضمون کو بھی مرزا رفیع نے نثر میں لکھا ہے " - دوسری جگہ اِسی کے متعلق صاف طور سے لکھ دیا ہے " کتاب مذکور اِس وقت موجود نہیں "- آزاد کی اس اطلاع کے ماخذ کا ہمیں علم نہیں لیکن شعلۂ عشق کی شاعرانہ خوبی پر نظر کرتے ہوئے یہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ سودا نے اِس افسانہ کو نثر میں لکھا ہو —

(۳) خط —

ایک خط نثر میں میر صاحب کے نام لکھا تھا جس کے متعلق بابو سکسینہ نے لکھا ہے کہ یہ کلیات میں موجود نہیں' لیکن یہ نہیں بتایا کہ انہیں اس خط کا کہاں سے علم ہوا —

(ہ) فارسی دیوان —

سودا کا ایک فارسی دیوان علحدہ موجود ہے جو اس کے اردو کلیات کے ساتھ کئی بار چھپ چکا ہے - اِس میں زیادہ تر غزلیں ہیں جو ردیف وار مرتب ہوئی ہیں - لیکن ردیفہاے پ' ج' چ' ح' خ'

ز ' ص ' ض ' ط ' ظ ' ع ' غ ' ف ' گ ' ۲ ' - نہیں ہیں - غزلوں کے سوا ایک قصیدہ اور چند قطعات وغیرہ ہیں جو فارسی دیوان میں نہیں ہیں بلکہ اردو کلیات میں نقل ہوگئے ہیں —

جیساکہ ہم اوپر لکھ آےہیں سودا نے ابتداءً فارسی میں طبع آزمائی کی تھی' لیکن اس کو تضیع اوقات سمجھ کر ترک کر دیا تھا - اسے اس زبان میں شاعری کا دعویٰ نہ تھا اور نہ اس نے کبھی اس کی مسلسل و باضابطہ مشق کی تھی ' وہ خود اپنی آخیر عمر میں لکھتا ہے : " بندۂ خاکسار محمد رفیع متخلص بہ سودا التماس نمود کہ اکثر بزبان امورِ فارسی چندان ربطے ندارد و دخل ہمچو منی در زبان فارسی بدان می ماند - بیت : —

تو کار زمیں را نکو ساختی   کہ با آسماں نیز پرداختی

و خدا عالم است ایں چند بیت ریختہ از قبولِ قصیدہ و غزل بچہ سبب حسنِ قبول یافتہ است والا نہ بندہ ہم گلیم خود را از آب نہ کشیدہ " —

لیکن معلوم ہوتا ہےکہ آخر آخرمیں فارسی کی طرفکچھ زیادہ توجہ کی تھی یہ محض بہ پیروی٫ سلف شعرا- اردو کے اکثر شاعروں نے (خصوصاً سودا کے دور تک) فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن اس پر دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس کو وجہِ امتیاز و افتخار جانا - اس کا سبب ظاہر ہے کہ فارسی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا لیکن ابھی تک شاعروں کے دل سے اس کا خیال پورے طورپر دور نہ ہوا تھا —

یہ قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ سودا کا جو فارسی کلام اب تک طبع ہو کر شایع ہوا ہے وہ ابتدائی زمانے کا ہے یا آخر عمر کا- مصحفی نے

لکھا ہے کہ آخری زمانے کا ہے - اس نے بہت ہی نا ملائم بلکہ سخت الفاظ
میں اس کا ذکر کیا ہے :—

"آخر آخر علانِ شعر ہم سر بود دراُ بدرد آورد ، اگرچہ ایں حرکت
مناسب شانش نبود - غزلہائے فارسی خود نیز کہ در لکھنؤ گفتہ داخلِ
دیوانِ ریختہ بقید ردیف ساختہ و ایں ایجادِ اوست " * —

مصحفی کا یہ بیان غلطی سے پاک نہیں معلوم ہوتا - سودا نے
ابتداءً فارسی میں طبع آزمائی کی تھی اور سلیمان قلی خاں وداد
سے اصلاح لیتا تھا لیکن مصحفی نے مذکورۂ بالا بیان سے چند سطریں قبل
لکھا ہے : " در ابتدائے شوقِ شعرِ ہندی شاگردِ سلیمان وداد بود و نیز
بہ شاہ حاتم رجوع داشت " - وداد فارسی کا شاعر تھا اور موسوی خاں
کا متوسل تھا - موسوی خاں کا زمانہ ١٠٥٠ ھ (سالِ پیدائش) تا ١١٠١ ھ
(سالِ وفات) ہے † - یہ وہ زمانہ ہے جس میں اردو شاعری کو شمالی
ہند میں فروغ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک لحاظ سے وہاں اس کا آغاز بھی
نہیں ہوا تھا - اس کے سوا کسی تذکرہ نگار نے وداد کا ذکر بحیثیتِ اردو گو
نہیں کیا ہے - ایسی صورت میں وداد سے سودا کی اردو میں شاگردی
کو منسوب کرنا قطعاً غلط ہے - یہ بھی صحیح نہیں کہ لکھنؤ میں غزلیں
کہی تھیں اور وہ داخل دیوان کر دیں - سودا اردو کے ساتھ
فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتا رہا لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے
بہ پیرویٔ سلفِ شعرا - اس کی طرف خاص توجہ نہیں کی - اس کا ثبوت
کہ قیامِ لکھنؤ سے قبل وہ فارسی میں طبع آزمائی کرتا تھا شفیق کے اس بیان

* عقد ثریا صفحہ ٣٣ -
† چمنستان شعرا -

سے بآسانی مل سکتا ہے کہ اس نے غرہ ربیع الآخر سنہ ۱۱۸۳ ھ کو فرخ آباد سے ریختہ اور فارسی کے اشعار اولاد محمد خاں ذکا کے نام دستخط خاص سے دکن بھیجے تھے - * مصحفی کے بیان کی تائید صرف ایک سبب سے ہو سکتی ہے - سودا کی بعض فارسی غزلوں میں ایسے اشعار ہیں جن میں بڑھاپے کی شکایت اور یارانِ رفتہ کی یاد کی ہے - اکثر اشعار میں دنیا سے بیزاری 'یاس اور قلوطیت کا رنگ جھلکتا ہے - لیکن محض اس بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا پورا فارسی کلام لکھنؤ میں آخری وقت کا کہا ہوا ہے —

فارسی گوئی کے ترک کے بارے میں ایک اور روایت سلسلے میں آئی ہے - جب شیخ علی حزیں نے سودا کے متعلق کہا کہ "در پوچ گویان ہند بدنیستی" تو اس نے فارسی گوئی چھوڑ دی اور اردو میں طبع آزمائی کرنے لگا - ممکن ہے کہ حزیں کی اس رائے نے سودا کو فارسی سے متنفر کر دیا ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ آخر عمر تک گاہے ماہے فارسی میں طبع آزمائی کرتا رہا - سودا اور حزیں کے باب میں متضاد بیانات اور روایات ہیں - ایک روایت سے شیخ کا خطابِ ملک الشعرائی دینا ظاہر ہوتا ہے اور اس کی ہلکی سی تائید سودا کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے † اور اِس دوسری روایت سے سودا کا فارسی گوئی ترک کرنا معلوم ہوتا ہے - سودا نے بھی شیخ کی اس سخت رائے زنی کا معلوم ہوتا ہے کہ پورا جواب دیا انیس بند کا ایک مخمس لکھا جس میں شیخ کی ہجو کی ہے‡ -

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ سودا نے فارسی میں طبع

---

* گل رعنا مولفۂ شفیق - † ملاحظہ ہو صفحۂ ۳۵ مقالۂ ہذا - ‡ چمنستان شعرا -

آزمائی شروع سے لے کر آخر تک کی لیکن باضابطہ نہیں بلکہ بہت ہی کم اور کبھی کبھی - اس کے مقابلے میں وہ اردو کو ہمیشہ ترجیح دیتا رہا - اس کے فارسی کلام پر ان حالات کو پیش نظر رکھ کر نظر ڈالنی چاہیے -

(و) پہیلیاں -

سودا نے ایک سو نو پہیلیاں لکھی ہیں جن میں سے اکثر ٹھیٹ ہندی زبان میں ہیں اُن میں عربی فارسی الفاظ کی مطلق آمیزش نہیں- بعض پہیلیوں میں کہیں کہیں عربی فارسی کے الفاظ آجاتے ہیں لیکن وہ ایسے عام ہیں کہ ہندی میں بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے اور نہ پڑھنے والا ان کو محسوس کرتا ہے - یہ پہیلیاں نہ صرف دلچسپی و تفریح کا سامان ہیں بلکہ اُن سے سودا کی طباعی کا بھی ثبوت ملتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو ہندی زبان اور اسلوب بیان پر کس درجہ قدرت حاصل تھی —

کلام

تدوینِ کلیات —

تدوینِ کلیات کی تاریخ کا صحیح تعین کرنا دشوار ہے - سودا کم و بیش پچاس سال تک طبع آزمائی کرتا رہا اس لیے اُس کی زندگی میں اس کے کلیات کا ایک وقت میں مدون ہونا ناممکن تھا - میر، حمید، گردیزی اور قائم نے کلیات کا کوئی ذکر نہیں کیا - ہمیں اُس کے کلیات کا جو قدیم ترین نسخہ ملا ہے وہ سنہ ۱۱۷۴ ھ کا لکھا ہوا ہے - اُس کی تدوین و کتابت کا حال اُس کے ترقیمے (کاتب کی عبارت) سے واضح ہوگا —

"فقیرِ بے حاصل بد حاصل بے ماحصل گنہ گار سیہ کار صادق علی میرزا معدوم الاحوال پریشان خاطر و شکستہ روزگار بموجب فرمائش مہربان سراپا لطف و احسان حافظ نظارت خاں سلمہ الرحمن بچگانہ نواب ناظر مرحوم روز افزون خاں انچہ کہ از دیوان مرزا رفیع السودا جمعے کہ نزدِ خود داشت درمیں ہلاکۂ شاہ درانی و مرہٹہ کفرہ فجرہ کہ ہر روزش روزِ مصیبت و ہر شبش شبِ صعوبت بود

از کمال پریشانی کہ اسباب کتابت درست نہ داشت
از بے حواسی ضرورتاً بطریقِ مسودہ باستعجالِ تمام بجہت
یادگارے بکار بنم ہنگدہم شہر ربیع الثانی مطابق سنہ ہجری
یکہزار و یکصد و ہفتاد و چہار در بلدۂ شاہ جہان آباد در
حویلی نواب برہان الملک مغفور انزوا اختیار کردہ وقت
سہ پہر اختتام تحریر نمود ...... '۔

نسخہ بہت جلی اور خوش خط ہے ۔ کاغذ بھی نہایت دبیز اور مضبوط ہے اور ابھی دو سو برس باقی رہ سکتا ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت غلط لکھا ہوا ہے ۔ املا غیر صحیح اور نادرست ہے ۔ کاتب کی " بے حواسی اور عجلت " میں مصرعوں کے وزن و بحر بھی موزوں اور درست نہیں رہے ۔ یہ نسخہ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی عنایت سے ہمیں استفادہ کی غرض سے ملا تھا —

یہ نسخہ سودا کی وفات سے اکیس سال قبل کا ہے ۔ اس کے ترقیمے کے الفاظ " دیوان مرزا رفیع السودا " ظاہر کرتے ہیں کہ سنہ ۱۱۷۴ ھ سے پہلے اس کا دیوان مدون ہوچکا تھا ۔ سنہ ۱۱۷۵ ھ میں شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ہے " کلیاتش مشتمل بر قصائد و مثنوی و ... مخمس و ترجیع بند و رباعی و مرثیہ قریب دو ہزار بیت بنظر امعان رسیدہ '۔ شفیق پہلا تذکرہ نویس ہے جس نے دو ہزار شعر کے کلیات کی اطلاع دی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتخاب تھا اس لیے کہ سنہ ۱۱۷۴ ھ کے مکتوبہ نسخے میں اس کے کئی گنا ابیات موجود ہیں ۔ دوسرا تذکرہ نویس میر حسن ہے جس نے سودا کے

ایک شاگرد معین بدایونی کے حال میں لکھا ہے: "اکثر با شعراے معاصرین پیچش دارد چنانچہ یک بار بہ شعرِ فقیر اعتراض بے جا نمود هر چند فہمانیدم نہ فہمید سندِ مرزا رفیع دادم قبول نہ کرد و گفت دیوانِ مرزا من صحیح دارم درو ایں طور نیست - غرض هر جا کہ همچنیں لفظ می یابد دیوانِ استادِ خود را موافقِ طبع خود درست کند و سخنِ خود را سر سبز می نماید" - میر حسن کے اس بیان سے معلوم هوتا هے کہ سودا کا دیوان اس وقت تک شایع هوچکا تھا اور اس کے نسخے عام طور سے لوگوں کے پاس موجود تھے - اس کے بعد کئی تذکرہ نویسوں نے تدوین دیوان کا ذکر کیا هے - کلیات سودا کی تدوین کے سلسلے میں حکیم اصلح الدین کا ذکر ضروری هے جو سودا کے شاگرد تھے اور جنھوں نے اس کی زندگی میں اس کا کلیات مرتب کیا تھا جیسا کہ دیباچے میں لکھا هے —

" فقیر عزلت گزین اصلح الدین بگوشِ اهلِ نوهش می رساند ایں دیوان رفیع بنیان ... مرزا رفیع السودا سلمہ اللہ تعالیٰ است" -

اصلح الدین کے دیباچے کا ذکر قاسم نے بھی کیا هے: " دیباچۂ دیوان سر آمد شعراے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا .. اصلح الدین ... نوشتہ"-

سودا کے کلیات کے قلمی نسخے بکثرت ملتے هیں جن میں سے بعض اس کی زندگی کے لکھے هوے هیں اور اکثر اس کی وفات کے بعد کے - مختلف کتب خانوں میں اس کے متعدد نسخے موجود هیں - هم نے ان نسخوں کی ایک فہرست الگ درج کردی هے جو هماری نظر سے گزرے اور جن سے هم نے استفادہ کیا هے - یہاں ایک نسخہ کا ذکر کرنا ضروری

معلوم ہوتا ہے جو سودا کی زندگی کا لکھا ہوا ہے اور اس کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ یہ بطور تحفہ لکھنؤ کے رزیڈنٹ اور شاعر کے ممدوح جانسن کو دیا گیا تھا - یہ نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے اور اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے وہاں کی فہرست مخطوطات کے نشان ۷۹ پر درج ہے - یہ بہت ہی خوبصورت نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے - شروع میں مرزا کی تصویر بھی ہے ایک قالین پر بیٹھا حقہ پی رہا ہے - پیچھے خادم ایستادہ ہے - پہلے ورق کے بالائی سرے پر جو معرا ہے انگریزی میں ایک جملہ لکھا ہوا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے -

" مسٹر رچرڈ جانسن ' تحفۂ مصنف مرزا سودا " * -

جانسن کی مدح میں سودا نے ایک قصیدہ بھی لکھا ہے جو اس دیوان میں سب سے پہلے الگ دو صفحوں پر نقل کیا گیا ہے اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ خاص طور پر مسٹر جانسن کی نذر کرنے کے لیے تحریر کیا گیا تھا - کاتب نے شروع میں دو جملے لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین نامی کسی شخص نے یہ دیوان جانسن کی نذر کیا تھا - وہ جملے یہ ہیں (۱) " دیوان میرزا رفیع سودا گزرا بلدۂ میر حسین صاحب در بلدۂ لکھنؤ داخل کتاب خانۂ سرکار شد ' - (۲) " دیوان سرکار نواب صاحب ممتازالدولہ مظفرالملک حسام جنگ مسٹر رچارڈ جانسن صاحب بہادر دام اقبالہ " - ان فقروں سے بظاہر انگریزی عبارت کی تکذیب ہوتی ہے کہ سودا نے بطور تحفہ دیا تھا لیکن ہمارا خیال ہے کہ اصل

* اصل جملہ یہ ہے "Mr Richard johnson, the gift of ye author Mirza Souda"

انگریزی عبارت کا مدعا یہ ہے کہ سودا نے صاف کروا کے اپنا دیوان نذر کیا تھا اور وہ جملے رزیڈنٹ کے کارپرداز نے جس کے توسط سے دیوان نذر کیا گیا تھا بڑھا دیے ہیں' یہ بھی ممکن ہے کہ میر حسین ہی نے نذر کیا ہو - بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ یہ سودا کی زندگی میں خاص اہتمام سے تحریر ہوا ہے - یہ نسخہ مولانا غلام یزدانی صاحب کےتوسط اور عنایت سے ہمیں مستعار ملا تھا بہت صحیح اور مستند نسخہ ہے- کتابت کی غلطیاں ہیں لیکن بہت شاذ- انڈیا آفس میں چلد اور دیوان اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ ان سے سودا کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے - ایک دیوان ۱۲۱۳ھ میں بمقام دھلی یقین کے بھتیجے مقبول نبی خاں نے تحریر کیا تھا جس میں دیگر اصناف سخن کے ساتھ سلام اور مرثیے بھی ہیں - سہیل ہدایت کا ایک نسخہ ہے جو ۲۰ جنوری ۱۸۱۷ کو شیخ طیب اللہ کاتب نے ٹیلر کے لیے لکھا تھا - ایک دیوان ہے جو سات حصوں پر تقسیم ہے - ایک اور نسخہ ہے جس کو حکومت مدراس کے مترجم فارسی نے کئی نسخوں سے جمع کر کے دو حصوں میں سی - پی - براؤن کے لیے مرتب کیا تھا - ایک اور قابل قدر نسخہ مدراس میں میر منشی محمد عبدالقادر خاں ہمت نے گلدستۂ ہلد کے نام سےمرتب کیا ہے' بڑی محنت سے تصحیح کی جگہ جگہ تشریحی نوٹس لکھے' شروع میں فہرست دی اور ایک دیباچہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہےکہ یہ کام ۱۸۴۴ ع میں ختم ہوا اس کے علاوہ اور بھی قلمی معتبر دیوان موجود ہیں جیسا کہ فہرست نسخ دواوین سے واضح ہوگا -

سودا کا کلیات سب سے پہلے اس کی وفات کے بائیس سال بعد

سنہ ۱۸۰۳ ع میں کلکتہ میں طبع ہوا۔ یہ غالباً وہ نسخہ ہے جس کو شیر علی افسوس نے مرتب کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آرائش محفل کے دیباچے میں لکھا ہے :-

" چلد اولات سر ملاطہ شعرا مرزا رفیع السودا کے کلیات کی صحت میں کاتی۔ از بسکہ وہ کاتبوں کے قلم جہل سے اغلاط ہو گیا تھا جیسا چاہیے صحیح نہ ہو سکا اور نسخہ بھی دوسرا کہ بدرتبۂ صحیح ہو بہم نہ پہنچا۔ سب اس کے کہیں کہیں غلط رہ گیا " ۔

سنہ ۱۸۱۰ ع میں فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے دیوان مرتب کرکے انتخاب چھاپا تھا۔ یہ بعد نظرثانی مولوی غلام حیدر سررشتہ دار ہندی کالج مذکور اضافہ کے ساتھ سنہ ۱۸۴۷ ع میں کلکتہ میں چھپا۔ مومن کے شاگرد عبدالرحمن 'آہی' نے کلیات کو سات دیوانوں پر تقسیم کرکے مرتب کیا تھا جو لکھنو میں چھپا اور دہلی سے سنہ ۱۸۵۳ ع میں شائع ہوا۔ سنہ ۱۸۶۰ ع میں آگرہ میں قصاید کا انتخاب چھپا تھا ' قصاید کا اور ایک انتخاب ۱۸۶۸ ع میں لکھنؤ میں چھپا تھا۔ کالج پریس کلکتہ میں منتخب کلیات سودا کے نام سے سنہ ۱۸۶۸ ع میں ایک دیوان چھپا تھا۔ منشی نولکشور نے سنہ ۱۸۷۲ ع میں پہلی بار کانپور میں چھاپا اور دوسری بار سنہ ۱۲۸۷ ھ میں۔ اِس کے بعد سے نولکشور کے مطبع میں برابر چھپتا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ ع میں 'آسی' نے اسی مطبع کے لیے دو جلدوں میں مضمون وار مرتب کیا ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ ع میں منشی کریم الدین نے ایک انتخاب چھاپا تھا۔ ایک بار رباعیات کے ساتھ چلد پہلیاں جمع کر کے چمنستان ہندی کے نام سے ایک انتخاب مرتب کیا گیا تھا۔ نواب عمادالملک بلگرامی نے

بھی مدراس یونیورسٹی کے لیے اس کا ایک انتخاب چھاپا تھا - 'ثاقب' کانپوری نے جامعۂ ملیہ دھلی کے لیے سنہ ۱۹۲۷ ع میں اس کا انتخاب کیا تھا جو طبع ھوچکا ھے - اسی سال مطلب حسین 'عالی' نے بھی انتخاب کر کے شایع کیا ھے - ان ھندوستانی مرتبوں کے علاوہ دو انگریزوں نے بھی دیوان سودا کو مرتب کر کے شایع کیا ھے - ان میں کپتان ایچ - ایس جیرٹ (Capt. H. S. Jarret) اور میجر ھنری کورٹ (Major Henry Court) قابل ذکر ھیں - اول الذکر نے سنہ ۱۸۷۵ ع میں کلکتہ سے سودا کی مثنویوں کا انتخاب (منتخبات مثنویات سودا) کے نام سے شایع کیا تھا اور آخرالذکر نے مثنویات کے ایک انتخاب کا ترجمہ انگریزی میں سنہ ۱۸۷۲ ع میں شملہ سے شایع کیا - ان کے سوا دو ایک اشاعتوں کا ذکر گارساں دتاسی نے بھی اپنے خطبات میں کیا ھے —

اب تک کلیات سودا کا جو زیادہ رائج اور متداول نسخہ ھے وہ نولکشور کا ھے - لیکن اول تو یہ غلط ھے، دوسرے اس میں الحاقی کلام کثرت سے ھے جو دوسروں کا ھے، تیسرے اس میں بہت سا کلام ایسا موجود نہیں ھے جو سودا کا ھے اور دوسرے قلمی نسخوں میں ملتا ھے - اس نسخے کا مرتب غلام احمد ھے جس نے کئی جگہہ سے رطب و یابس جمع کیا اور بے تحقیق و تفتیش سودا سے منسوب کر کے مرتب کر دیا - چنانچہ اس کی عبارت سے یہ بات ثابت ھے :- "بندۂ غلام احمد کہ مولف کلیات ھذا است می گوید کہ دیوانہاے افضل المتاخرین مرزا رفیع المتخلص بہ سودا بہ شوق تمام و ذوق مالا کلام بکمال محنت و دماغ سوزی از چلد جا بہم رسانیدہ بہ ترتیب دلپذیر مرتب ساختہ

یادگار روزگار گزاشت۔ چوں ایں کلیات جامع تر از دیگر دواوین مشہور است اکثر عزیزان و صاحبان شوق بہ قیمت صد روپیہ طالب نسخۂ موصوفہ بودند لیکن دوری آں تمول طبع خاکسار نہ نہاد۔ خدا شاہد ایں مقال است '۔

کلام احمد کا مرتبہ نسخہ ہر طرح غیر معتبر ہے۔ یہ حال نہ صرف اسی نسخہ کا ہے بلکہ بعض قلمی نسخے بھی اس عیب سے خالی نہیں۔ ہم مختلف قلمی نسخوں اور تذکروں سے 'سودا' کا اصلی '، الحاقی اور غیر مطبوعہ کلام معلوم کریں گے۔ اس کے بعد اس کے کلام کی مقدار سے بحث کریں گے۔ ہم پہلے اس حصے کو لیتے ہیں جس میں الحاقی کلام کا ذکر ہے۔

الحاقی کلام

الحاقی کلام کے سلسلے میں سب سے پہلے قائم کا ذکر ضروری ہے۔ یہ سودا کا نامور شاگرد ہے۔ اس کا حسب تفصیل ذیل کلام سودا کے کلیات میں داخل ہوگیا ہے۔

(ا) مثنوی در شدت سرما - یہ چھبیس شعر کی مثنوی ہے جس کا مطلع ہے:-

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید   صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

یہ مثنوی قائم کی ہے۔ اس کے کئی ثبوت ہیں۔ پہلا تو یہ کہ کلیات قائم کے قدیم قلمی نسخے میں یہ مثنوی موجود ہے۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ میر حسن اور قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکروں میں اس مثنوی کو قائم ہی سے منسوب کیا ہے اور اس کے انتخابی اشعار بھی دیے ہیں۔ یہ دونوں تذکرے سودا کی زندگی ہی میں لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سودا کے ان قلمی دیوانوں میں یہ مثنوی موجود نہیں ہے

جو اس کی زندگی میں لکھے گئے ہیں اور ان نسخوں میں بھی اس کا پتا نہیں جو اس کی وفات کے پس و پیش مرتب ہوے ہیں - سودا کے مروجہ کلیات میں یہ مثنوی موجود ہے لیکن قائم کے کلیات کی مندرجہ مثنوی سے مقابلہ کیجیے تو اکثر اشعار میں جابجا الفاظ و تراکیب کا فرق ہے - سودا کے کلیات میں یہ اصلاح یافتہ شکل میں پائی جاتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ سودا کے پاس بغرضِ اصلاح یہ مثنوی آئی۔ سودا نے اصلاح تو کردی لیکن واپس نہیں ہوئی اور جب غلام احمد نے دیوان مرتب کیا تو اس میں اسے بھی داخل کردیا - یہی حال قائم اور سودا کے دوسرے شاگردوں کے کلام کا ہے جس کی تفصیل آگے آے گی - خلط ملط اور الحاق و اتصال کا یہ سلسلہ سودا کے کلام کے متعلق اب تک جاری ہے چنانچہ حکیم اصلح الدین کا قصیدہ جو مصحفی کی ہجو میں تحریر ہے سید مطلب حسین عالی بی - اے لکھنوی نے سودا سے منسوب کردیا ہے اور اپنے انتخاب میں اُسے شامل کردیا ہے - حالانکہ قصیدے کے ہر شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا لکھنے والا سودا کا حمایتی اور شاگرد ہے -

(۲) قائم کی دوسری مثنوی " ہجو طفل پتنگ باز " سودا کے کلیات میں ملتی ہے - جس کا مصرعہ اولیٰ ہے —

ایک لونڈا ہے پتنگ کا کھلاڑ

یہ چھبیس اشعار پر مشتمل ہے - قائم کی مصنفہ مثنوی ہونے کے وہی ثبوت ہیں جو اس سے قبل بیان ہوچکے ہیں - کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں یہ درج نہیں - شوق نے اپنے تذکرے میں اسے قائم ہی سے منسوب کیا ہے اور اس کے چوبیس انتخابی شعر بھی نقل کیے ہیں - اس

میں بھی الفاظ و ترا کیب کا اختلاف ہے اور یہ بھی غالباً اصلاح کی غرض سے سودا کے پاس آئی تھی ' اصلاح پاکر دھری رهی اور بالآخر سودا کے کلیات میں مرتب نے داخل کر دی —

(۳) گیارہ شعر کی ایک حکایت بہ طرز مثنوی ہے جس کا مطلع ہے :—

سنا ہے کہ اک مرد اهل طریق   نہایت هی واقع هوا تھا خلوق

یہ بھی قائم کے کلیات کے قلمی نسخے میں ہے اور کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں درج نہیں۔

(۴) تیئیس شعر کی ایک اور حکایت ہے جس کا مطلع ہے :—

سلف کے زمانے کا تاریخ داں   یہ لکھتا ہے احوالِ وارفتگاں

(۵) سولہ شعر کی ایک تیسری حکایت ہے جس کا مطلع ہے :—

سنا ہے کہ اک مرد آزادہ طور   جز اپنے نرکھتا تھا اسباب اور

(۶) بارہ شعر کی ایک چوتھی حکایت ہے اُس کا مطلع یہ ہے :—

سنا جاے ہے اک مہوس کا حال   کہ رکھتا تھا نت کیمیا کا خیال

یہ سب حکایتیں قائم کی هیں - سودا کے دیوان کے قلمی نسخوں میں یہ موجود نہیں۔ اور کلیات قائم کے قلمی نسخے میں درج ہے - ان کی ترا کیب اور الفاظ وغیرہ میں کافی اختلاف موجود ہے —

(۷) تین سو اُنسٹھ شعر کی طویل عشقیہ مثنوی "حکایت مرد درویش پنجاب" سودا کے مروجہ کلیات میں داخل ہے - اس کا مطلع ہے :—

اِلٰہی شعلہ زن کر آتشِ دل   تب دل دے بقدرِ خواهش دل

یہ بھی کلیات قائم میں موجود ہے اور کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں درج نہیں - اسپرنگر کے بیان کے مطابق سنہ ۱۱۹۷ ھ کے ایک مکتوبہ

کلیات قائم میں یہ مثنوی ایک سو چھ صفحوں پر مشتمل ہے - ہر دو کلیات میں اکثر مقامات پر اختلاف پایا جاتا ہے - کلیات سودا میں مثنوی کی اصلاح یافتہ شکل ہے اور قائم کے ہاں غیر اصلاح یافتہ - قائم کی اِن کل الحاقی نظموں کے اشعار کی تعداد پانسو تیئیس ہے - یہ اشعار حقیقتاً سودا کے نہیں ہیں - اِس میں شبہ نہیں کہ اِن سب پر سودا کی اصلاح ہے لیکن اصلاح کر لے سے اِس کی تصنیف میں شمار ہونا لازم نہیں آتا - یہ مرتب کی غلطی سے داخل ہوگئے ہیں - اِن پر سودا کو مصنفانہ حق نہیں پہنچتا - البتہ یہ ضرور ہے کہ اِس سے سودا کی استادانہ اصلاح اور شاعرانہ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے —

اسی طرح سودا کے دیگر شاگردوں کا کلام بھی اُس کے کلیات میں داخل ہوگیا ہے - اِن میں ایک فتح علی شیدا ہے - اِس کی ایک مثنوی بوم و بقال ہے جو فدوی لاہوری کی ہجو میں لکھی گئی ہے - میر حسن اور قدرت اللہ شوق نے اُس کو فتح علی شیدا کی مصنفہ بتایا ہے - شیدا میر سوز کا متبنیٰ تھا اور سودا کا شاگرد - جب فدوی نے احمد نگر عرف فرخ آباد میں سودا سے شاعرانہ مجادلہ کیا تو شیدا نے اپنے استاد کی حمایت میں اُس کی ہجو لکھی - میر حسن اور شوق کے بیانات کے سوا خود مثنوی کے اشعار اِس خیال کی تائید کرتے ہیں —

وارِدِ احمدنگر ایک ہیں مردِ عزیز
فہم میں سر تا قدم اور سراپا تمیز

شعر پر ہر ایک کے کرتے ہیں وہ اعتراض
جامی کے دیواں سے خوب جانیں ہیں اپنی بیاض

حضرت سودا تلک جو مرے استاد ھیں
شعر یہ ان کے بھی اب ان کے یہ ایراد ھیں

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اِن کا لکھنے والا سودا کا شاگرد ہے- مقطع میں بھی شہدا کا تخلص صاف طور سے موجود ہے - سودا کے اکثر قلمی نسخوں میں یہ مثنوی موجود نہیں - اِس کی بھی وہی شکل ہے جو دوسری الحاقی نظموں کی ہے - یعنی یہ اصلاح یافتہ صورت میں کلیات سودا میں داخل ہے - سودا کے ایک ترجیع بند کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اِس کی مزید تائید ہوتی ہے کہ مثنوی " بوم و بقال" شہدا کی تصنیف سے ہے —

قدویا بولے ہے میں ہوں اوستاد میں کیا فن شاعری ایجاد
آکے 'شہدا' جو ہو مرا شاگرد گوش دل سے سنے مرا ارشاد
مرتبہ اس کے شعر کا ہو یہ سخن اوس کا سخن کے ہو استاد
رفتہ رفتہ سنا یہ 'شہدا' نے کہا اس نے کہ خانماں برباد
معنی کے گھر کو توڑ ویراں کر پھینک دی اس کی کھود کر بنیاد
کس طرح سے میں ہوں ترا شاگرد بیت سعدی کی یہ مجھے ہے یاد

کس نیاید بہ زیر سایۂ بوم
ور ھما از جہاں شود معدوم

لیکن عجیب بات ہے کہ اِن معتبر اور مستند شہادتوں کے باوجود مصحفی سنہ ۱۲۰۹ ھ میں اِس کو سودا کی تصنیف بتاتا ہے - اِن قدیم معتبر شواہد اور داخلی ثبوتوں کی موجودگی میں مصحفی کا بیان کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا —

سودا کے ایک اور شاگرد فضل علی ' ممتاز ' کی ایک مثنوی "در توصیف چھڑی" سودا کے کلیات میں داخل ہو گئی ہے - مہر حسن نے اس کو ممتاز سے منسوب کیا ہے اور اس کے انتخابی اشعار بھی نقل کیے ہیں - مہر حسن کا بیان ہے: " ممتاز ... یک مثنوی مسمیٰ بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلۂ او را بہ عصاے کلیم رسانیدہ و بہ بسے مانند شاخ گل برو گلہاے فکر دوانیدہ - چند ازاں بیاد است - من مثنوی —

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز
سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز

سودا کے کلیات میں مصرعۂ ثانی اس طرح درج ہے : —

سب سے ہے سودا کو یہ لاٹھی عزیز

یہ مثنوی بھی کلیات سودا میں اصلاح یافتہ شکل میں ہے - قلمی نسخوں میں موجود نہیں —

بلدرابن ' راقم ' سودا کا شاگرد تھا - اس کا ایک ہجویہ قصیدہ چودہ شعر کا سودا کے قدیم مطبوعہ کلیات میں داخل ہے - حالانکہ راقم کا تخلص مقطع میں صاف طور سے موجود ہے: —

راقم نے ہجو از بس غصے میں جو کہی ہے
اڑ جاوے کا یہ تیرے اب منہ کا نور بھڑوے

الحاقی کلام کے سلسلے میں سودا کے مرثیوں پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے - اس کے مرثیوں کا دیوان ہی الگ ہے - ایکانوے مرثیے اس کے مطبوعہ کلیات میں ملتے ہیں جن میں اٹھارہ ایسے ہیں جو اس کے نہیں ہیں- اِن اٹھارہ مرثیوں میں 'مہربان' تخلص موجود ہے- ملتی

کریم الدین کا بیان ہے کہ سودا مرثیوں میں مہربان تخلص کرتا تھا * - یہ ممکن ہے کہ لفظ سودا کو منحوس خیال کر کے اور از راہ ادب اس کا استعمال نہ کرتا ہو لیکن بقیہ ۱۳ مرثیوں میں اس کا تخلص سودا ہی درج ہے - اس لحاظ سے یہ توجیہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی - اس کے سوا نہ تو سودا نے کہیں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرثیوں میں اس کا تخلص مہربان ہے اور نہ اس کے ہم عصر یا بعد کے تذکرہ نویسوں نے - ایک مرثیے میں مہربان خاں آیا ہے - ظاہر ہے کہ سودا اپنے آپ کو " خان " نہیں لکھ سکتا تھا —

سنا احوال تم نے اے عزیزاں کہے کیا تم سے آگے مہرباں خاں

ہمارا خیال ہے کہ یہ مرثیے بھی الحاقی ہیں اور یہ بھی اس کے شاگرد اور ممدوح نواب مہربان خاں دیوانِ فرخ آباد کی تصنیف سے ہیں - مہربان خاں کا تخلص 'رند' تھا لیکن شوق کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہربان بھی تخلص کرتا تھا - چنانچہ شوق نے اس کے جو انتخابی اشعار نقل کیے ہیں ان میں دو جگہ مہربان تخلص موجود ہے - رند کے متعلق یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مرثیے کے غم انگیز مضامین نیز بے ادبی کے خیال سے "رند" جیسے تخلص کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا اس لیے اس کی جگہ مہربان رکھ دیا - سودا کے کسی اور شاگرد یا شمالی ہند کے ہم عصر شاعر کا تخلص مہربان نہ تھا ' صرف مہربان خاں ہی سودا کا شاگرد ہے جس نے مہربان بھی اپنا تخلص استعمال کیا ہے - مصحفی نے لکھا ہے کہ مہربان خاں مرثیے بھی کہتا تھا - اِس بنا پر یہ خلاف قیاس نہیں کہ یہ اسی مہربان خاں

* انتخاب کلام سودا مرتبۂ منشی کریم الدین —

کے مرثیے ہیں جو سودا سے منسوب ہوگئے ہیں۔ سودا نے ایک قصیدے میں جو مہربان خاں کی مدح میں ہے لکھا ہے کہ مہربان خاں نے اِس قسم کی نظمیں شوق اور عقیدت سے لکھی ہیں —

ہوکے مصروف دل و جاں سے کہے ہیں اُن نے
بس کہ در منقبت حیدر صفدر اشعار

اس شعر سے قیاس ہوتا ہے کہ اُس نے اہل بیت کے متعلق ضرور نظمیں لکھی ہیں - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرخ آباد کا بنگش خاندان تشیع کی طرف مایل تھا ' اس لحاظ سے بھی مہربان کا (جو اسی خاندان کا پرورش یافتہ تھا) مرثیے کہنا قرین صحت معلوم ہوتا ہے - بعض بیاضوں میں ایسے مرثیے ملتے ہیں جو "مہربان شاگرد سودا " کی تصنیف سے بتائے جاتے ہیں ان میں بعض مرثیے وہی ہیں جو سودا کے کلیات میں موجود ہیں - ان سے بھی ہمارے خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ بیاضوں میں جو مرثیے مہربان کے ملتے ہیں ان میں مہربان تخلص ہے اور سودا کے کلیات میں بقیدِ تخلصِ سودا موجود ہیں' یہ مرثیے ان اٹھارہ مرثیوں کے سوا ہیں - یہ بھی الحاقی ہیں ' مرتب نے غلطی سے کلیات سودا میں شامل کر دیے ہیں - اِن مرثیوں کے الحاقی ہونے کی بھی وہی صورت ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے - یہ الحاقی مرثیے دیوان سودا کے قلمی نسخوں میں موجود نہیں ہیں - یہ اٹھارہ مرثیے سودا کے مطبوعہ دیوان مراثی میں بقیدِ تخلص ' مہربان " موجود ہیں اور بعض میں سودا ہی کا تخلص درج ہے لیکن بیاضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ الحاقی ہیں۔

مہربان خاں کے سلسلے میں ایک ضروری بات کی طرف اشارہ

کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میر سوز مہربان خاں کے استاد تھے - سودا سے بھی وہ مشورہ کرتا تھا - اس کے دیوان میں کئی غزلیں ایسی ہیں جو سوز اور سودا دونوں کے کلیات میں ملتی ہیں - اُن کے متعلق شوق نے لکھا ہے ''اکثر اشعار در دیوان او (مہربان خاں) یافته شد که آنرا میر سوز نسبت بطرف خود می‌کنند و بعضے گویند که از مرزا رفیع است''- سوز اور سودا کے کلیات کے متعدد نسخوں کا ہم نے مقابلہ کیا ہے - بیسیوں غزلیں مشترک ہیں ان کی نسبت یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ در اصل کس کی ہیں - آیا سوز کی یا سودا کی یا خود مہربان خاں کی - مہربان خاں کے دیوان میں بقول شوق پچاس ہزار اشعار ہیں - اِس وقت وہ ہمارے پیش نظر نہیں ورنہ ممکن تھا کہ اس کے حل کی صورت نکل آتی - سودا اور سوز کے طرز و انداز اور رنگ طبیعت سے بھی اُن کے مصنف کا پتا چل سکتا ہے لیکن یہ امر قیاسی ہے یقینی نہیں —

مصحفی نے لکھا ہے کہ مہربان خاں کے دیوان میں سودا کا کلام پایا جاتا ہے جو بہت قیمتی امر ہے - شوق نے اپنے تذکرے میں ایسی ۱۷ غزلوں کا حوالہ دیا ہے جو دیوان رند میں موجود ہیں اور جن کی نسبت سوز کہتے تھے کہ خود اُن کی ہیں اور بعض اُن کو سودا کی بتاتے تھے - اِس مشتبہ کلام کا نمونہ نقل کرنے کے بعد شوق نے لکھا ہے '' علی هذا القیاس اکثر غزلیات مربوط و مضبوط که داخل دیوان او (رند) است آں را بمرزا رفیع و میر سوز وغیرہ نسبت می کنند - خدا داند که در واقع از کیست ''- اس جملے میں لفظ ''وغیرہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سوز اور سودا کے علاوہ اور بھی شاعر ایسے ہیں جن کا کلام دیوان رند میں موجود ہے ایسی صورت

میں یہ بحث اور بھی پیچیدہ ہوجاتی ہے اور اُن کے مصنف کا معلوم کرنا
دشوار ہو جاتا ہے - ہم نے بہت سا ایسا کلام معلوم کیا ہے جو سوز اور سودا
دونوں کے دیوانوں میں مشترک ہے - یہ چونکہ مقدار میں بہت زیادہ
ہے اس لیے اس کا یہاں نقل کرنا یا اُس کی تفصیلات پیش کرنا طوالت
سے خالی نہیں - انجمن ترقی اردو کلیات سودا خاص تحقیق سے مرتب
کرا رہی ہے اس سے یہ بحث بالکل صاف ہو جائے گی -

غیر مطبوعہ کلام

سودا کا بہت سا کلام ایسا ہے جو اب تک معرض طبع میں نہیں آیا اور عام دسترس سے باہر ہے - غیر مطبوعہ کلام میں سب سے پہلے قصائد پر نظر پڑتی ہے - مطبوعہ کلیات میں صرف چوالیس قصیدے ہیں - اِن کے علاوہ گیارہ قصیدے اور ہیں جو ہمیں قلمی نسخوں میں دستیاب ہوے ہیں - اُن کی تفصیل یہ ہے :—

(۱) ایک قصیدہ حضرت فاطمۃالزہرا کی مدح میں ہے جو چھیاسی شعرکا ہے - اس کا مطلع ہے : —

مکھڑے سے اپنے زلف کے پردے کو تو اُٹھا
ابرِ سیہ میں ماہِ درخشاں کو مت چھپا

(۲) دوسرا قصیدہ حضرت علی کی منقبت میں ہے جو چوالیس اشعار پر مشتمل ہے - اس کا مطلع ہے :—

لخت دل بکھرے ہیں یوں آہ سے ہلکام قلق
جنبش باد سے جوں گل کے پریشاں ہوں ورق

(۳) تیسرا قصیدہ " خلاصۃ الاوراد " ہے جو حضرت امام زین العابدین کی مدح میں ہے اِس کے ترسٹھ شعر ہیں - مطلع یہ ہے :—

کہا میں ایک دن اس سے کہ اے ستم ایجاد
جفا و جور کہاں تک کہاں تئیں بیداد

(۴) چوتھا قصیدہ حضرت امام حسن کی مدح میں ہے اس کے بیس شعر ہیں - مطلع یہ ہے :—

ہوا ہے دشت برنگ چمن طرب مانوس
نگہ غزال کی جوں شاخ سبز ہے محسوس

(۵) پانچواں قصیدہ حضرت امام باقر کی مدح میں ہے اس کے تراسی شعر ہیں اور مطلع یہ ہے :—

ہزار شکر گئے وہ خزاں کے رنج والم
رسیدہ مژدہ کہ آمد بہارِ فیض قدم

(۶) چھٹا قصیدہ " صبح صادق ' ہے جو امام جعفر صادق کی مدح میں ہے ۔ اس کے پینتالیس شعر ہیں اور مطلع یہ ہے :—

فلک بتادے مجھے اپنے عیش و غم کی طرح
کرم کی کون طرح کونسی ستم کی طرح

(۷) ساتواں قصیدہ حضرت امام تقی کی مدح میں ہے اس کے اکتیس شعر ہیں ' مطلع یہ ہے :—

ہووے جو قطرہ ریز یہ چشم تر آب میں
پیدا ہو پھر بجائے گہر اخگر آب میں

(۸) آٹھویں قصیدے کے ممدوح بھی حضرت امام تقی ہیں اس کے بائیس شعر ہیں' مطلع یہ ہے:—

ہوا کے فیض سے ایسا ہے سبز باغ جہاں
شبیہِ سنبل تر سے ہے موجِ ریگ رواں

(۹) نواں قصیدہ دربار اودھ کے انگریز ریذیڈنٹ رچرڈ جانسن کی مدح میں ہے - اس کے تیئیس شعر ہیں اور مطلع یہ ہے :—

دیکھا نہ جائے اس سے رخِ گلرخاں پہ رنگ
غنچے کے بھی دہن کی ہے چشمِ زمانہ تنگ

(۱۰) دسواں قصیدہ ایک شیخ جی کی ہجو میں ہے - اس کے بیس شعر ہیں اور مطلع یہ ہے :—

شیخ جی گول ہیں دستار بھی ان کا ہے گول
چھپ رہا ریش مبارک کے تلے پیٹ کا جھول

(۱۱) گیارھواں قصیدہ (مضحکۂ دھر) بریلی کے کسی شیخ کی ہجو میں ہے - سینتالیس شعر کا ہے - مطلع یہ ہے :—

لکھتا ہوں میں اک شیخ بریلی کی حکایت
ہر چند زباں خامہ کی قاصر ہے نہایت

قصائد کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی مستقل نظموں کے علاوہ اکثر اشعار اور بند ایسے ملتے ہیں جو مطبوعہ کلیات میں موجود نہیں ہیں اور قلمی نسخوں میں درج ہیں- ان کی تفصیل یہاں طوالت کا باعث ہوگی - ہم نے اس کا ایک مفصل اِشاریہ (اِنڈکس) بنایا ہے جسے انجمن ترقی اردو کلیات سودا کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے —

مقدار کلام

سودا نے کم و بیش پچاس سال شاعری کی ہے ۔ نصف صدی کی شاعرانہ پیداوار کا کافی ذخیرہ ہے ۔ شاعر کے کلام کے مطالعے کے وقت اس کے کلام کی صحیح مقدار کا معلوم کرنا بڑی حد تک ضروری سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن چونکہ سودا کے الحاقی اور غیر مطبوعہ کلام کی بحث ابھی پورے طور سے طے نہیں ہوئی ہے اور ابھی ضرورت ہے کہ اس کے اصلی کلام کا صحیح تعین خاص تحقیق سے کیا جائے اس لیے اس کے کلام کی مقدار کا صحت و یقین کے ساتھ درج کرنا مشکل ہے ۔ انجمن ترقی اردو کلیات سودا کو خاص تحقیق سے مرتب کرا رہی ہے ۔ اس کی اشاعت سے سودا کے کلام کی بڑی حد تک صحیح مقدار معلوم ہو جائے گی ۔ یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے کلیات میں تمام اصناف سخن قصیدہ ، غزل ، واسوخت ، مثنوی ، مرثیہ ، قطعہ ، ترجیع بند ، ترکیب بند وغیرہ وغیرہ موجود ہیں ۔ ہر صنف میں کلام کی کافی مقدار موجود ہے ۔ اس دور کے کسی شاعر کا کلام اس قدر متنوع اور ضخیم نہیں —

کلام کی سنہ وار ترتیب

سودا کے پورے کلام کو سنہ وار مرتب کرنا دشوار ہے - سوائے چند قصائد ' چند ہجویات اور چند قطعات وغیرہ کے جو کسی خاص تقریب سے لکھے گئے ہیں پورا کلام ایسا ہے جس کے متعلق یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کہیں اور کب تحریر ہوا - خصوصاً غزلوں کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ اس میں کوئی داخلی شہادت تعین زمان و مکاں کی نہیں ملتی- ہم نے کوشش کی ہے کہ جس قدر کلام قیدِ زمان و مکاں میں آسکے لایا جائے- ہمارے تین ماخذ ہیں - ایک تو خود سودا کے کلام کا وہ حصہ جو مختلف تقریبوں سے ان بادشاہوں ' امیروں ' اور دوسرے لوگوں کی مدح یا قدح میں تحریر ہوا جن کے سنین تاریخوں میں ملتے ہیں- دوسرا ماخذ تذکرے ہیں جو سودا کی زندگی میں لکھے گئے ہیں - جو کلام بطور نمونہ ان میں درج ہے اس کے متعلق یہ یقین ہے کہ ان تذکروں کی تالیف سے قبل کا ہے - بعض دیوان ایسے ہیں جو سودا کی زندگی ہی میں تحریر ہوئے ہیں ان دواوین میں جس قدر کلام ہے اس کے متعلق بھی یقین ہے کہ اُن کے سال کتابت سے پیشتر کا ہے -

سنہ ۱۱۶۱ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

عہد محمد شاہی میں سودا کا ممدوح بسنت خاں خواجہ سرا تھا۔ محمد شاہ کی وفات سنہ ۱۱۶۱ھ میں ہوئی اس لحاظ سے جو قصیدے بسنت خاں کی مدح میں لکھے گئے ہیں وہ یقیناً سنہ ۱۱۶۱ھ سے قبل کے ہیں۔ یہ دو قصیدے ہیں جو مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں۔

سنہ ۱۱۶۵ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

میرتقی میر اور خواجہ حمید خاں اورنگ آبادی کے تذکرے اسی سال کی تالیف ہیں۔ ان میں جو کلام درج ہے اس کے متعلق یقین ہے کہ وہ سنہ ۱۱۶۵ سے قبل کا ہے۔ اِن تذکروں کے ملتخبہ اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزلیں اور نظمیں جن کے یہ چیدہ اشعار ہیں اس سال سے قبل کہی گئی ہیں۔ اِن دونوں تذکروں میں ۶۶ غزلوں کے اشعار ہیں۔ اس کے سوا دو رباعیاں بھی ہیں اور قصیدۂ تضحیک روزگار کا بھی ذکر ہے۔

سنہ ۱۱۶۶ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

گردیزی نے اپنا تذکرہ سنہ ۱۱۶۶ھ میں نکات الشعرا کے ایک سال بعد لکھا ہے۔ اب تک اُس کے تذکرے کا سنہ تالیف سنہ ۱۱۶۵ھ سمجھا جاتا تھا لیکن ایک قلمی نسخے میں جس کو سید عبدالولی عزلت نے سنہ ۱۱۷۲ھ میں لکھوایا تھا اُس کا سنۂ تالیف خود گردیزی کے الفاظ میں سنہ ۱۱۶۶ھ درج ہے۔ اس میں جو کلام سودا کا درج ہے اس کی نسبت یقین ہے کہ وہ سنہ ۱۱۶۶ھ سے قبل کا ہے۔ میر صاحب کے تذکرے میں

جو کلام ہے وہ نظرانداز کردیا جائے تو گرد یزی کے تذکرے سے چند مزید غزلوں کا پتا چلتا ہے ۔

سنہ ۱۱۶۴ھ اور ۱۱۶۷ھ کے ما بین کا کلام (بمقام دہلی)

احمد علی خاں سیف الدولہ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں میر بخشی احدیاں رہ چکے ہیں ۔ یہ سودا کے ممدوح تھے ۔ اُسی زمانے میں عماد الملک کی شان میں بھی سودا نے قصیدے کہے ہیں ۔ اِن دونوں امیروں کے نام سے سودا کے قصیدے اُس کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں —

سنہ ۱۱۶۷ھ کا کلام (بمقام دہلی)

یہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کا سال ہے ۔ اِس میں سودا نے چند قصیدے کہے ہیں ۔ بعض عماد الملک کی مدح میں ہیں جن میں اُس کے اُس زمانے میں وزارت حاصل کرنے کا ذکر ہے ۔ ایک آدھ قصیدہ عالمگیر ثانی کی مدح میں بھی ہے ۔ یہ قصائد ایک ہی سال میں کہے گئے ہیں اس لیے کہ اسی سال عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا اور اسی سال سودا نے دہلی کو خیرباد کہی —

سنہ ۱۱۶۸ھ سے قبل کا کلام

قائم نے اپنا تذکرہ مخزن نکات سنہ ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے ۔ اُس میں جو کچھہ کلام درج ہے وہ یقیناً اِس سنہ سے قبل کا ہے ۔ اِس میں بعض

غزلیں وغیرہ اس سے قبل کے تذکروں میں آگئی ہیں- لیکن غیر مشترک کلام بھی کافی ہے- اور بعض نظموں وغیرہ کے نام بھی اِس میں ملتے ہیں یہ کلام غالباً قیام دھلی کے زمانے کا ہے اِس لیے کہ قائم نے لکھا ہے کہ مرزا ابھی ابھی فرخ آباد گئے ہیں —

سنہ ۱۱۷۴ھ سے قبل کا کلام

حبیب گنج والا نسخہ جس کا ذکر ہم نے تدوین کلیات کے تحت درج کیا ہے ۱۱۷۴ ھ میں تحریر ہوا - اِس میں وہ کلام درج ہے جو کاتب کے پاس جمع تھا - اِس میں غزلیں ' قصیدے ' مثنویاں ' مسدس ' مخمس وغیرہ ہیں - اِس میں وہ کلام بھی پایا جاتا ہے جو اس سے قبل کے تذکروں میں درج ہے لیکن ان تذکروں میں کچھ کلام ایسا بھی موجود ہے جو اِس میں درج نہیں- اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ پورا کلام درج نہیں جو اس وقت سودا نے کہا تھا - اِس دیوان میں جو کلام درج ہے اُس کے متعلق بھی قیاس ہے کہ وہ سودا کے قیام دھلی کی پیداوار ہے - اس لیے کہ کاتب کو جو کلام دھلی میں مل سکا اُس نے اس میں جمع کردیا - اِس دیوان کے ترتیب کو دیکھنے سے جسے ہم نے تدوین کلیات کے تحت نقل کیا ہے اس خیال کی مزید تائید ہوگی —

سنہ ۱۱۷۵ھ سے قبل کا کلام

شفیق اورنگ آبادی نے اپنا تذکرہ سنہ ۱۱۷۵ھ میں لکھا ہے - اس نے اپنے تذکرے کی بنیاد صرف میر اور گردیزی کے تذکروں پر رکھی ہے

لیکن ذاتی معلومات کی بنا پر چند اضافے بھی کیے ہیں - اُس کی نظر سے سودا کا کلیات گزر چکا تھا - جیسا کہ ہم نے تدوین کلیات کے تحت اس کی طرف اشارہ کیا ہے - اُس نے میر اور گردیزی کے انتخابی اشعار کے علاوہ کچھ اور بھی کلام بطور نمونہ درج کیا ہے - اور چند نظموں کے نام بھی بتائے ہیں ' ان میں ایک آدھ نظم (مثلاً مخمس در ہجو شیخ علی حزیں) ایسی ہے جو اب تک دستیاب نہیں ہوئی- یہ غیرمشترک اور زاید کلام بھی قیام دهلی کے زمانے کا معلوم ہوتا ہے —

اسی سال (۱۱۷۵) فتوت اورنگ آبادی نے اپنا تذکرہ ریاض حسینی لکھا ہے- اس میں بھی قیام دهلی کے زمانے کا کلام معلوم ہوتا ہے اس لیےکہ اس نے عزلت کے ذخیرۂ کتب سے استفادہ کیا ہے جو کچھ عرصے قبل شمالی ہند سے دکن آئے تھے —

سنہ ۱۱۶۷ ھ تا سنہ ۱۱۸۵ ھ کا کلام (بمقام فرخ آباد)

یہ وہ زمانہ ہے جس میں سودا فرخ آباد میں تھا - مہربان خاں رند اور احمد خاں بنگش کی تعریف میں جو قصائد اور دوسری نظمیں وغیرہ ہیں وہ سب اِسی زمانے کی ہیں - بعض لوگوں کی ہجویات بھی یہاں لکھی گئی ہیں - اس کا پتا خود ان نظموں سے ملتا ہے —

سنہ ۱۱۸۵ ھ تا سنہ ۱۱۸۸ ھ کا کلام (بمقام فیض آباد)

شجاع الدولہ کے زمانے میں سودا کا قیام یہاں تھا - اِن کی مدح میں جو قصیدے اور قطعے وغیرہ ہیں وہ سب اسی زمانے کے ہیں -

ان کے سوا چند هجویات وغیرہ بھی هیں جو وهاں کے هم عصر شعرا وغیرہ کے حق میں کہی گئی هیں - اِن هجویات میں اس مقام اور زمانے کی شہادت مل جاتی ہے -

سنه ۱۱۸۸ ھ سے قبل کا کلام

اِس سنه میں دو تذکرے لکھے گئے هیں - ایک تو قدرت الله شوق کا طبقات‌الشعرا' دوسرا میر حسن کا تذکرۂ شعراے هندی - اِن دونوں تذکروں کے سنین تالیف زیادہ صاف اور یقینی نہیں - شوق نے پہلی مرتبه سنه ۱۱۸۸ ھ میں اپنا تذکرہ لکھا - پھر سنه ۱۲۰۹ ھ میں اُس میں معتد به اضافه کیا - لیکن سنه ۱۱۸۸ ھ میں جن شاعروں کا حال لکھا ہے ترمیم کے بعد اُن کے کلام کے نمونوں میں بہت کم تبدیلی کی ہے - همارے پیش نظر سنه ۱۱۸۸ ھ اور سنه ۱۲۰۹ ھ کے دونوں تذکرے هیں - میر حسن کے تذکرے کے متعلق اکثر محققین کو غلط فہمی هوئی ہے - مولانا شروانی نے سنه ۱۱۸۸ ھ اور سنه ۱۱۹۲ ھ کے مابین اُس کی تالیف کا سنه بتایا ہے اور بعضوں نے سنه ۱۱۹۴ ھ - همارا خیال ہے که میر حسن نے سنه ۱۱۸۸ ھ سے قبل شروع کیا اور سنه ۱۱۹۲ ھ کے بعد تک لکھتا رها - چنانچه سودا کی نسبت لکھا ہے " الحال در سرکار نواب شجاع الدوله بہادر بوسیلۂ شاعری سرفراز است"- شجاع الدوله کا انتقال سنه ۱۱۸۸ ھ میں هوا ظاهر ہے که اس سے قبل فیض آباد میں یه تذکرہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور سنه ۱۱۹۲ ھ کے بعد تک لکھتا رها - چنانچه شاہ فصیح کے متعلق لکھا ہے - " در سال یک هزار و یک صد و نود و دو بر حمت حق پیوست " - بهر حال ان دونوں تذکروں میں جو کلام

موجود ہے وہ سنہ ۱۱۸۸ھ سے قبل کا ہے- اس لیے کہ دونوں تذکروں میں سودا کے حالات اِسی سنہ میں قلم بند ہوئے ہیں —

سنہ ۱۱۸۸ ھ تا ۱۱۹۵ ھ کا کلام (بمقام لکھنؤ)

آصف الدولہ سنہ ۱۱۸۸ ھ میں مسند نشین ہوئے- اُن کے زمانے میں سودا سنہ ۱۱۹۵ھ تک زندہ رہا - اِس عرصے میں اُس کے ممدوحین میں خود نواب، اُن کے نائب حسن رضا خاں سرفراز الدولہ اور اُن کے درباری انگریز رزیڈنٹ جانسن ہیں - اِن کی مدح میں سودا کے کئی قصیدے ہیں - اِن کے سوا چند مختلف قطعات اور نظمیں وغیرہ بھی ہیں جن سے قیام لکھنؤ کا صاف طور سے ثبوت ملتا ہے —

ہم نے سنہ وار کلام کی تفصیلات بخوف طوالت یہاں درج نہیں کی ہیں - اس بحث کے چھیڑنے کا مدعا محض یہ تھا کہ اگر کوئی سودا کے کلام کو اس نظر سے دیکھنا چاہے تو اُسے ضروری اشارے مل سکیں شاعر کے لسانی، بیانی اور دماغی و تخیلی ارتقا کا مطالعہ سنہ وار ترتیب کی روشنی میں بخوبی و بآسانی ہوسکتا ہے - سنہ وار ترتیب کا پورا اور صحیح التزام ہم نے اُس دیوان میں کیا ہے جو انجمن ترقی اردو کے لیے مرتب ہورہا ہے - اس سے اس بحث پر کافی روشنی پڑے گی —

(الف) اردو کلام

غزلیات

غزل شاعرانہ مشق کی پہلی سیڑھی ہے - ہمارے شاعروں کا یہی میدان ابتدائی جولا نگاہ تھی - شاعری کا آغاز اسی سے ہوتا تھا - دوسری اصناف سخن میں نہ تو ابتداءً طبع آزمائی کی جاتی تھی اور نہ کہنہ مشقی اور مزاولت کے بعد بھی ان کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی- دور جدید کی شاعرانہ پیداوار سے درگزر کیجیے تو ہماری شاعری کا تمام تر سرمایہ غزل ہی تھا - یہ بہت اہم صنف ہے - یہ وہ میدان ہے جس میں شاعروں نے اپنی طبع کی جولانیوں کو ختم کردیا ہے -

سودا کی شاعری کی ابتدا بھی عام رواج کے مطابق غزل ہی سے ہوی - اس نے ریختے میں مشورۂ سخن حاتم سے کیا جس کی شاعرانہ پونجی میں سواے غزل کے تقریباً کچھ نہیں - ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ شاگرد کو غزل میں طبع آزمائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا - اس دور کے شاعروں کا اشہبِ طبع غزل کے میدان سے بہت کم آگے بڑھتا تھا - جو تھا غزل پر ریجھا ہوا تھا - دوسرے اصناف پر بہت کم نظر ڈالتا تھا -

سودا نے اپنی غزلیں ابتداءً مشاعروں میں سنانی شروع کیں چنانچہ اس کے کلام میں مرزا بیدل کے عرس کے سالانہ مشاعرہ کا ذکر ملتا ہے جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے -

مولوی ندرت کی ہجو میں دو جگہہ لکھا ہے :-

عرس میں جا میرزا بیدل کے تئیں باشدّ و مد
شعر نا موزون و پوچ اس رات کو پڑھتا تھا جد

کہتے تھے سن سن کے تیرے حق میں سب یوں نیک وبد
چوں کلاغ امشب کہ مغز سامعاں را میخورد

ایں لعیں در بزم طرحِ شور و غوغا ریختہ

ایسی غزل عرس میں تم سے جب انصرام ہو
بحر میں جس کی وہ طرح شبہ خاص و عام ہو

تقطیع اس کی جس کلے صبح سے تا بشام ہو
اس کی طرف سے آخرش تم کو یہی پیام ہو

گھوڑے کو دو نہ دو لگام سلہ کو تلک لگام دو

سودا اُن مراختوں میں بھی شریک ہوتا تھا اور اپنا کلام سناتا تھا جن کا ذکر ہم تمہیدی حصے میں کرچکے ہیں - خان آرزو کے مراختے میں شرکت کا حال ہم قدسی کے شعر کے ترجمے کے سلسلے میں کرچکے ہیں - اس کے سوا درد، میر اور دوسرے لوگوں کے مراختوں میں وہ شریک ہوتا تھا اور طرحی غزلیں پڑھتا تھا - خان آرزو کے مراختے میں سودا اپنی ابتدائی مشق کے زمانے میں شرکت کرتا تھا - بقیہ مراختوں میں اس کی شاعرانہ مشق کی پختگی کے جوہر کھلتے تھے —

سودا کے ذخیرۂ غزل پر نظر ڈالی جائے تو وہ کیا بلحاظ مضامین و موضوعات اور کیا بلحاظ زبان و اسلوب بیان خاص اہمیت رکھتا ہے -

اس میں شبہ نہیں کہ اس کی غزل بھی انہیں مروجہ رسمی مضامین و لوازمات کی حامل ہے جو فارسی غزل کی تقلید سے اردو میں رس بس گئے تھے - ان عام فارسی اثرات کے علاوہ سودا نے بعض اساتذۂ فارسی کے رنگ کو خاص طور سے اختیار کرنا چاہا - غزل کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس میں محض مروجہ رسمی مضامین ہیں اور جس کو شاعر کی زندگی کا داخلی پہلو نہیں کہا جاسکتا مگر ایک حصہ بے شبہ ایسا بھی ہے جو اس کے ذاتی تجربات و مشاہدات کی اطلاع دیتا ہے اور عام رسمی جکڑ بندوں کے باوجود شاعر کی جدت وجودت اور اس کے ہنر و کمال کا پتا دیتا ہے - اس لحاظ سے سودا کی غزل کے اہم اور خاص مباحث حسب ذیل ہوسکتے ہیں :—

(۱) عام رسمی موضوعات و مضامین —

(۲) ذاتی مشاہدات و واردات —

(۳) اساتذۂ فارسی کا اثر —

ہم ان مباحث کے التزام سے سودا کی غزل‌گوئی پر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالیں گے - غزل کا اصل موضوع حسن و عشق ہے - سودا کی غزلوں میں حسن و جمال کی کیفیات اور عشق و محبت کی واردات پائی جاتی ہیں - اس نے اس موضوع پر کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے - اس موضوع کے مشہور اجزا کو لے کر ہم پہلے غزلوں پر بحث کریں گے -

عشق و محبت کا باعث حسن و جمال ہے - سودا کی غزلوں میں یہ حسن کہیں کہیں اس بے زوال حسن کا نشان دیتا ہے جس کو شاعر کی نہایت تیز جمالی نظر دیکھ سکتی ہے لیکن اکثر جگہ حسن سے شاعر کی مراد

انسانی قد و قامت اور خط و خال کی موزونیت ہے - خط و زلف ' لب و دندان ' چہرہ و عارض' قد و قامت ' آن بان وغیرہ وغیرہ کی تعریف ہے - حسن کے یہ لوازمات تشبیہ و استعارہ کا کام ہر وقت نہیں دے سکتے اور پھر ایسی حالت میں جب کہ شاعر خود ہی اس حسن کو زوال پذیر اور فانی کہتا ہے - ظاہر ہے کہ حسن کی یہ تحدید حقیقی حسن کی وسعت کے مقابلے میں کس قدر حقیر ہے - حسنِ لازوال پر مجاز کی یہ نقاب نہایت بے جوڑ معلوم ہوتی ہے - دل نہیں مانتا کہ مجاز کے پردے میں حقیقت روپوش ہے - کہیں کہیں شاعر کی جمالی نظر نے حسن کی وہ جھلکیاں دیکھی ہیں جو کسی قدر لازوال اور حقیقی معلوم ہوتی ہیں لیکن دل گواہی دیتا ہے کہ اس نغمہ میں آہنگِ حقیقت بہت ہی معمولی اور رسمی ہے - ایسے چند مقامات ہیں : -

جو تجھے دیکھے کہے حور و ملک شمس و قمر
حسن تیرا دور تر ادراک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیو نکر بت رعنا میرا حور و بشر ٹھہرا
کہ جس کے نور کے سائے سے یہ شمس و قمر ٹھہرا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

کفر کی میرے تجلی ہے نظیر شمع طور
پوجوں ہوں جس بت کو میں اک نور ہے اللہ کا

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

مہر ہر ذرے میں مجھکو ہی نظر آتا ہے
تم بھی تک دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں

ہر ایک شے میں سمجھ تو ظہور کس کا ہے
شرر میں روشنی شعلے میں نور کس کا ہے

پردے کو تعین کے در دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
تک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ
جوں شمع حرم رنگ جھمکتا ہے بتاں کا

کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ
سب رنگ میں ہے تو پہ ترا سب سے بری رنگ

کہاں وہ نور کا شمس و قمر میں ہے شعلہ
جو حسن یار کا اپنی نظر میں ہے شعلہ

لیکن واضح رہے کہ یہ رنگ سودا کا نہیں - اس کا معشوق انسان ہے جس کا حسن بھی انسانی ہے - معشوق بھی وہ جس کی تصویر فارسی کی غیر صوفیانہ شاعری میں نظر آتی ہے - اُس کے خصائص ولوازم وہی ہیں جو فارسی غزل کے معشوق کے ہیں - سودا کے معشوق کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے- جس کو معشوق حقیقی اور حسن بے زوال کے جلوے دیکھنے

ہیں وہ خواجہ درد کے دیوان میں دیکھے - سودا کی نظر میں یہ جلوے بہت کم بلکہ نہیں ہیں - اس نے اپنے معشوق کی جو شبیہ کھینچی ہے اور اس کے جو خط وخال بتائے ہیں' اس کا ذکر ذیل کی سطروں میں کیا جاتا ہے:-

معشوق کے حسن و جمال کی تعریف میں بے شمار شعر ہیں کہیں اسے محض سادہ الفاظ میں بے مثال و بے نظیر بتایا ہے - یہ بالکل سیدھے سادھے الفاظ ہیں جن میں کوئی خاص ندرت خیال وغیرہ کی نہیں —

کرتا ہوں سیر جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا

نازک اندامی کروں کیا اس کی اے سودا بیاں
شمع ساں جس کے بدن پر ہو پسیلے کا خراش

حسن یار کا دوسری حسین اشیا سے مقابلہ کیا ہے اور دونوں میں فرق دکھا کر سراہا ہے :—

چہرہ ترا سا کب ہے سلطان خاوری کا چہرہ ہزار باندھے سر پر جو وہ زری کا

جو حسن دیکھتا ہوں میں فندق یہ یار کے
وہ لطف کب رکھے ہے گل ارغواں غلط

دیکھے جو ایک آن ترا سرو خوش خرام
قمری نہ دیکھے پھر کبھی شمشاد کی طرف

عجوبہ اس زلف کی تشبیہ دینا مشک سے
شاعر وہ بات پہنچے گی دراز و دور تک

تیرے آگے اسے خورشید کا ملہ خوش نہیں آتا
چمن سے ورنہ کیوں جاتی رہی وقت سحر شبنم

کرتے ہو ہردم جو وصفِ چشمۂ آبِ حیات
آب ہے جو خنجرِ قاتل میں سمجھو تو کہوں

لب و لہجہ ترا سا ہے کہیں خوبانِ عالم میں
غلط ہے یہ زبانوں پر کہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

تبسم یوں نمایاں ہے مسی آلودہ دنداں سے
نہ ہو ابرِ سیہ میں اس طرح بجلی کی اچھلیاں

کبھی بولیں عقیق اور گہ نگینِ لعل ٹھہراویں
یہ ناشاعر ترے ہونٹوں کو کیا کیا نام دھرتے ہیں

معشوق کے مختلف اعضا ، حرکات اور سکنات کی تعریف کی ہے اور اُن کو بھی کہیں تو محض سادہ الفاظ میں حسین و جمیل اشیا کے مقابلے میں اور کہیں تشبیہ و استعارہ کے پردے میں بیان کیا ہے اور اُن کے اثرات و کیفیات کا اظہار کیا ہے :—

ہو جس کی چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کی
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقیِ گلفام کیا ہوگا

چمن ہے کس کے گرفتارِ زلف و کاکل کا   کہ اس قدر ہے پریشان حال سنبل کا

حلقے میں اُس کی زلف کے عارض پہ کر نظر
کچھ شب میں رہ گیا ہے گرہ کھا کے نور صبح

خط سمجھ اے دل نہ اس عارض کے ملک حسن میں
اُتری ہے یہ فوج پھر غارت گلزار عشق

جلوہٴ ابرو نے مارا لشکر صبر و قرار
ہووے ہے فیصل کہ جب پھلتے ہے با شمشیر جنگ

سیر کرتا ہے خیال اُس کی نگہ کا جدھر
نظر آتے ہیں اُدھر گلچ شہیداں مجھ کو

اُس زلف کو جب دیکھا میں ہاتھ میں سودا کے
بکھرے ہوئے حالوں کی زنجیر نظر آئی

بلبل چمن میں تیغِ نگہ کس کی چل گئی
جس گل کو دیکھتا ہوں سو زخموں سے چور ہے

حسن یار کے اثرات اور کرشموں کا ذکر کیا ہے اور موثر انداز میں دکھایا ہے کہ حسن کے اثرات مختلف چیزوں پر کیا پڑتے ہیں ۔

باغ میں جس دم خرام اُس سرو قامت نے کیا
نعرۂ حق سرو قمری نے بھر کر جی دیا

تصویر ہو کے آپ ہی حیران وہ رہ گیا   بیٹھا تھا ملہ کو پھر جو بہزاد کی طرف

نگاہ بھر بھر کے تو جو دیکھے ہے لا سکے گا یہ تاب گلشن
مجھے ہے دھڑکا کہ بہ نہ جاوے چمن سے ہو کر شراب گلشن

جن کے دامن تھے نمازی سو ترے کوچے میں
اُن کے خرقوں کے گریبان پھٹے جاتے ہیں

تجھ دہان و کمر سے ہے جلوہ میں عشق   اب انہوں کا کہیں نہ ٹھور نہ ٹھانوں

یہ کس کے اب صف مژگاں نے دل کو دی ہے شکست
کہ اشک پھرتے ہیں لوٹے بھرے سی دل میں

چمن میں کس کے صبا رخ سے اُٹھ گیا ہے نقاب
کہ گل مجھے نظر آتے ہیں آفتاب زدہ

مگر وہ دید کو آیا تھا باغ میں گل کے
کہ بو کچھ اور میں پائی دماغ میں گل کے

غنچے سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے — نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
پھرتے ہو باغ سے تو پکارے ہے عندلیب — صبحِ بہار گل پہ شب تار کر چلے
آئے جو بزم میں تو اُٹھا چہرے سے نقاب — پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر — دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

شاعر نے حسن کے لوازمات میں زیورات وغیرہ کو بھی شامل کر دیا ہے - اِس سے صاف طور سے حسنِ انسانی کی تخصیص و تحدید ہوتی ہے —

نظر کرو وہ بلا گوش گوشواروں میں — کہ بحرِ حسن کے ہر اک گھر میں ہے شعلہ

مکھ پر یہ گوشوارہ موتی کا جلوہ گر ہے — جیسے قران باہم ہو ماہ و مشتری کا

شاعر نے جگہ جگہ حسن کو زوال پذیر اور پا در ہوا بتایا ہے - سبزۂ خط کا اگنا زوالِ حسن کا اعلان اور شکستِ جمال کی صدا ہے —

دیکھتے ہی خط چلا یوں شاہِ حسن — جس طرح معذور ہو عامل پھرا

دو روز کی بہار پہ اتنا نہ کر غرور — پیارے یہ باغِ حسن کا گلزار کب تلک

سہتا نہیں خط آنے سے اب کوئی ستمِ یار
سودا مگر اب ایک سہوں یا نہ سہوں میں

ملتا کر خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹے ہی بوتے ہو
نہ ہوں گے اب یہ عارض گل عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

ہر لحظہ اب بہ نشو و نما خطِ یار ہے گلزار کی خرابی کے درپے بہار ہے

حسن کا جو نقشہ سودا نے اپنی غزل میں کھینچا ہے اس کو ہم نے دکھا دیا ہے - اب ہم حسن و عشق کے معاملات کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں - حسن معشوق کا جب عاشق گھائل ہو جاتا ہے تو وہ رعب حسن سے ڈرتے ڈرتے اپنا درد دل معشوق سے ظاہر کرتا ہے - معشوق اِس اظہار محبت کو عاشق کے خبط پر محمول کرتا ہے اور اُس کا بے اختیار مضحکہ اُڑاتا ہے : —

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ تیرا عاشق ہوں
قہقہہ مار لگا کہنے وہ طناز درست

بہ ہزار کوشش و جانفشانی عاشق کے محبت جتانے اور اظہار عشق کرنے کا معشوق پر کچھ اثر بھی ہوا اور اُس نے مہر و محبت کا وعدہ بھی کر لیا تو عاشق کی بے تابانہ پرستش اُس کا دماغ بگاڑ دیتی ہے اور جب اُس کو اپنے اصلی حسن و جمال کا علم ہوتا ہے اور ہر طرف چاہنے والے نظر آتے ہیں تو غرور کے نشے میں چور ہو جاتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا - غرورِ حسن پر اس قدر بھول جاتا ہے کہ اچھے اور برے میں تمیز نہیں کر سکتا - سچے عاشق اور جھوٹے مدعی میں، حقیقی طالب اور ہوس پرست میں امتیاز نہیں کر سکتا - اِس قدر بر خود غلط ہو جاتا ہے کہ طالب صادق کو ٹھکراتا ہے اور ہوا پرستوں کے مکر و فریب کا شکار ہو جاتا ہے - بوالہوسوں کے چنگل میں گرفتار ہونے کے بعد

سچے عاشق کو تالنے لگتا ھے، طرح طرح کے وعدے کرتا ھے لیکن ایک بھی وفا نہیں کرتا - رقیبوں کے بھکانے سے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ھے اور رفتہ رفتہ اُس کا مطمح نظر ھی ایذا رسانی اور ظلم ستانی ھو جاتا ھے - ستم کی نئی نئی شکلیں ایجاد کرتا ھے اسی لیے اُسے ستم ایجاد کہا جاتا ھے - کبھی سخت سے سخت گالیاں دیتا ھے اور غیروں کے سامنے حقارت آمیز برتاؤ کرتا ھے - عاشق گالیاں کھانے کا عادی اور ظلم و ستم سہنے کا خوگر ھو جاتا ھے اور اُس میں اُسے مزہ آنے لگتا ھے تو ستم پیشہ معشوق اُسے اِس لذتِ غم سے بھی محروم کر دیتا ھے - ملنا جلنا ترک کر دیتا ھے - اغیار کے ساتھ علانیہ پھرتا رھتا ھے اور سچے عاشق سے اغماض و تغافل کا برتاؤ کرتا ھے - عاشق مجبوراً نامہ و پیام کا راستہ اختیار کرتا ھے لیکن اس میں بھی اُسے ناکامی نصیب ھوتی ھے - شروع میں تو وہ خاموش ھو رھتا ھے لیکن جب بے قرار عاشق کے نامہ ھاے شوق کا تار بندھ جاتا ھے تو اُن کو غم و غصہ میں چاک کر دیتا ھے اور قاصد کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آتا ھے، اُسے مارتا پیٹتا ھے اور آخر میں تنگ آکر اُس کی جان تک لے لیتا ھے - عاشق کی وحشت بڑھتی جاتی ھے، وہ تنہائی میں درد و الم کے مزے لینے لگتا ھے، جوشِ عشق اور زورِ شوق سے جنوں کا شکار ھو جاتا ھے، لڑکے پتھروں کی جھولیاں بھر بھر کے اُس کے پیچھے پڑ جاتے ھیں، یہ کبھی معشوق کی گلی میں دیوانہ وار جا نکلتا ھے اور کبھی جوشِ جنوں میں روبہ صحرا نکل جاتا ھے، آدمیوں سے وحشت کرنے لگتا ھے اور دشت و صحرا کی خاک چھانتا پھرتا ھے، رنج و الم میں گھلتا رھتا ھے، زار و نزار ھو جاتا ھے اور آخر کار موت سے ھمکنار - عاشق کو دوست

احباب سمجھاتے مناتے ہیں، ناصح پند و نصائح کا دفتر کھول دیتا ہے، لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوتا ہے۔ دیوانہ ایسا دیوانہ نہیں ہوتا کہ ناصح کی باتوں میں آجائے۔ وہ جوشِ عشق میں مذہب کے قید و بند توڑ دیتا ہے اور اسلام سے منحرف اور صنم پرستی سے آشنا ہوجاتا ہے ـــ

بہر حال اگر غزلوں کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس میں ایک پوری حزنیہ داستان ملے گی جس کے اشخاص (کیرکٹر) بقول مولانا حالی یہ ہیں:- "ایک بے وفا، بے مروت، بے مہر، بے رحم، ظالم، قاتل، صیاد، جلاد، ہرجائی، اپنے سے نفرت کرنے والا، اوروں سے ملنے والا، سچی محبت پر یقین نہ لانے والا، اہلِ ہوس کو عاشقِ صادق جاننے والا، بد گمان، بد خو، بد چلن غرض کہ ایک حسن و جمال یا ناز و ادا اور دیگر حرکاتِ مہر انگیز کے سوا اور تمام ایسی برائیوں کے ساتھ موصوف جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کر سکتا ہے"۔ دوسرا یعنی عاشق:- "غم زدہ مصیبت زدہ، فلک زدہ، ضعیف، بیمار، بد بخت، آوارہ، بدنام، مردودِ خلائق، بدنامی کا خواہاں، حسنِ قبول سے نفور، خوشی اور عافیت سے کنارہ کرنے والا، میخوار، بد مست، مدہوش، خود فراموش، وفادار، جفاکش۔ کہیں آزاد طبع اور کہیں گرفتاری کا آرزو مند، کہیں صابر اور کہیں بیقرار، کہیں دیوانہ اور کہیں ہوشیار، کہیں غیور اور کہیں چکنا گھڑا، رشک کا پتلا، رقیبوں کا دشمن، سارے جہان سے بد گمان، آسمان کا شاکی، زمین سے نالاں، زمانے کے ہاتھ سے تنگ، غرض کہ ایک عشق اور وفاداری کے سوا اُن تمام صفات سے متصف

جو عموماً انسان کے لیے قابلِ افسوس خیال کی جاتی ہیں" - عاشق کے مشاغل یہ ہیں :-

" آسمان اور زمانہ یا نصیب اور ستارے کی شکایت کرنا ' یا زاہد و واعظ و صوفی کو لتاڑنا اور بادہ کش و بادہ فروش اور ساقی و خمار کی تعریف کرنی اور اُن سے حسنِ عقیدت ظاہر کرنا' ایمان و اسلام و زہد و طاعت سے نفرت اور کفر و بے دینی ' گناہ و معصیت سے رغبت ظاہر کرنی ' کبھی کبھی مال و جاہ و منصب دنیوی کو حقیر ٹھہرانا اور فقر و عشق و آزادگی وغیرہ کو علم ' عقل و سلطنت وغیرہ پر ترجیح دینی " —

مولانا حالی نے ہمارے دفترِ غزل سے حسن و عشق کے مضامین کی روح ان چند لفظوں میں کھینچ کر رکھ دی ہے - یہ تمام مضامین ہر شاعر کے دیوان میں ملیں گے - سودا کی غزل میں حسن و عشق کا جو موضوع ہے اُس کا انحصار بس اِن ہی مضامین پر ہے - یہ تمام رسمی مضامین ہیں جن میں سودا نے کوئی خاص وسعت اور تلوع پیدا نہیں کیا اور نہ یہ ممکن تھا - یہ سب فارسی کا اثر تھا جس کے مقلدوں کے دل و دماغ کا محور بس یہی مضامین تھے - مضامین کے حسن و قبح اور اُن کے جواز و عدم جواز کے اصولی مبحث کو چھوڑ کر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سودا نے اُن مضامین کو کس طرح پیش کیا ہے اور اس میں اس کے شاعرانہ کمال کو کیا دخل ہے —

سودا کا غزل میں کوئی خاص رنگ نہیں - وہ اس میدان میں طرح طرح سے طبع آزمائی کرتا ہے - غزل کی جان صفائی، زبان اور

سادگی ٔ بیان ہے - سودا نے غزل میں اس کا بہت کم خیال رکھا ہے - اُس نے غزل میں فارسی کے مشہور استادوں نظیری ، صائب اور سلیم و کلیم کا رنگ اختیار کیا ہے جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے- یہ شعرا صاحب طرز ہوے ہیں- ان کی خصوصیات اردو میں آسانی اور سہولت سے نہیں نبھہ سکتی تھیں اور خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ اردو ابتدائی اور سیال حالت میں تھی اور اُس کی تشکیل ہو رہی تھی - اس کے سوا سودا نے غزلوں میں قصیدے کی زبان استعمال کی ہے جس میں عربی فارسی ترکیبوں کی بھتات ہے اور قصیدے کی طرح غزلوں میں بھی سنگلاخ زمینیں اختیار کی ہیں - یہی وجہ ہے کہ غزل کے مضامین کے اصل جوہر کو پیچیدہ اور کسی قدر مشکل طرز نے چھپا دیا اور عام مقبولیت سے محروم کر دیا - جو لوگ سودا کے اس انداز کو سہولت سے قبول نہیں کر سکتے تھے انہوں نے اُس کی غزل کو قصیدے کے مقابلے میں پست کہہ دیا ہے - سودا نے خود اس طرف اشارہ کیا ہے :—

کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب
اُن کی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاؤں گا

سودا کو تم سمجھتے تھے کہہ نہ سکے گا یہ غزل
آفریں ایسے وہم پر صدقے میں اس گمان کے

—— * ——

سودا کی غزل گوئی کے متعلق یہ غلط نہمی در اصل اُس کے طرزِ بیان کی وجہ سے ہوی - اُسی زمانے میں میر جیسا بلند پایہ غزل گو استاد موجود تھا جس کی صاف و سلیس زبان میں نغمہ سرائی نے خاص و عام کو گرویدہ بنا لیا تھا - وہ نہایت مترنم ہلکی بحریں بھی استعمال کرتا

تھا - ان بحروں میں اس کی جو غزلیں ہیں وہ خاص طور پر بہت دلچسپ ہیں اور خاص و عام کی زبان پر جاری- سودا اور میر کی غزل گوئی کا جو مقابلہ و موازنہ کیا جاتا ہے اس نے بھی سودا کی غزل کے حق میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کردی ہیں اور یہی وجہہ ہے کہ اُس کی غزل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے - لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزل میں میر و سودا کا موازنہ کرنا اصولاً صحیح نہیں ہو سکتا - میر کی الم پرست طبیعت کو سودا کے ہمہ گیر مزاج سے کوئی مناسبت نہیں - میر کا ایک خاص رنگ ہے - اُس کی دنیا ہی الگ ہے - موازنہ کی خاطر اُسے اردو کے کسی شاعر کے مقابلے میں لاکھڑا کرنا اُس کی توہین ہے - ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شاعر سے ہم بحث کر رہے ہیں اُس نے اپنے مضمون کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ اور اُس میں اُس کی شاعرانہ ہنر مندی کس طرح ظاہر ہوتی ہے ؟ —

غزل کے عام موضوعات و مضامین کا خلاصہ ہم اوپر درج کر چکے ہیں یہاں ہم اُس حصے کو لیتے ہیں جس سے اُس کے واردات قلبی اور مشاہدات ذاتی کا پتا چلتا ہے - غزل کی بنیاد عشق و عاشقی پر ہے - جب تک شاعر کے دل پر عشق کی چوٹ نہ لگے اس کے کلام سے سچے عاشقانہ جذبات کا پیدا ہونا ناممکن ہے - وہ حسن کے انداز اور اداؤں اور عشق کی گھاتوں سے واقف نہیں ہو سکتا - اس کے کلام میں نازک جذبات کا فقدان نظر آتا ہے - عاشق کی مسکینی، الم کشی، عزلت گزینی وغیرہ کی جھلک جس غزل میں نہ ہو وہ سوز و گداز اور اثر و تاثیر سے خالی ہوگی- سودا کی غزل میں ان عاشقانہ خصوصیات کی کمی ہے - اس کی وجہ

محض اس کا رنگِ طبیعت ہے - اُس کی حیات سے کہیں یہ پتا نہیں چلتا
کہ عشق کا زخم خوردہ تھا - لیکن آخر انسان تھا اور پہلو میں دل
رکھتا تھا ' ناممکن ہے کہ حسن سے متاثر اور عشق کی لذت سے آشنا نہ ہو
کون ہے جس نے اس کوچے کی خاک نہیں چھانی - سودا کے کلام میں
بیسیوں اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں سادگی اور تاثیر نظر آتی ہے اور
معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے محسوس و متاثر ہو کر کہا ہے -

عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف ... دل کو شعلہ سا کچھ لپکتا ہے
فلچہ سمجھے تو سمجھے ممکن ہے ... دل جو بکھرے تو کب سمٹتا ہے

جب نظر اُس کی آن پڑتی ہے ... زندگی تب دھیان پڑتی ہے

قاصدِ اشک آکے خبر کر گیا ... قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

لختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

تصویر مری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی
انداز سمجھ اُس کا بہزاد بہت رویا

نگری آباد ہے بسے ہیں گاؤں
تجھ بن اُجڑی پڑی ہے اپنی ٹھاؤں

ہر آن یاس بڑھتی ہر دم امید گھٹتی
دن حشر کا ہے اب تو فرقت کی رات کٹتی

اے دیدۂ تر جدھر گئے ہم ڈبرے جو تھے خشک بھر گئے ہم
تجھ عشق میں روز خوش نہ دیکھا دکھ بھرتے ہی بھرتے مر گئے ہم

نہیں معلوم کیا اِس سینے میں جوں شمع جلتا ہے
دھواں نوکِ زباں سے بات کرنے میں نکلتا ہے

خبر لے جلد سودا کی وگرنہ میں یہ دیکھوں ہوں
سرہانے اُس کے بیٹھا ہاتھ سے تو ہاتھ ملتا ہے

پھر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

تونے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اِسے کیا کہتے ہیں

غزل میں زیادہ تر واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے - یہ شاعر کی داخلی زندگی کا آئینہ ہے - اِس میں شبہ نہیں کہ غزل گوئی کی رسمی بندشوں نے اُس کی اصلیت کو بڑی حد تک زائل کر دیا ہے لیکن شاعر کی زندگی کا داخلی پہلو کہیں نہ کہیں جلوہ گر ہو ہی جاتا ہے - جن شعرا نے اصلیت کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے اور اِس کے سوا کسی اور غرض سے غزل کے میدان میں طبع آزمائی نہیں کی' اُن کی غزلوں کا مجموعہ اُن کی آپ بیتی ہے - اِس سے شاعر کی زندگی کا نہایت صحیح مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے - لیکن جن شعرا نے غزل کے عام رسمی آئین اور اپنے زمانے کے مذاق سے دب کر غزل گوئی کی ہے' ان کی شاعری میں اصلیت کا جوہر پورے طور پر سلامت نہ رہ سکا - تاہم اُن کی داخلی زندگی کی آواز صاف اور بلند نہیں تو دھیمی ہی سنائی دیتی ہے —

جب ہم سودا کی غزلوں میں اُس کی حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اُس کے اندرونی رخ کا نقشہ دکھائی دیتا ہے - گو اُس نے غزل کے مضامین میں بیرونی اور خارجی عناصر بھی داخل کر دیے ہیں لیکن اس سے اُس کی حیات کی ترجمانی کا دروازہ بند نہیں ہوا - ہمیں اُس کے دل و دماغ کی آواز متلون مضامین و موضوعات کے ہجوم میں بھی صاف سنائی دیتی ہے ۔

سودا کی زندگی ایسے دور میں گزری ہے جس میں سیاسی اور معاشی انتشار و اضطراب کار فرما تھے - قتل و غارت اور حکومت کے زوال و انحطاط نے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کے ہولناک نقوش دلوں پر ثبت کر دیے تھے - سودا نے جونہی کہ آنکھ کھولی اُسے یہ خونیں

اور بھیانک مناظر دکھائی دینے لگے - اُس کی نظر میں دنیا ایک تصویر تھی جو امن و اطمینان اور راحت و مسرت کے رنگ سے خالی تھی۔ اس نے ایسے امیروں میں بسر کی جن کے سیاسی اقتدار کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوا - اُن کے عزل و نصب اور عروج و زوال کے رنگ اِس تیزی سے بدلتے گئے کہ اُس کی زندگی کو ہر انقلابی جھونکے سے نئی کروٹ بدلنی پڑی :—

تم کو معلوم ہے یارو چمنِ قدرت میں
عمر گزری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے

زمانہ کے ان تلونات نے سودا کے دل میں دنیا کی بے اعتباری کا نہایت مستحکم یقین پیدا کر دیا تھا - وہ بار بار شاعرانہ انداز میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہے :—

دنیا تمام گردشِ افلاک سے بنی
مٹی ہزار رنگ کی اِس چاک سے بنی

اے گل صبا کی طرح پھرے اِس چمن میں ہم
پائی نہ بوئے وفا کی تیرے پیرہن میں ہم

نہ دیکھا اِس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
گل ایدھر لے گئے گلچیں ، گئی روتی اُدھر شبنم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستئی موہوم پر شبنم

اے غنچۂ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیت دلی پہ تری پھول ہنس چلے

بے ثباتیٔ عالم کے اس یقین نے دل پر یاس و نا امیدی اور حزن و قنوط کا رنگ جما دیا تھا۔ عمر کا رہوار باد پا اور زندگی کی عمارت پا در ہوا نظر آتی تھی۔ جب کبھی شاعر ان تباہ کن انقلابات اور اُن کے دردناک اثرات پر نگاہ دوڑاتا ہے تو قنوطیت کا رنگ زیادہ گہرا ہو جاتا ہے: —

اِس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

—:o:—

اِس یاس و قنوط کی لے اس قدر بڑھی کہ دنیا میں مسرت کی روشنی کافور نظر آنے لگی اور رنج و غم کی ظلمت ہی ظلمت چھا گئی۔ خوشی و انبساط کا کوئی جھونکا ایسا نہیں چلا کہ جس سے غنچۂ دل کھلتا۔

میں وہ درختِ خشک ہوں اِس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

نے بلبلِ چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

گریاں بہ شکلِ شیشہ و خنداں بطرزِ جام
اِس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

یاس و قنوطیت نے دل پر ایسا گہرا اثر کیا تھا کہ دنیا کی دلکشیاں اور دلفریبیاں بھی بے اثر و بے مزہ تھیں :—

خندۂ گل بے نمک فریادِ بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد ہم

حیات کی اس قلیل فرصت میں کہیں امید کی زرا سی کرن پھوٹتی ہے تو شاعر اس فرصت کو کھونا نہیں چاہتا اور نہایت بے تابی سے اُسے کام میں لانے کی کوشش کرتا ہے کہ شاید گردشِ ایام یہ موقع بھی چھین لے :—

ساقی ہے اک تبسمِ گل فرصتِ بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

آ بہلچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ
فصلِ گل کے کچھ گئے دن کچھ چلے جاتے ہیں یہ

انقلاب اور گردش نے رچی رچائی محفل کو درہم برہم کردیا تھا ، بساط الٹ گئی تھی اور ایک عالم انتشار اور پریشانی کا شکار تھا - یہ ایسا دہشت ناک منظر اور ہولناک نقشہ تھا کہ آنکھ دیکھنے کی تاب نہ لا سکتی تھی :—

لٹی سے اُٹھ گیا ساقی میرا بھی پر ہو پیمانہ
الٰہی اس طرح دیکھوں میں کن آنکھوں سے میخانہ

اس میں شبہ نہیں کہ قنوطیت سودا کی طبیعت کا خاص رنگ نہیں لیکن چونکہ اُس کی زندگی ایسے دور میں گزری ہے جس میں ہر چیز پر یاس و ہراس چھائے ہوئے تھے اس لیے اس کا اثر اُس کی طبیعت

پرضرور ہوا - اس نے ایسے انقلابات اور حوادث میں بسر کی ہے کہ اُس کا راست اثر اُس پر پڑا - یہی وجہ ہے کہ غزل کے مقطوع و مطلوب مضامین میں بھی رنگِ قلوطیت کی جھلک ماند نہیں پڑی —

واردات قلبی اور مشاہدات ذاتی سودا کے کلام میں ہیں لیکن ان کی بہتات نہیں - اُس کے افکار کا محور بالکل دوسرا ہے جس کے معلوم کرنے کے لیے ہمیں اُن اساتذہ کے کلام پر نظر رکھنی چاہیے جن کی تقلید اُس نے کی ہے - اس کے بعد اُس کی غزل کی ظاہری ساخت و شکل اور اُس کے لفظی ' نحوی ' عروضی اور بیانی خصوصیات کا صحیح اندازہ ہو جائے گا اور صحیح طور پر یہ معلوم ہوگا کہ اُس کے افکار اور معانی و مضامین کا دائرہ کتنی وسعت رکھتا ہے :—

سودا نے غزل میں سب سے پہلے نظیری نیشاپوری کا اتباع کیا ہے ' جیسا کہ اُس نے صاف طور سے لکھا ہے :—

پوچھنا اشعار کا سودا کے کیا ہے شاعرو
گفتگو میں اُس کی پاتا ہوں نظیری کا دماغ

ایک اور مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے —

یہ غزل سودا کہی ہے تو نے اس انداز کی
ہلد سے پہلچے گی ہاتھوں ہاتھ نیشاپور تک

نظیری کے سوا اُس نے سلیم اور کلیم کے رنگ کو بھی اختیار کیا جو فارسی کے مشہور تمثیل نگار شاعر ہیں - اس رنگ کو سب سے پہلے قدرت اللہ شوق نے سودا کی زندگی ہی میں معلوم کر کے لکھا تھا :- " در

غزل گوئی سلیم و کلیم را پیس پشت می گزارد " - شوق کے بیان کی تائید میں سودا کا وہ کلام موجود ہے جو اس رنگ میں ہے اور جس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے - اس کے سوا خود سودا نے ان شاعروں کی غزلوں کو تضمین بھی کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مطالعے میں ان شاعروں کا کلام رہ چکا ہے - ان تمثیل نگار شاعروں کے علاوہ سودا نے صائب کی مثالیہ شاعری کی بھی تقلید کی ہے - یہ صرف غزل سے مخصوص نہیں بلکہ ہر صنفِ نظم میں یہ رنگ نظر آتا ہے - مصحفی نے لکھا ہے " اگر در مثال بلندی، اشعارِ غزل صائب و تتبع گویم بجا است " —

مضمون آفرینی اور خیال بلندی میں سودا نے هند وستان کے مشہور خیال بند شاعر بیدل کو پیش نظر رکھا ہے - سودا نے اُس کے ایک مصرع اور ایک شعر کو اپنی دو مختلف غزلوں میں کھپایا ہے —

سودا سے کہا میں کہ ترے شہرے کو سن کر
دیکھا جو تجھے آ کے تو اے بے سر و پا ہیچ

بولا کہ تجھے یاد ہے وہ مصرع بیدل   عالم همه افسانۂ مادارد و ما هیچ

سودا بقولِ حضرت بیدل بکوئے دوست
خطِ جبینِ ما ست هم آغوش نقش پا

ان اساتذۂ فارسی کے علاوہ سودا کے کلام میں چند اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فارسی شعرا کا کلام بھی اس کے پیشِ نظر رہا ہے لیکن ان کا کوئی خاص اثر اس کے رنگِ تغزل پر نہیں پڑا —

اس کی غزلوں سے ہر استاد کے رنگ کو الگ کر کے دکھانا مشکل

ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان تمام اساتذہ کے الوان و اسالیب کو کچھ اس طرح ملا دیا ہے کہ ایک ہی شعر میں دو تین استادوں کا انداز پایا جاتا ہے - ایسی حالت میں اس قسم کے اشعار کو کسی خاص استاد کے طرز و انداز سے منسوب نہیں کیا جا سکتا - اس قسم کی آمیزش و ترکیب سودا کے پورے ذخیرۂ غزل میں موجود ہے- جو اِن فارسی اساتذہ کے کلام کے طرز و انداز سے واقف ہیں وہ ضرور محسوس کریں گے کہ اس نے کس طرح مختلف طرزوں کو غزل میں سمو دیا ہے - ذیل میں ہم سودا کی غزل کی چند اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن سے فارسی رنگ کا اندازہ ہو جائے گا —

غزل کے اکثر مضامین کو سودا نے تمثیل کے پردے میں ادا کیا ہے اور جگہ جگہ صنعت مذہب الکلامی کا کمال دکھایا ہے - صائب نے دراصل یہ صنعت زیادہ تر اخلاقی و حکیمانہ مضامین کے لیے استعمال کی ہے لیکن سودا اسے عشقیہ مضامین کے لیے بھی کام میں لایا ہے :—

دل بے عشق کی دشمن ہے تحریکِ نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا مینائے خالی سے

امن دو دل کو ہویک جا بہ بساطِ دوراں
چوٹ کھاتی نہیں وہ نرد جو ہو نرد کے ساتھ

آپ سے کام نہیں نشو و نما کو اپنے   شجرِ خشک کو آتش سے ہے کارِ آخرکار

خط نقص صفائے رخِ دلدار نہ ہووے   گرد آئینہ کو باعث زنگار نہ ہووے

ان عاشقانہ مضامین کے ساتھ غزل میں اخلاقی مضامین اور حکیمانہ خیالات بھی ظاہر کیے ہیں - غزل میں بے شبہ یہ مضامین بہت پہلے داخل ہو چکے تھے لیکن فارسی کے مشہور اساتذہ کے رنگ میں ان کو ایک نیم رس ونو عمر زبان میں ادا کرنا دشوار تھا - سودا نے بڑی استادی سے ان کو ادا کیا ہے لیکن تاثیر ، سادگی اور برجستگی پیدا نہ ہو سکی - اس قسم کے بے شمار اشعار ملتے ہیں - نمونے کے لیے ہم چند شعر نقل کرتے ہیں : —

تیغ چوبی سے کہاں قبضۂ فولاد ہو نصب
نہ رہے صاحب جوہر کبھو نامرد کے ساتھ

کہے ہے سرنگوں اس باغ میں کثرت تعلق کی
ثمر کا بیشتر ہونا جھکا دیتا ہے ڈالی کو

چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم
خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

ناچیز کو نہ صحبت نیکاں اثر کرے
رشتے کو کب تو آب گہر کیوں کہ تر کرے

روشن دلوں کا حد سے نہ بڑھ کر قدم پڑے
باہر رکھے نہ سایہ سے اپنے چراغ پا

استقامت ہے عجب شے نہیں جس میں لغزش
نخل کا پاؤں زمیں پر نہ پھسلتے دیکھا

پانی بھی نہ مانگ اس سے جو ھووے تلک مایہ
کاسہ کے تئیں گل کے شبنم نہ کبھو بھر دے

اوپر کی مثالوں سے صائب اور ایک حد تک سلیم و کلیم کی خصوصیات کی تقلید کا اندازہ ھوتا ھے - صائب کی مثالیہ شاعری کا دارومدار ایک صنعت یعنی مذھب الکلامی پر ھے - اوپر جو اشعار درج ھوے ھیں ان میں اس صنعت کو عمدگی سے نبھایا گیا ھے - ھر شعر کے پہلے مصرعے میں دعوی پیش کیا ھے اور دوسرے میں ایک دلیل سے اسے ثابت کیا ھے - تمثیل نگاری میں سلیم و کلیم بھی استاد ھیں لیکن صائب کا رنگ ان سے الگ ھے - سلیم و کلیم صرف تمثیل اور کبھی کبھی تشبیہ سے کام لیتے ھیں- سودا کے اشعار میں بھی تشبیہ و تمثیل کی مثالیں بکثرت موجود ھیں- ھم نے جو اشعار اب تک نقل کیے ھیں ان میں یہ خصوصیت موجود ھے —

ان اساتذہ کی تقلید نے سودا کی غزل کی ساخت و شکل کے بنانے میں بڑا کام کیا ھے - اس انداز نے غزل کے ڈھانچے کو بالکل قصیدے کا سا کردیا ھے اور تغزل کی سادگی کے جوھر کو چھین لیا ھے - اس پر ستم یہ ھوا کہ سودا نے نظیری کی بھی تقلید کی - اس کی خصوصیات کو اخذ کر کے مثالیہ شاعری کے رنگ میں پیش کیا ھے :-

لگا زنہار مت سودا اِن آنکھوں سے دل اپنے کو
کہ ھر بد مست سے رکھنا بھلا ھے دور شیشے کا

بخشے ہے یوں دل کو مہرے تقویت د شنام یار
جوں دوائے تلخ سے پاوے کوئی بیمار فیض

پھر جاتی ھیں اس طرح سے اک پل میں وہ انکھیاں
جوں بزم میں ھو جامِ مئے ناب کی گردش

حالات و کیفیات اور معشوقانہ اداؤں کو سودا نے مادی اشیا سے تشبیہہ دی ھے ۔ یہ سب نظیری کا اثر ھے - اس کے سوا اس کی تقلید میں مضامین کو جدت آمیز انداز میں بھی بیان کیا ھے - نظیری کا سب سے زیادہ اثر سودا پر غزلوں کو قطع بلد لکھنے میں ہوا ھے - اس نے بہت سی غزلیں مسلسل مضامین پر کہی ھیں :-

تجھ بن عجب معاش ھے سودا کا ان دنوں
تو بھی تک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اُس گلی کو جہاں تھا ترا گزار
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکینِ دل نہ اس میں بھی پائی تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ھجر کو
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

سودا سے کہا میں نے کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے
لب عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ

اب دیکھ تو حال اپنا ٹک رحم کی نظروں سے
ناحق کی بلا میں تو ہے کس قدر آلودہ

آنکھیں تری رکھتی ہیں داماں و گریباں کو
خونناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ

جس سمت نگہ کیجے ادھر نظر آتا ہے
لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ

جب میں تجھے سمجھا کر رو رو انہیں دھوتا ہوں
کہتا ہے نہ ہووے گا بار دگر آلودہ

لیکن یہ نصیحت ہے بے فائدہ کیا حاصل
یہ ہی کہ اِدھر دھویا وہیں اُدھر آلودہ

اس بات میں اے ناداں بتلا تو مزا کیا ہے
پاؤں سے جو تو خوں میں ہے تا بسر آلودہ

جس وقت غرض ان نے یہ بات سنی مجھ سے
اتنا ہی کہا پھر کر آہِ اثر آلود

لذت کو ہلاہل کی کیا ان کو بتاؤں میں
ہے کام و دہن جن کا شہد و شکر آلودہ

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن   بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز   اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اس قسم کی کئی پر درد قطعہ بند غزلیں موجود ہیں - یہ سب
نظیری کا اثر ہے —

سودا پر نظیری کا ایک اور اثر پڑا اور وہ محاورات کے استعمال کا ہے - سودا نے کثرت سے محاورات اپنی غزل میں باندھے ہیں - میں مثالاً دو ایک غزل کے محاورے نقل کرتا ہوں - بات پوانا، پیٹ میں بات نہ سمانا، بات چھپانا، بات بڑھانا، بات لگانا، بات آنا، بات اٹھانا، بات بنانا، بات بہلانا وغیرہ وغیرہ - ایک غزل میں نظر پڑنا، دھیان پڑنا، سر پڑنا، زبان پڑنا، راہ پڑنا، کان پڑنا، جان پڑنا، وغیرہ محاورات باندھے ہیں - اس طرح صدہا محاورات غزل کے ذخیرے میں ملیں گے-

نظیری کے اثر کے ثبوت میں ایک اور واقعہ پیش کیا جاتا ہے - سودا کا ایک شعر ہے —

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سودا نے نظیری کے ذیل کے شعر کو پیش نظر رکھ کر کہا ہے : —

بوے یارِ من ازیں سست وفا می آید گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

اِن تمام شواہد کی موجودگی میں ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ سودا نے نظیری کا ضرور اتباع کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے اشعار میں دو جگہ اس کی طرف صریح اشارے کیے ہیں —

خیال بندی اور مضمون آفرینی سودا کے بعد کے دور کی خصوصیت ہے لیکن اُس نے اپنی غزل میں اِسے داخل کر دیا تھا - یہ سب مرزا بیدل کا اثر تھا - اُن کی شاعری کے چرچے اُس زمانے میں تازہ تھے - اُن کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا - اُن کے عرس کے موقع پر اساتذۂ وقت مشاعرے میں شریک ہوتے تھے اور اچھے اچھے سخنور اُن کی تقلید کا دم بھرتے

تھے - سودا نے اسی ماحول میں اپنا شباب گزارا ہے - اُس پر محسوس یا غیر محسوس طور پر یہ اثر ضرور پڑا - اُس دور کے کسی ریختہ گو شاعر کے کلام میں مضمون آفرینی اور خیال بندی کی خصوصیت نظر نہیں آتی - لیکن سودا کے کلام میں یہ رنگ جابجا جھلکتا ہے : —

سخنِ عشق نہ گوشِ دلِ بے تاب میں ڈال
مت یہ آتشکدہ اِس قطرۂ سیماب میں ڈال

———:o:———

یہ کیفیت ہے ساقی جلوہائے برق چشمک زن
خروشِ ابر سے دم ساز کیا آوازِ قلقل ہے

———:o:———

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

———:o:———

پڑے رہ برقِ خارِ آشیاں سے میرے کھٹا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہوکر ترا دامن جویاں اٹکا

———:o:———

درد میرے استخواں کا کیا ترا دمساز ہے
اس قدر اے نے تری محزون کیوں آواز ہے

———:o:———

بے شمار شعر ایسے ہیں جن کی ذہنت بلندی قوت متخیلہ سے ایسی کی ہے کہ اُن میں جیتی جاگتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں- یہ زیادہ تر خیالی ہیں ، جذبات و احساسات سے اُن کو کوئی راست تعلق نہیں-

چمن میں آتے سن کر تجکو بادِ سحر یہ گھبرائی
ساغرجب تک لاویں ھی لاویں توڑ سبو کو جام کیا

ابر اُس کو بجھاتا ہے وہ بجھتی نہیں سودا
دی لالۂ خودرو نے یہ کہسار کو آتش

حسن فیاض ہے گل کا کہ سحر پاتجلۂ مہر   جس کے دامن سے چلے ہے گہر شبنم کو

تو کیوں جلتی رہی بلبل چمن میں دیکھ کر شبنم
کہ وہ دامانِ پاکِ گل جسے کرتی ہے تر شبنم

اِن فارسی اساتذہ کے خصائص کے قطع نظر سودا نے بعض صنائع اپنے کلام کی آرائش کے واسطے استعمال کیے ھیں - اِن میں تشبیہ و استعارے کے سوا جس کی بہتات ہے، صنعت حسن تعلیل بھی نظر آتی ہے ۔ ایک واقعہ بیان کیا ہے اور اُس کی وجہ ایسی بتائی ہے کہ جو قدرتی اور لازمی تو نہیں ہے لیکن شاعر نے اپنے تخیل کے زور سے اس طرح پیش کیا ہے کہ سننے والا مزے لینے لگتا ہے اور واقعے کی علت کو تسلیم کر لیتا ہے - اس قسم کے صدہا اشعار ملتے ہیں - یہ سودا کی غزلوں کا ایک خاص وصف ہے - ہر غزل میں اس قسم کے اشعار موجود ھیں : —

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ   دل خاک ہوگیا ہے کسی بے قرار کا

نہ غنچے گل کے کھلتے ھیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انگھڑیاں ملیاں

هنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منہ پہ ملتا ہے
خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اِس خاک میں گڑیاں

شبنم کرے ہے دامنِ گل شست و شو ہنوز بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز

لالہ و گل سے نہ بوجھو یہ زمیں ہے سرخ رنگ
خونِ ناحق نے ہمارے خاک سے مارا ہے جوش

تھیں اس گل کے عارض پر ہے یہ زلف سیہ سودا
جلے دل کے دھوئیں کا ہے یہ پیچ و تاب آتش پر

کہیں کہیں صنعت ایہام کی بھی جھلک نظر آجاتی ہے لیکن یہ بہت شاذ ہے - سودا اس کو اپنا انداز نہیں سمجھتا تھا - وہ اِس کا مخالف تھا نہایت آزادی سے ایہام گوئی کا مضحکہ اڑاتا تھا - تاہم چند شعر نادانستہ طور پر یا تفریحاً ایسے نکل گئے ہیں کہ جن میں اس صنعت کا التزام معلوم ہوتا ہے :-

پوچھ مجھے اس دیر کہن میں کیا پوجے ہے پتھر کو
مجھ وحشی کو سنا برہمن بتوں نے اپنا رام کیا

دہقاں پسر وہ ہم سے یوں ملم کب کرے ہے
بوتوں کے کھیت اوپر جب تک نہ جنگ ہولے

اساتذۂ فارسی کے مخصوص رنگ کی تقلید اور تمثیل و تشبیہ اور حسنِ تعلیل وغیرہ کے التزام کا بوجھ اس زمانے میں اردو زبان نہیں

سنبھال سکتی تھی - یہی وجہ ہے کہ ہندی محاورات کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے کام لینا پڑا جو محض قصیدے کے لیے مخصوص تھے - قصیدے کی زبان میں غزل کا سر انجام کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر بے جوڑ سا ہے - یہی وجہ ہے کہ سودا کے کلام میں غزل کی شان نظر نہیں آتی اور یہ خاص اسباب ہیں جن کی بنا پر اُس کی غزل کا ڈھانچا بالکل قصیدے کا سا ہو گیا تھا جس میں مضامین و جذبات سب رو پوش ہو گئے - اور صرف الفاظ و تراکیب کی بلند آہنگی اور اسلوب بیان کی شوکت نمایاں ہو گئی - لیکن کہیں طرز بیان کے تسلسل اور پختگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور لفظی و معنوی اور عروضی خوبیوں سے استادانہ انداز میں اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے —

سودا نے اپنے عہد کے خلاف ایک اور روش کو کسی قدر اختیار کیا ہے جس کو معاملہ بندی کہتے ہیں - اِس عہد میں صرف میر سوز ہی ایسے شاعر ہیں جن کے کلام میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن سودا نے بھی اس مضمون پر توجہ کی ہے - یہ رنگ جرات و انشا کے زمانے میں مروج و مقبول ہوا - سودا کے زمانے میں اس کا رواج نہ تھا ، لیکن نہ معلوم کیوں اُس نے اس طرز کو چھوڑا - اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ اُس کی طبیعت کی ہمہ گیری ہے - اس قسم کے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں : —

ناز اُس کے لے عصیاں سے ہمیں باز رکھا ہے
تا ہو وہ رضامند کہ شب ہو گئی آخر

رات جب قصہ ہو میرے پاس سے اُٹھ کر چلا
میں نہ چھوڑا گو کہ دامن وہ جھٹکتا ہی رہا

جو کہا میں ہوں عاشقوں میں ترے
بولا وہ مسکرا کے یہ نہ کہو

ایک پوری غزل میں مسلسل اسی مضمون کو باندھا ہے : —

وارد میں ہوا اُس کے کل گھر میں تو یہ دیکھا
تیوری سی چڑھا صورت کچھ اور بنالی ہے

ہر بات پہ ہے میری اوروں سے اُسے چشمک
مجھ پر وہ کنایہ ہے ذکر یہ جو گالی ہے

پھر اُس کے اشارے سے جب کرنے لگیں نوکیں
اتنا میں یہ کہہ کر تب یاں مرغ کی پالی ہے

ایک اُن میں سے یوں بولا کیوں جاتے ہو تم بیٹھو
جاؤگے تو یہ مجلس پھر لطف سے خالی ہے

اُس شوخ نے یہ سن کر بولا کہ خدا سے ڈر
سر پر سے بلا اپنے جوں توں کی میں ٹالی ہے

سودا نے چند اشعار ایسے بھی لکھے ہیں کہ جن کے زبان و بیان میں اس قدر لوچ ہے کہ اُن کو مجاز سے حقیقت اور تغزل سے اخلاق و تصوف تک وسعت دی جا سکتی ہے - مولانا حالی نے اپنے مقدمۂ شعر و شاعری میں سودا کے چند شعر نقل کیے ہیں جن میں یہ بتایا ہے کہ " اخلاق و تصوف کے مضامین عشقِ مجازی اور تغزل کے پیرایے میں ادا کیے گئے ہیں اور اجنبی خیالات کے ظاہر کرنے میں ایک محدود اور معمولی زبان سے کام لیا گیا ہے " —

دانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہولیں گل سے تک آزاد ہم

" شمع کو چاہیے کہ سالک کو تعلیمِ فنا سے پہلے دنیا کے تعلقات سے متنفر کرے " —

حلقۂ گل بے نمک فریادِ بلبل بے اثر
اِس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کریں گے یاد ہم

" دنیا میں فی الحقیقت کوئی چیز دلبستگی کے قابل نہیں " :—

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

" دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں " —

نہ دیکھا اِس سرا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
گل ادھر لے گئے گلچیں گئی روتی ادھر شبنم

" دنیا میں عروج کے ساتھ ہی تنزل لگا ہوا ہے " —

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستئ موہوم پر شبنم

" جو دنیا کو بے ثبات جانتے ہیں وہ بھی اپنی بے ثباتی سے غافل ہیں "—

اِس کش مکش سے دام کی کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

" جس قدر دنیا کی محبت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر مشکلات زیادہ ہوتی جاتی ہیں " —

غزل میں ان مضامین و خیالات اور خاص زبان و بیان اور مختلف صنائع و بدائع کے التزامات سے سودا کی غزل عام مقبولیت حاصل کرلے

سے محروم رہ گئی - وہ معمولی سے معمولی واقعے کو بھی ضرورت سے زیادہ شاعرانہ انداز میں بیان کر جاتا ہے - میں مثال کے طور پر شرر کی " آپ بیتی " سے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں —

شرر کے بزرگوں میں مولانا نظام الدین کوئی صاحب تھے جن کی نسبت انہوں نے لکھا ہے "معمول تھا کہ لوگوں سے بہت کم ملتے - بجز اس کے کہ کبھی کبھی مرزا رفیع سودا کے پاس چلے جاتے جن سے زیادہ راہ و رسم ہو گیا تھا - ایک دن مرزا صاحب کے پاس گئے - وہ ایک خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے - فرمائش کی کہ اس وقت کوئی شعر تصنیف کر کے سنا دیجیے - مرزا نے اِدھر اُدھر دیکھا خیمے کی چھت میں ایک بہت چھوٹا سوراخ تھا - اُس میں سے شعاعِ آفتاب آ کے فرش پر پڑتی تھی اور دھوپ کی چتی فرش پر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ جیسے موتی پڑا ہوا ہے - سودا نے اسی کی طرف اشارہ کر کے در جستہ یہ شعر پڑھا :—

عرصۂ دنیا میں اپنا تنگ کیا کاشانہ ہے

پرتو خورشید یاں موتی کا جیسے دانہ ہے "

طرز بیان کی اِس پیچیدگی اور زبان کی بلند آہنگی نے سودا کے مضامین و خیالات کو تاثیر سے محروم کر دیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں سوائے خیال آفرینی کے کچھ نہیں - لیکن غزلوں کے اشعار کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں شاعر کی جذبات نگاری ' جدت خیال اور ندرت بیان کا کمال نظر آتا ہے - اس قسم کے اشعار اُسی زمانے میں مقبول ہو چکے تھے اور لوگوں کی زبانوں پر جاری تھے اور اب تک جاری ہیں - اُن میں سے بعض کو ضرب الامثال کا درجہ حاصل ہے - چند شعر نقل

کرتا ہوں - زبان و بیان کی صفائی و سلاست اور خیال و مضمون کی جدت ملاحظہ ہو:—

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

فکر معاش عشقِ بتاں یاد رفتگاں
اُس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے

سمجھ کے رکھیو قدم خارِ دشت پر مجنوں
کہ اِس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اِس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں
ہمراہ تیرے پہنچے مل کر غبار میں

گردش سے اس نگاہ کی لے معتسب خبر
دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا کاروانِ درد کی مسدود ہیں راہیں

نہ پہنچا منزل مقصود کو مجنوں بھی اے سودا
سمجھ کر جائیو لٹتی ہیں ملک عشق کی راہیں

آہ و فغاں کی آج جو آتی نہیں صدا
شاید نرا جہان سے بیمار اُٹھ گیا

بہار بے سبو جام یار گزرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گزرے ہے

نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اے کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

اکثر اشعار میں عاشق کی واردات کو نہایت نزاکت سے بیان کیا ہے :-

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اُس مجلس میں کرنے کی
اُٹھا دینے کے ڈر سے سانس واں لیتے ہیں ڈر ڈر کر

ایک اور شعر تقریباً اسی مضمون کا ہے :-

ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچے میں آجاتا ہوں
صیدِ خائف کی طرح رو بہ تفا جاتا ہوں

ناکام و نامراد عاشق پر نخوت پرست معشوق کے غیر وفادارانہ سلوک سے جو گزرتی ھے اسے سودا نے ایک دل جلے عاشق کی طرح بے قابو ھو کر غم و غصہ میں بیان نہیں کیا اور نہ جلی کٹی سنا کر دل کے پھپھولے پھوڑے ھیں بلکہ اشارے اور کنایے میں معشوق کے غرورِ حسن کی اصل قدر و قیمت جتائی ھے : -

دکھلا نہیں زلیخا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواھاں کوئی وھاں جنس گراں کا

اِس شعر کو غالب نے نیز نشتر کہا ھے - ایک دوسرے شعر میں حسن پر عشق کی عظمت جتائی ھے :

کمالِ بندگیٔ عشق ھے خداوندی
کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام لیا

———:o:———

عاشق و معشوق کے درمیان نامہ بر بھی عجیب و غریب شے ھے - اس مضمون پر شاعروں نے طرح طرح سے طبع آزمائیاں کی ھیں - معشوق کی تند خوئی کو ایک جگہ سودا نے اس طرح بیان کیا ھے —

نامہ لکھا تھا یار کو میں نے سمجھ کے ھے
عالم میں رسمِ نامہ و پیغام ھر کہیں

لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ھو اس میں حرفِ تمنا سے گر کہیں

واں لا کے مجھ کو مارے گردن کہ جس جگہ
پانی کے قطرے کا بھی نہ ھووے اثر کہیں

ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو
آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں

اُڑتا پھرے ہے نامہ گلی میں کسی طرف
دھڑ سے جدا پڑا ہے سو نامہ بر کہیں

وقتے کے دلبرانِ جہاں کا ہو یہ سلوک
پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

تقریباً اس مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے : —

بھیجا تھا دیار اُس کے میں میں نامۂ شوق اپنا
کیا شرح کروں اُس کی بہتر ہے وہ نشنیدہ

جوں سگ لیے پھرتا ہے هڈی کسی بستی میں
قاصد گلے یوں میرا ہے نامۂ پیچیدہ

سودا نے بادہ و مینا کی تعریف میں کئی شعر کہے ہیں اور اس
مضمون میں بڑا تلوع پیدا کیا ہے : —

نہ دیکھا جو کچھہ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں هم دیکھتے ہیں

جوں تاک میکدے میں پڑے ایلڈتے ہیں مست
زاهد بھلا یہ کہیں ہے باغِ بہشت میں

کب سے اے سودا شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار
تو نے اے کمظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

بہ کیفیت ہیں ساقی جلوہ ہائے برق چشمک زن
خروشِ ابر سے دمساز کیا آوازِ قلقل ہے

غزل میں رندی و مستی کے مضامین کے ساتھہ شوخی و ظرافت کے مضامین بھی ہیں - کہیں تو بڑی پاکیزہ ظرافت کی چاشنی ہے اور کہیں اِس مضمون کو شیخ و واعظ و زاہد و عابد کی تضحیک و تحقیر کے پردے میں ادا کیا ہے :—

شیخ صاحب کے عقد میں دنیا آئی تھی کب جو دی انہوں نے طلاق

شیخ مجکو نہ ڈرا اپنی بڑی پگڑی سے
ایسے تو دیکھے ہیں میں گنبد دستار کئی

:o:

محرابِ حرم سے ہمیں کیا کام ہے زاہد
عاشق کے ہے سجدے کی رگڑ تیغ کے خم سے

گو دخترِ رز عشق میں یاروں کے پکی ہے
زاہد جو برا مانے ہے کیا اُس کی سگی ہے

*

زاہد نے پی ہے سودا چھپ چھپ شراب اوس کی
مسواک کاڑ دیں تو ہو تاک ایک پل میں

سودا نے رشک کے مضامین بھی بکثرت قلمبند کیے ہیں - یہ مومن خاں کا خاص محورِ خیال ہے - سودا کا بھی رنگ ملاحظہ ہو :—

پهلچاۓ ہے رقیب تلک بوۓ زلف یار
ڈستی ہے سانپ سی یہ نسیمِ سحر مجھے

خاص کروں میں ہی نظارہ تو توحید کی لذت ہے
کور ہیں یہ آنکھیں اُس دن جس دن جلوہ عام کیا

یار کے جب منہ کو وہ تکتا ہے سودا رشک سے
جی میں آتا ہے کروں میں سنگسار آئینہ کو

چاہتا ہے سینہ کو اپنے کروں میں چاک چاک
ہاتھ میں شانہ کے جب دیکھے ہے گیسو آئینہ

غزل میں کہیں کہیں اپنے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض مشہور معاصرین سے شاعرانہ چشمک کی ہے اور بعض کی سخنوری کی داد دی ہے - اپنی دربدری کی آوارگی کا ذکر اس طرح کیا ہے :—

ہوں وہ آوارہ کہ طفلی ہی میں جوں اشک مجھے
کردیا مادرِ ایام نے گھر سے باہر

سودا وہ شاہ ہے کہ زالطافِ دوستاں
اس دور میں پناہ بہ بیگانہ لے گیا

کاوشِ احباب اور دوستوں کی بے التفاتی کا ذکر جا بجا کیا ہے -

تجھے آزردہ دل اس بزم میں پاتا ہوں اے سودا
نہیں معلوم تجھ سے کاوشِ احباب ہے کیا ہے

ایک مسلسل غزل لکھی ہے جس میں شاہ جہاں آباد کی دوستوں

کے تغافل کی شکایت کی ہے' مہر کا نام خصوصیت سے لکھا ہے : —

وہی ہیں دن وہی راتیں وہی فجر وہی شام
وہی ہے روشنیِ مہر و مہ جو کچھ تھی مدام

نہ جانوں دورِ محبت کا کیا ہوا یا رب
کہ دوستوں سے جدا کر کے گردشِ ایام

ہمیں لے آئی ہے شہرِ غریب جس دن سے
کبھو انہوں کی طرف سے نہ نامہ و پیغام

علی الخصوص تغافل کو مہر صاحب کے
کہوں میں کس سے کہ با وصف اتحادِ تمام

لکھا نہ پرچۂ کاغذ بھی اتنی مدت میں
کہ بے قراروں کو تا ہووے موجبِ آرام

کبھی انہوں کو ہماری بھی الفت سابق
کسی کے ہاتھ جو بھیجے ہے نامہ و پیغام

جو وہ پھرے ہے ادھر سے تو یہ بھی کہتا نہیں
کہ میں کہی تھی تری بندگی انہوں کو سلام

بڑھاپے کا احساس : —

ضعف و نا طاقتی و سستی و اعضا شکنی
ایک کھلتے میں جوانی کا بڑھا کیا کیا کچھ

ایک شعر میں مضمون کو بیان کیا ہے : —

بلا ہی اٹھ گئی یارو غزل کے خوب کہنے کی
گیا مضمون دنیا سے رہا سودا سو مسکانہ

درد کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

سودا بدل کے قافیہ تو اور کہہ غزل
اے بے ادب تو درد سے بس دوبدو نہو

میر صاحب کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ایک شعر میں کیا ہے :—

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ
ہونا ہے تجکو میر سے استاد کی طرف

میر صاحب نے اس کا جواب ذیل کے شعر میں دیا ہے :-

طرف ہونا مرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن میں
یونہی سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

یہ سن کر سودا خاموش نہیں رہ سکتا تھا اس نے فوراً اس کا جواب دیا :—

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ اِن طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے

کہیں کہیں ملکی مضامین اور تلمیحات بھی استعمال کی ہیں :-

برج میں ہے دھوم ہوری کی و لیکن تجھ بغیر
یہ گلال اُڑتا نہیں بھڑکے ہے اب یہ تن میں آگ

نہیں ہے گھر کوئی ایسا جہاں اس کو نہ دیکھا ہو
کنھیا سے نہیں کچھ کم صنم میرا وہ ہرجائی

ایک پوری غزل ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ و محاورات میں لکھی ہے
دو ایک شعر ملاحظہ ہوں :—

نکل کے چو کھٹ سے گھر کی پیارے جو پٹ کے او جھل ٹھٹک رہا ہے
سمٹ کے گھٹ سے ترے درس کو نین میں جیرا اٹک رہا ہے

گلی ہو کیسا ہی دھیان جس کا ترے گلوں سے لگا ہے پیارے
گیان پر بت بھی ہے جو اُس کا تو چہور اُس کو سٹک رہا ہے

جا بجا شاعرانہ فخر و تعلی کی ہے - اپنے فن و کمال پر چونکہ اعتماد تھا اس لیے جگہ جگہ زبان پر فخریہ اشعار جاری ہو جاتے تھے :—

شاعرانِ ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

بسانِ مہر یہ روشن ہے سارے عالم پر
جہاں میں جب سے کہ میں شعر تر لگا کہنے

سخن کو ریختہ کے پوچھے تھا کوئی سودا
پسندِ خاطرِ دلہا ہوا یہ فن مجھ سے
کب اُس کو گوش کرے تھا جہاں میں اہل کمال
یہ سنگریزہ ہوا ہے درِ عدن مجھ سے

سودا کے خیالات میں جھمکے ہے خدائی
جو اپنے تخیل میں یہ چاہے سو وہی ہو

زبس رنگینی معنی مری عالم میں پھیلی ہے
سخن جس رنگ کا دیکھو کے میں بھی اُس میں شامل ہوں

ملزلت شعر کی ترے سودا یوں بہ وہم و گمان پڑتی ہے
نہیں مہسی تو پر سخن سے ترے تنِ بے جاں میں جان پڑتی ہے

—— :o: ——

واسوخت

ہم غزل کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ سودا نے معاملہ بندی کے مضامین بھی باندھے ہیں - اُس کا رجحان طبع اس طرز میں بھی کچھ تھا - اسی میلان نے اس سے واسوخت لکھوائے - واسوخت کی بنیاد معاملہ بندی پر ہے - غزل میں چونکہ یہ مضمون مسلسل اور عمدگی سے ادا نہیں ہو سکتا اس لیے معاملہ بند شاعروں نے واسوخت کو ایجاد کیا - فارسی میں اِس کا موجد وحشی یزدی سمجھا جاتا ہے - اردو میں یہ صنفِ نظم فارسی سے آئی - یہ بات ابھی تک پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ اردو میں سب سے پہلے اِسے کس نے رواج دیا - بعض قدیم شعرا کے کلام میں یہ صنف پائی جاتی ہے اور اس میں تو مطلق شبہ نہیں کہ سودا کے دور میں اِس کا رواج پڑ چکا تھا - خود سودا نے ایک واسوخت کہا ہے اور اُس کے ہمعصر میر تقی میر نے بھی چند واسوخت کہے ہیں - اِن شاعروں کے پیشِ نظر فارسی کے واسوخت تھے جن کے نمونے پر اردو میں اس کا ڈھانچا تیار ہوا - سودا کے واسوخت کا ایک بند نقل کرتا ہوں جس سے اُس کی عروضی ترکیب اور فارسی کے معاملہ بند استاد وحشی یزدی کی تقلید کا ثبوت مل جائے گا —

شیشۂ دل کو میرے سنگ ستم سے پھوڑا
دل نے میرے بھی ملہ اب تیری طرف سے موڑا

تم جو کچھ ساتھ کیا میرے نہیں وہ تھوڑا
مجکو بھاتا نہیں ہر دم کا ترا نکھوڑا

خوبرویوں کا جہاں بیچ نہیں کچھ توڑا
شعر وحشی کا دل اپنے پہ یہ میں لکھ چھوڑا

میں ہم جائے دگر دل بہ دل آرائے دگر چشم خود فرش‌کنم زیر کفِ پائے دگر

یہ واسوخت کی ابتدائی شکل تھی - جرات وغیرہ کے زمانے میں اِسے خوب ترقی ہوی - لیکن شکل میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوا - البتہ بعد کے زمانے میں اِس کو مسدس تک محدود نہیں رکھا گیا اور یہ قید اُٹھا دی گئی - مضامین میں بھی وسعت پیدا ہوگئی - سودا کے زمانے کے بعد اس کا بہت رواج ہوا چنانچہ لکھنؤ میں اردو واسوختوں کا مجموعہ دو جلدوں میں 'شعلۂ جوالہ' کے نام سے چھپ چکا ہے جس میں سودا سے لے کر امیر و داغ کے دور کے شاعروں کے واسوخت موجود ہیں - سودا کے واسوخت کے مضمون میں کوئی خاص بات نہیں - صاف سیدھا بیان ہے - شاعر ایک حسین پر فریفتہ ہوگیا - معشوق نے شروع میں مہر و محبت کا سلوک کیا لیکن اتفاقاً اُس کی کسی اور سے آنکھ لڑی - پہلے عاشق سے (جس کو خاص علوان سے گھائل کیا تھا) سرد مہری کا برتاؤ کرنے لگا - اِس کی طرف سے آنکھ پھیر لی - دل جلا عاشق اِس بے وفا و بے مروت سے اپنی ثابت قدم وفاداری کا حال سناتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میری بے مکر محبت نے تجھے معشوقیت بخشی ہے :—

باندھنا لٹ پٹی دستار سکھایا ہم نے
تنگ جامے کو ترے بر میں کھپایا ہم نے

رکھہ کے جدھر کو تجھے بانکا بنایا ہم نے
اکڑ چلنے کو تجھے سب سے بتایا ہم نے

شوخی و ناز کے طرزوں کو جتایا ہم نے
ہاتھہ اپنے سے غرض تجکو گنوایا ہم نے

ایں نہ گویم کہ من از دست تو گشتم دلریش
کردۂ خویش مثل ہست کہ می آید پیش

اِس کے بعد دغا باز حریفوں کے مکر و فریب سے معشوق کو آگاہ کرتا ہے - اُن کی محبت کو تباہ و بدنام کُن بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب چلد روزہ بہار کے عاشق ہیں - آگے چل کر سب آنکھیں پھیرلیں گے اور پھر تیرا کوئی خریدار نہ ہوگا اور تو کس مپرسی کا شکار ہو جائے گا - میں بھی تجھے جتا دیتا ہوں کہ اگر تیری بے وفائی کا یہی عالم رہا تو میں بھی کسی دوسرے دلدار کو اپنا دل دے دوں گا اور پھر تو تنہا و بے بس رہ جائے گا اور ایک سچے عاشق کو کھو کر پچھتاتا رہے گا - اس کے بعد اپنی لے کو دھیما کر کے معشوق کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنے خریدار کو مت ٹھکرا اُسے غنیمت جان : —

اس قدر کس لیے بیزار ہے مجھہ زار سے تو
مت چھپا منہ کو سجن اپنے خریدار سے تو

چشم پوشی تو نہ کر عاشقِ بیمار سے تو
مجھکو محروم نہ رکھہ لذتِ دیدار سے تو

سن لے یہ بات میاں اپنے گرفتار سے تو
دیکھ ادھر بھی کبھو ایک نظر پیار سے تو

نگہے جانب سودا کہ وگا ہے کافی است   بلکہ از لطف با و نیم نگاہے کافی است

اسی بند پر واسوخت کو ختم کر دیا ہے —

قصائد

دهلی میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو تقریباً تمام اصناف سخن میں شاعروں نے طبع آزمائی کی - لیکن اولین طبقے کے شعرا کے قصائد اب تک دستیاب نہیں ہوے- شاہ حاتم و آبرو وغیرہ کے دور کے بعض شاعروں کے چند قصیدے ہماری نظر سے گزرے ہیں لیکن اُن پر الشاذ کالمعدوم کا پورا اطلاق ہوتا ہے - دوسرے یہ اپنی لفظی ' نحوی ' بیانی اور معنوی حیثیتوں سے نہایت ادنیٰ اور معمولی ہیں - اس کی پہلی وجہ ہمارے خیال میں اُس وقت کے سیاسی اور معاشرتی تباہ کن انقلابات تھے - ظاہر ہے کہ یہ حالات قصیدے کے لیے سازگار نہیں ہوسکتے تھے - دوسری وجہ اُس زمانے کا عام مذاقِ ایہام گوئی ہے جو صرف غزل کے لیے مخصوص تھا - ایسی صورت میں یہ کہنا نہایت دشوار ہے کہ سودا کے پیشِ نظر کن اردو شاعروں کے قصائد رہے ہیں - ہمارا خیال ہے کہ قصیدے میں اس کی رہنمائی کسی قدیم اردو قصیدے سے نہیں ہوی - بلکہ اُس کے پیشِ نظر اساتذۂ فارسی کے قصائد تھے - فارسی اساتذہ میں اُس نے خاقانی' عرفی اور انوری کے رنگ کو پسند کیا تھا- چنانچہ اس کی شہادت خود اس کے قصائد میں موجود ہے - عرفی کا ایک مشہور قصیدہ

لامیہ ہے جو اکبری دربار کے ممتاز امیر میر ابوالفتح کی مدح میں تحریر ہوا ہے ' جس کا مطلع یہ ہے :—

چہرہ پردازِ جہاں رخت کشد چوں بہ حمل
شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

سودا نے اس قصیدے پر اپنا مشہور اور معرکۃ الآرا لامیہ قصیدہ کہا ہے' جس کا مطلع یہ ہے :—

اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

عرفی کا ذکر سودا نے اپنے کلام میں دو ایک مقام پر کچھ اس انداز میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے قصائد ضرور اُس کے مطالعے میں رہ چکے ہیں اور اُن کا اثر اُس کی طبیعت پر بہت کافی پڑا ہے۔

انوری کی تقلید سودا نے ہجو نگاری میں کی ہے - انوری مدح و قدح کا استاد ہے- اس کا ایک مشہور قصیدہ ایک گھوڑے کی ہجو میں ہے- سودا نے بھی انوری کی تقلید میں اپنا مشہور قصیدہ تضحیکِ روزگار لکھا ہے (اس کا تفصیلی و تنقیدی ذکر ہجویات کے تحت ملے گا) -

خاقانی کے مشہور قصیدے "کہ ہمت واز نا شوئیمت بازانوو پیشانی" پر اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کے قافیے نورانی' درخشانی' مسلمانی وغیرہ ہیں۔

ان شواہد کی موجودگی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سودا نے ان اساتذہ کے قصائد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور ان کی خصوصیات کا اثر ضرور اس کے قصائد پر پڑا - قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے کہ سودا نے خاقانی و عرفی کو قصیدہ نگاری میں پسِ پشت ڈال دیا - مصحفی نے

تذکرۂ هندی میں لکھا ہے " اگردر علوء مراتب معانی ابیات قصیدہ خاقانی گویم روا " - عقد ثریا میں مصحفی نے یہ بھی لکھا ہے " قصاید و غزلے در جواب قصاید عرفی تصنیف نمودہ " - آزاد کی راے ہے کہ " سودا کی مشابہت کچھ تو انوری سے ہے کہ محاورے اور زبان کا حاکم اور قصیدے اور ہجو کا بادشاہ ہے" - اصحاب ذوق جو عرفی اور انوری وغیرہ کے طرز و انداز سے واقف ہیں وہ بادنیٰ تامل اس بات کو محسوس کرلیں گے کہ ان اساتذہ کا سودا پر کیا اثر پڑا —

سودا کے قصائد کے موضوعات حسب ذیل ہیں : —

(۱) مذہب - کئی قصیدے بزرگان دین اور ائمہ معصومین کی شان میں خلوص و عقیدت سے انشا ہوے ہیں —

(۲) مدح اہل دول - اپنے سرپرست امرا وغیرہ کی مدح و ستائش میں کئی قصیدے کہے ہیں —

(۳) ہجو - ہجو میں چند قصیدے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہم ہجویات کے تحت کریں گے —

(۴) واقعات - بعض قصائد میں اس عہد کے تاریخی و معاشرتی حالات قلمبند ہوے ہیں —

مطبوعہ کلیات میں صرف (۴۴) قصائد ملتے ہیں - ہم نے مزید گیارہ قصیدوں کا پتا چلایا ہے جس کا ذکر ہم غیر مطبوعہ کلام کے تحت کر چکے ہیں - ان قصیدوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو قصیدے سے فطری ذوق اور لگاؤ تھا - اس نے نہ صرف انعام و صلہ کے لالچ میں قصیدے کہے ہیں بلکہ محض خلوص اور حسن عقیدت

سے بھی نہایت بلیغ اور معرکۃ الآرا قصیدے انشا کیے ہیں- بعض قصیدوں میں اپنی ناراضگی کی بنا پر یا مزاحاً دوسروں کی ہجو کی ہے - چند قصیدوں میں اپنے عہد کے تاریخی و معاشرتی حالات و واقعات کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے —

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قصیدہ گوئی میں سودا کا کیا رتبہ ہے اور صنفِ نظم میں اُسے کیا کمال حاصل ہے - جہاں تک قدیم اساتذہ کا کلام دستیاب ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا سے قبل قصیدہ گوئی دہلی میں تقریباً رائج نہیں ہوئی تھی - سودا سب سے پہلا شاعر ہے جس کے کلیات میں متعدد قصیدے موجود ہیں - اور اس شان کے ہیں کہ جن کی نسبت تمام اساتذۂ تنقید کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اردو زبان میں ان کا جواب نہیں - ان حالات میں بعض لوگوں کا یہ خیال کہ سودا اردو قصیدے کا موجد ہے غلط نہیں ہے - اور غالباً اسی بنا پر مصحفی نے لکھا ہے " نقاشِ اولِ نظم قصیدہ در زبان ریختہ اوست " —

وہ حالات و اسباب روشن ہیں جن کی بنا پر سودا کو قصیدہ گوئی کی تحریک ہوئی - اس کے مذہبی جذبات نے اسے بزرگان دین وغیرہ کی شان میں قصیدے کہنے کے لیے متحرک کر دیا ؛ اور مصاحب پیشگی اور دربارداری نے اپنے سرپرست امیروں کی مدح و ستائش پر مجبور کر دیا - طبیعت میں ظرافت تھی اس لیے خود بخود ہجویہ قصیدے اس کے قلم سے نکلے - سودا کے اس رنگ طبیعت کو دیکھ کر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے ممدوحین اس لائق تھے کہ ان کی شان میں نہایت شد و مد سے قصیدے کہے جائیں - سودا کے

مذہبی قصیدوں کے متعلق یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کے ممدوحین بے شبہ اسی پایہ اور درجے کے تھے - اور ان قصیدوں کے متعلق یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ رسماً کہے گئے ہیں - سودا نے انتہائی عقیدت اور جوش سے ان کو لکھا ہے - اس نے آنحضرت صلعم کی شان میں دو قصیدے کہے ہیں اور بقیہ اہل بیت کی مدح میں- اہل دول ممدوحین میں بسنت خاں خواجہ سرا ' عالمگیر ثانی ' عماد الملک ' سیف الدولہ' مہربان خاں ' احمد خاں بنگش ' شجاع الدولہ ' آصف الدولہ ' سرفراز الدولہ حسن رضا خاں اور رچرڈ جانسن رزیڈنٹ لکھنؤ ایسی ذی اثر شخصیتیں ہیں جن کی سرپرستی سودا کو حاصل تھی - یہ سب صاحب اقتدار لوگ تھے - ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سودا ان کی مدح و ستائش کرنے میں حق بجانب نہ تھا - ہجویات اور واقعہ نگاری پر جو قصیدے ہیں ان کا ذکر ہم ہجویات کے تحت کریں گے - ان میں بھی سودا نے اپنے عہد کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس اعتبار سے یہ اس کا بڑا کارنامہ ہے -

سودا نے اپنے اکثر قصیدوں کے الگ الگ نام بھی رکھے ہیں - جن قصیدوں کے نام معلوم ہو سکتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :—

(۱) حضرت علی (رض) کی منقبت میں ایک قصیدہ ہے - ع

" سنگ کو اتنے لوے کرتا ہے پانی آسماں "

اس کا نام بحر بیکراں ہے : -

کر تو سودا اب قصیدے کو دعائیہ پہ ختم
گو خطاب اس کو دیا ہے تو نے بحر بیکراں

(۲) ایک اور قصیدہ حضرت علی (رض) کی منقبت میں ہے - ع

" اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل"

اِس کا نام باب الجنت ہے :-

تا مسمیٰ رہے یہ نظم بہ باب الجنت
جب تلک اس سے بر آوے مری امید واصل

نخلِ امید سے اپنے ہوں برومند مُحب
ہو محبت نہ تری جن کو نہ پاوے وہ پھل

(۳) کاظمین علیہما السلام کی منقبت میں ایک قصیدہ ہے - ع

" ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک "

اِس کا نام کوہِ دو پیکر ہے :-

لیکن جو یہ قصیدۂ کوہ دو پیکر آپ
چاہے صلے میں ہند سے لے اصفہاں تلک

(۴) سیف الدولہ کی تعریف میں ایک قصیدہ ہے - ع

"برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار"

اس کا نام رزمیۂ بہار ہے :-

بالفعل اس قصیدہ کا مانگے ہے یہ صلہ
اس کے تئیں خطاب ہو رزمیۂ بہار

(۵) گھوڑے کی ہجو میں ایک مشہور قصیدہ ہے - م

" ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار"

اس کا نام تضحیک روزگار ہے :-

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدہ کا تضحیکِ روزگار

(۶) ایک غیر مطبوعہ قصیدہ حضرت امام زین العابدین (رض) کی مدح میں ہے - ع

" کہا میں ایک دن اُس کو کہ اے سمّم ایجاد "

اِس کا نام خلاصۃ الاوراد ہے : —

سبھوں نے ورد کیا یہ قصیدہ ' اس خاطر
رکھا ہے نام میں اس کا خلاصۃ الاوراد

(۷) حضرت امام جعفر صادق (رض) کی مدح میں ایک قصیدہ ہے - ع

" فلک بگاڑے مجھے اپنے عیش و غم کی طرح "

اِس کا نام صبح صادق ہے : -

رکھا ہوں دل سے قصیدے کا صبح صادق نام
ہر ایک شعر ہے خورشید صبح دم کی طرح

(۸) ایک اور غیر مطبوعہ قصیدہ شیخ بریلی کی ہجو میں ہے - ع

" لکھتا ہوں میں اک شیخ بریلی کی حکایت "

اِس کا نام مضحکۂ دہر ہے : -

سودا نے قصیدہ یہ کہا مضحکۂ دہر
سب اہل نظر اِس پہ رکھیں اپنی عنایت

✓ ہمارے قدیم اساتذۂ تنقید نے قصیدے کے جانچنے کا ایک معیار مقرر کر دیا ہے جس کو مد نظر رکھ کر ہمارے شعرا قصیدہ نگاری کرتے ہیں۔ قصیدے کے اولین لوازم میں چار چیزیں ہیں :- سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ مطلع کس پایہ کا ہے - وہی مطلع کامیاب سمجھا جاتا ہے جس میں کوئی نئی اور جدت آمیز بات بیان کی جائے تاکہ طبیعت

خوش ہو اور سامع آیندہ کلام کے سننے کے لیے فوراً متوجہ ہو جائے۔ خیال کی ندرت، بیان کی جدت اور زبان کی شگفتگی و برجستگی اگر مطلع میں نہ ہو تو وہ کامیاب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ سودا کے اکثر قصائد کے مطلعے نہایت بلند اور شگفتہ ہیں۔ حسن رضا خاں کی مدح میں جو قصیدہ ہے اُس کا مطلع ہے :—

برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صف لشکر بہار

قصیدۂ باب العجلت کا مطلع ہے : —

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

دو اور مطلعے ملاحظہ ہوں : —

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح و روزہ حرام

ہوا کے فیض سے ایسا ہے سبز باغ جہاں
شبیہ سنبل تر سے ہے موج ریگ رواں

دوسری چیز تمہید یعنی تشبیب ہے جس کے معنی شباب کے تذکرے کے ہیں۔ اسکو نسیب بھی کہتے ہیں ' جس سے مراد حسن نسوانی کے تذکرے کے ہیں۔ ابتداءً تشبیب میں اِنہیں دو چیزوں کا ذکر ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ تشبیب کے مضامین میں تنوع پیدا ہوتا گیا۔ سودا نے اپنے قصیدوں کی تمہیدوں میں موسمِ بہار و خزاں ' ایامِ شباب ' شکایت گردوں اور

ذکر محبوب کا بیان لکھا ہے - اِس کے ساتھ بعض تمہیدوں میں حکیمانہ خیالات اور اخلاقی صداقتوں کا بھی اظہار کیا ہے - قصیدۂ لامیہ (باب العجلت) کی تشبیب بہاریہ ہے - جس میں سودا نے تخیل کا زور اور مبالغے کا کمال دکھایا ہے :-

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمر دار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزوجل

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل

واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی
پوششِ چھینٹ قلمکار بہ ہر دشت و جبل

عکس بلبل یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کارِ نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اول

تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آبِ رواں عکسِ ہجوم گل کے
لوٹتے ہے سبزے پہ از بس کہ ہوا ہے بے کل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمیٔ نظارہ سے جاتی ہے پگھل

جوش روئیدگیٔ خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاوِ زمیں کے جو پھوٹے کونپل

دمِ عیسیٰ سے فزوں فیض ہوا ہے یاں تک
ذہن میں قسم جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنے
کہیں دعوائے خدائی نہ کریں لات و ہبل

اسی تشبیب کے چند اور شعر ملاحظہ ہوں :—

آب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغرِ لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل

سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغ کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل

حضرت امام حسن (رض) کی مدح میں ایک غیر مطبوعہ قصیدہ
ہے جس کی بہاریہ تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں :—

نظر کر آب میں تک عکسِ گل کہ کرتی ہے
دو چند رونق بستاں ترقیٔ معکوس

قبائے سرخ ہے گل پہنے سرو جامۂ سبز
یہ شاہدانِ چمن کو عطا ہوا ملبوس

ذرا تو دیکھیو فیض ہوا کہ ہے شاداب
برنگ دانۂ گل عقدۂ نقابِ عروس

حضرت امام محمد باقر (رض) کی مدح میں ایک غیر مطبوعہ قصیدہ
ہے اس کی بہاریہ تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں : —

چمن میں سبزۂ روئیدہ پر نہیں شبنم
ہوئے ہے خسرو گل پر نثار لالہ قلم

اِدھر کو لعل کے ساغر میں ارغوانی مے
بھری ہے لالۂ حمرا نے ہو خوش و خرم

لچک رہا ہے ادا سے اُدھر کو نافرماں
لے اپنے ہاتھ نزاکت سے طرۂ نیلم

ادھر سے نرگسِ شہلا کرے ہے بد مستی
جو آنکھیں ہوویں تو کوئی اس کی دیکھے گردن خم

کہاں ہے صحن کے تالاب بیچ نیلوفر
یہی ہے عالم آب اور یہی ہے جام جم

کنول کی آنکھ میں کیا سرخ ڈورے چھوٹے ہیں
برنگ دیدۂ مخمور بادہ نوش صنم

یہ تمام بہاریہ تشبیبیں ہیں جن میں موسم بہار کے فطری اثرات و کیفیات تو کم ہیں لیکن خیالی تصویریں بڑی ہنرمندی سے کھینچی ہیں اور اس میں تشبیہ و استعارہ اور مبالغہ و اغراق کا رنگ بھر دیا ہے۔ بعض تشبیبوں میں عاشقانہ و رندانہ مضامین بھی باندھے ہیں اور بعض تشبیبیں بہاریہ اور عاشقانہ دونوں قسم کے مضامین کی حامل ہیں۔ عاشقانہ و رندانہ مضامین کو بزرگانِ دین کی مدح میں بعض اہلِ تنقید جائز نہیں سمجھتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ تحدید و پابندی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی ہے اس لیے کہ اسلام میں ابتداءً یہ رنگ پایا جاتا ہے چنانچہ قصیدۂ بانت سعاد (جو حضور نبوی میں پڑھا گیا) عاشقانہ تمہید سے شروع ہوا ہے لیکن سودا نے اس میں بہت غلو کیا اکثر ایسے قصیدوں کی تشبیبوں میں ایسے مضامین باندھے ہیں جن میں عاشقانہ

تو کہاںلکہ وا سوخت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے - حضرت فاطمة الزھرا (رض) کی شان میں قصیدہ کہا ہے جس میں ان کی عظمت و بزرگی اور عفت و حیا کی توصیف کی ہے لیکن تشبیب تہمت عاشقانہ ہے جو ہمارے خیال میں بد تمیزی اور سوء ادبی ہے: —

دیکھا ہے جب سے مکھڑے کا تیرے نور اے صنم
خورشید رہ گیا ہے خجالت سے سر چھپا

آنکھوں نے تیری خانۂ نرگس کیا خراب
سنبل کو تیری زلف نے بے قدر کر دیا

رخ تیرا دیکھ گل کی تو چھاتی پھٹتی ہے آہ
خال سیہ کے رشک سے لالے کا دل جلا

تیرے دھن کو دیکھ کے غنچہ ہوا خجل
نرگس تیری کو دیکھ کے آنکھیں گئی چرا

ابرو کو تیری دیکھ چھپا ابر میں ہلال
صورت کو تیری دیکھ گھٹا بدرِ دلربا

لپٹے ہے زلف ہاتھ کو تیرے میں کیا کہوں
ناگن لپٹ رہی ہے عجب شاخ گل سے آ

قمری نے یوں کہا تری کاکل کو دیکھ کر
اللہ آج سرو سے لپٹا ہے اژدھا

یہ مطلع اول کے چند شعر ہیں - مطلع دوم بہاریہ و عاشقانہ ہے جس کے چند شعر ملاحظہ ہوں : --

ہے موسم بہار گل اور ابر کی گھٹا
قربان تیرے ساقیء گلرو شراب لا

بلبل کی میکشی کو سحر جا چمن میں دیکھ
گل کا پیالہ بادۂ شبنم سے ہے بھرا

اس کے آگے مسلسل کئی شعر رندی و مستی کے مضامین پر ہیں لیکن اس کے بعد فوراً اسے مذموم کہہ کر مدح کی طرف گریز کی ہے : —

ساقی نے گفتگو مری سن کر کہا تجھے
کچھ شاید عقل و فہم سے بہرہ نہیں ملا

تو اُس جنابِ پاک کا مداح ہے کہ بس
اللہ جس جناب کی کرتا ہے خود ثنا

پی جام جا کے اُن کی محبت کا تو مدام
میخانۂ جہاں میں تو سرمست رہ سدا

———

اسی طرح آنحضرت صلعم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے مطلع ثانی کی تمہید میں چند عاشقانہ شعر کہے ہیں لیکن فوراً اس سے گریز کر کے کہہ اُٹھا : —

سمجھ اے ناقباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چینِ پیشانی و لطفِ زلفِ طولانی

———

بعض تمہیدوں میں غزلیں بھی داخل کر دی ہیں جن کا مدعا محض عاشقانہ و رندانہ مضامین کو نشاط انگیز بنانا ہے - یہ غزلیں بھی اسی شان کی ہیں جو اس کا عام رنگ تغزل ہے - بعض تشبیبوں میں حسینوں کی تعریف کی ہے - ایک میں خوشی کو حسین شکل خیال کر کے اُس کا بیان کیا ہے - ذوق نے بھی اپنے قصیدہ تائیہ کی تمہید میں یہی مضمون باندھا ہے لیکن سودا کے زور تخیل اور فطری تشبیہوں کے استعمال کے مقابلے میں اُس کا درجہ بہت پست ہے - ہم سودا کی تشبیب کے چند شعر جستہ

جسکا نقل کرتے ہیں : -

حسن ایسا کہ جسے ماہ شب چار دہم
یک بیک دیکھے تو یک چندھی رہ جائے بھچک

چہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شب و روز جسے
باؤ کرتی ہی رہے دامن مژگاں کی جھپک

زلفیں یوں چہرے پہ بکھری ہوی مانگے تھیں دل
جس طرح ایک کھلولے پہ ہتیں دو بالک

جعد وہ تھرکہ گھتلے میں ہو جس کے ہر لہر
گوہر ڈبا دیلے کو عشاق کے دریاے اٹک

ناگلی پیچ میں آ اُن کے نہ مانگے پانی
کوہل جاوے وہیں کالا جو ڈسے اُس کی لٹک

جبیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ
اُس کی تشبیہ سے جب اُس کو تجاوز دے فلک

رنگ رخسار سے شرمندہ ہو کندن کی دمک
آگے غبغب کے خجالت زدہ سونے کی ڈلک

ساعد و دست حنابستہ کی ایسی حرکات
شاخ میں گل کے پون بہلے سے جوں آئے لچک

کمر اُس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اُس کا وصف
تھی وہ ایک آہوے دل کے لیے چیتے کی لہک

بعض تمہیدوں میں عقل اور حرص کو مجسم مان کر اُن کے اوصاف
و عیوب اور نصائح و ترغیبات کو مکالمے کے پیرایے میں بیان کیا ہے اور

پھر مدح کی طرف گریز کی ہے - بعض تمہیدوں میں اپنی بدنصیبی اور مظالم گردوں کا ذکر کیا ہے - اکثر تمہیدوں میں حکیمانہ خیالات ظاہر کیے ہیں :—

ہنر پیدا کر اول ترک کیجیو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستیں کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

موثر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عریانی

حضرت امام ضامن علی موسی رضا کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کی تشبیب میں لکھا ہے :—

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بحت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کو تہیدستی سے نقص جوہر کا

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

جو ناتواں نہ کریں دست گیریء دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھہ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما

اسی طرح اور بھی کئی تمہیدیں ہیں جو حکیمانہ خیالات سے لبریز ہیں اور اُن کو صائب کے مثالیہ رنگ میں پیش کیا ہے اور تشبیہ و استعارہ کی ندرت و نزاکت سے کلام کو زینت دی ہے - بعض تمہیدوں میں شاعرانہ تعلی کی ہے :—

عالم کی السنہ پہ مرا اس قدر ہے شعر
گویا ورق بیاض کا ہر ملک میں ہے زباں

میں نے سنا کہ تجکو میرے ایک شعر پر
دزدی کا اپنے معنی کے ہے وہم مہرباں

شاید باتفاق توارد ہو پر مجھے
لفظوں کا اپنے غم کہ ہوے کس پہ رایگاں

گو زشت کو پنہاؤ کسی رنگ کا لباس
خوبوں میں اُس کی جا نہیں جز پہلوے بداں

از راہ دوستی میں کہوں تجھہ سے ایک بات
طبع شریف پر جو نہ آوے ترے گراں

زنہار ہمسری کا میرے تو نہ کر خیال
ہو ۲ فریب مضحکہ نزدیک شاعراں

ایسی نہیں بلندی ہے سخن کی میرے ہوا
کھلنے کا جس کا زیر فلک دل کو ہو گماں

اس کو یقین تو جان کہ حیراں ہے اب تلک
عیسیٰ پئے معالجۂ نفخ آسماں

منشیء نہ فلک میری تحریر دیکھ کر
سمجھے بغیر گر غلطی کا کرے بیاں

پاوے میرے قلم سے وہ فی الفور یہ جواب
چپ رہ کہ دوں تجھے غلطی سے تری نشاں

حک کردہ سطر ہے وہ میرے ہاتھ کی لکھی
کہتے ہیں جس کو اہل زمیں نام کہکشاں

ہجو کا رنگ سودا کی طبیعت پر اس قدر غالب تھا کہ اُس نے تشبیب میں بھی اس سے اپنے قلم کو نہیں روکا - حضرت امام ضامن علی موسیٰ رضا کے مدحیہ قصیدے کی تشبیب میں فاخر مکیں وغیرہ پر چوٹ کی ہے:-

صاحب سخن اس طبقۂ شعرا میں کئی ہیں
ہم بزم سخنداں کو نہ ان سے کرے تقدیر

مصرعے میں اگر پشۂ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا فیل کو زنجیر

نقارہ کا مضموں بدرستی جو یہ باندھیں
کوس لمن الملک کے ٹھونکیں ہیں بم و زیر

سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر

کرتے ہیں مجالس میں پھر اس کو بہ بدی یاد
صادر کرے تحسین میں اُن کی جو کبھو دیر

اِس خبط کے عہدے سے ولے وہ نہ برآویں
جو ملک سخن کے ہیں مہلتوں میں مشاہیر
اُستاد کی اُن کے ہے انہوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھہ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے ہلدیۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر

ایک قصیدے میں اپنے دھلوی معاصرین پر چوٹیں کی ھیں ' اوران کے پڑھنے کے انداز کا مضحکہ اُڑایا ھے : -

داغ ھوں اُن سے اب زمانے میں — بزم شعرا کے ھیں جو صدر نشیں
یعنے سودا و میر و قائم و درد — لے ھدایت سے تا کلیم و حزیں
کیا غرور و دماغ کیا نخوت — کون سا کِبر ھے جو اُن میں نہیں
بعد صد منت و مساجت کے — جاویں گر یہ مشاعرے میں کہیں
میر مجلس کی تاب و طاقت کیا — کرے تکلیف شعر ان کے تئیں
شعر اپنا پڑھیں جو اُن کے حضور — کرکے سر گوشی یکدگر وو ھیں
ایک کہتا ھے یہ توارد ھے — دوسرا بولے اوف ری تمکیں
خلق کو انتظار کش کرکے — یک دو مصرعے پڑھیں جو آپ کہیں
درد کس کس طرح ملاتے ھیں — کرکے آواز ملتجی و حزیں
اور جو احمق اُن کے سامع ھیں — دمبدم اُن کو یوں کریں تحسیں
جیسے سبحان من یرانی پر — لڑکے مکتب کے کہتے ھیں آمیں

تشبیب قصیدہ نگار کے کمال کی کسوٹی ہے سودا نے اُس کے مضامین و موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور خارجی و داخلی شاعری سے کام لیا ہے۔ اور لفظی، بیانی اور عروضی مہارت کا کمال دکھایا ہے۔ خیالی مضامین اور واقعات کو تشبیہہ و استعارہ اور مبالغہ کے پیرایے میں ادا کیا ہے۔ اکثر مضامین میں خیالی باتوں کا اس قدر غلبہ ہے اور ان پر مبالغے کا رنگ اس قدر تیز ہے کہ ان میں واقعیت کا نشان نظر نہیں آتا تاہم، ہم خیال و مضمون اور زبان و بیان کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تشبیب میں سودا کو خاص کمال حاصل تھا لیکن عجیب بات ہے کہ اُس نے بعض قصائد میں تشبیب نہیں لکھی بلکہ مدح سے قصیدے کا آغاز کردیا ہے۔

قصیدے کی روح گریز ہے۔ یہ دراصل تشبیب و مدح کو ملاتی ہے۔ تشبیب و مدح دونوں کے مضامین بالکل مختلف ہوتے ہیں لیکن شاعر کا کمال اسی میں ہے کہ وہ دونوں میں ایسا ربط پیدا کردے کہ سامع تشبیب کے بعد فوراً مدحیہ اشعار کے سننے کا مشتاق ہو جائے۔ گریز کو عربی میں مخلص کہتے ہیں جو قصیدے میں مشکل ترین مقام ہے۔ سودا گریز کے گُر سے خوب واقف تھا۔ اُس نے اِس کے لکھنے میں بڑی اُستادی دکھائی ہے۔

ایک قصیدے کی تشبیب میں حرص کی ترغیبات کا ذکر بڑے دلفریب انداز میں کیا ہے۔ لیکن گریز اس طرح کی ہے —

الغصہ گزری تھی مجھے شب اِس خیال میں
ناگاہ پھر عقل نے آ اُس مکاں تلک

ایسا ہی مارا ایک طمانچہ کہ تا ہنوز
پھلتے ہے رنگ چہرۂ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سودا ہزار حیف
اخاہ میں نے تجکو نہ سمجھا تھا یاں تلک

اِس کے بعد عقل کی زبانی حرص کی مذمت کی ہے - اور اس کی اس ہدایت کا ذکر کیا ہے کہ دنیوی جاہ و تجمل کی تعریف میں غلو کرنا اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنا ہے - اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ایسوں کی مدح کر جن کو زمین و آسمان سجدہ کرتے ہیں - قصیدۂ باب العلم کی بہار یہ تشبیب کے بعد اپنے سخن کی رنگینی و شہرینی کا ذکر کیا ہے اور اس کا سبب حضرت علی کی مداحی کو بتایا ہے - یہی گریز کا مقام ہے : —

ہے مجھے فیض سخن اُس کی ہی مداحی کا
ذات پر جس کے مبرہن کلمۂ عز و جل

گریز کے بعد مدح کی نوبت آتی ہے - اِس میں شاعر ممدوح کے اوصاف کا ذکر کرتا ہے - مدح نگاری کے عام معیار کا اندازہ مولانا حالی کے ایک اقتباس سے بخوبی ہو سکے گا : —

"مدح میں اکثر ایک نام کے سوا کوئی خصوصیت ایسی مذکور نہیں ہوتی جو ممدوح کی ذات کے ساتھ مختص ہو - بلکہ ایسے حاوی الفاظ میں مدح کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض مداح اِس علت میں کہ فلاں شخص کی مدح کیوں کی ؟ عدالت میں ماخوذ ہو جائے تو قصیدے میں کوئی لفظ ایسا نہ ملے جس سے اُس کا جرم ثابت ہوسکے - مدح میں زیادہ تر وہی معمولی مضامین بیان ہوتے ہیں جو قدیم سے شعرا باندھتے چلے آئے ہیں - اور ہر ایک خوبی کے بیان میں ایسا مبالغہ کیا جاتا ہے کہ قصیدے کا مصداق

نفس الامر میں کوئی انسان قرار نہیں پاسکتا - ممدوح کی ذات میں جو واقعی خوبیاں ہوتی ہیں اُن سے اصلاً تعارض نہیں کیا جاتا بلکہ بجائے اُن کے ایسی محال باتیں بیان کی جاتی ہیں جو اُس متنفس پر صادق نہ آسکیں - ممدوح کی طرف اکثر وہ خوبیاں منسوب کی جاتی ہیں جن کے اضداد اُس کی ذات میں موجود ہیں - مثلاً ایک جاہل کو علم و فضل کے ساتھ ' ایک ظالم کو عدل و انصاف کے ساتھ ' ایک احمق اور غافل کو دانشمندی اور بیدار مغزی کے ساتھ ' ایک عاجز و بے دست و پا کو قدرت و تمکنت کے ساتھ ' ایک ایسے شخص کو جس کی ران نے کبھی گھوڑے کی پیٹھ کو مس نہیں کیا ' شہ سواری اور فروسیت کے ساتھ - غرضکہ کوئی بات ایسی نہیں بیان کی جاتی جس پر ممدوح فخر کرسکے یا جس سے لوگوں کے دل میں اُس کی عظمت و محبت پیدا ہو - اور اُس کے محاسن و مآثر زمانے میں یادگار رہیں " —

سودا کے قصیدوں میں یہ معائب بڑی حد تک موجود ہیں تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس کے ممدوحین مدح کے مستحق نہ تھے - یہ ضرور ہے کہ اُس نے مبالغہ کیا ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مبالغہ ہماری شاعری اور خصوصاً قصیدے کی جان سمجھی جاتی ہے - وہ مدح بالکل بے لطف اور سپاٹ خیال کی جاتی ہے جس میں مبالغے کی چاشنی نہ ہو - سودا نے اِسی خیال سے مبالغہ آرائی میں کوئی تامل نہیں کیا ہے

اس لیے مولانا حالی کے اصلاحی معیار پر اُس کی مدحیات کو جانچنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا - اُس کی مبالغہ آمیز مدحیات میں بہت کم مواقع ایسے ملیں گے جہاں مولانا حالی کے معیار کی پوری شرطیں موجود ہوں - اس کا پورا سرمایۂ مدح مبالغے سے بھرا پڑا ہے - خیالی مضامین ہیں اور ان پر مبالغے کا نہایت شوخ و تیز رنگ ہے - یہ سودا کی بدعت نہیں بلکہ یہ چیز اس کو فارسی سے ورثے میں ملی ہے - اس نے فارسی قصیدوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی مدحیات کو انشا کیا ہے - ایسی حالت میں ان کو کسی خاص معیار پر جانچنا اصولاً صحیح نہیں - ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے ممدوحین کے کن اوصاف و فضائل کی ستائش کی ہے اور ان کے بیان میں کس شاعرانہ ہنر مندی سے کام لیا ہے -

سودا نے تقریباً تمام لائق فخر اوصاف کو بیان کیا ہے - بزرگوں کی شان میں جو قصیدے تحریر کیے ہیں ان میں ان کی عظمت و بزرگی، شرافت و نجابت، حلم و حیا، فیوض و برکات اور کشف و کرامات وغیرہ کا ذکر ہے - سلاطین و امرا کے عدل و انصاف، شجاعت و دلیری، سخاوت وفیاضی، ہیبت و جلال، تدبر و سیاست وغیرہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے - اِن سب کو مناسب و موزوں اسلوب بیان اور پر شکوہ الفاظ میں ادا کیا ہے - لیکن مبالغے کا زور اور تخیل کی بلند پروازی ہر جگہ کارفرما ہے -

حضرت علی کے عدل و انصاف کا ذکر کس جدت آمیز پیرایے میں کیا ہے : --

ہیبت عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو ملتہ ہوا کے بجائیں جو دھل

مورد سنگ ہو شیشہ تو غضب سے کردے
کوہ کو ہردو کف دست میں سل کر خردل

ذکر و اذکار ترے حفظ کا گر آجاوے
کسی محفل میں بہ تقریب زباں ہر یک پل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے دل پر
شب سے تا صبح قیامت نہ سکے موم پگھل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی شاہا
آنچ سے آگ کی تک خس میں جو آجاوے بل

——:o:——

کاظموں عاطہما الـ ا م کی عدل گستری کا ذکر کیا ہے —

ازبس اب ان کے عدل سے معمور ہے جہاں
پہنچا ہے کار خلق اس امن و اماں تلک

بچہ جو گوسپند کا گم ہو تو گرگ و شیر
پہنچا ویں تا نہ ڈھونڈ کے اُس کو جہاں تلک

دہشت سے اس خیال کے زہرہ ہو ان کا آب
پہنچے نہ ہم مہاد کسی کے گماں تلک

———

جب سے ہوی ہے گلشن دنیا میں یہ بہار
کچھ کام بلبلوں کو نہیں ہے فغاں تلک

گلچیں کی کیا مجال جو توڑے چمن میں پھول
صورت سے گل کی لرزے ہے باد خزاں تلک

— * —

عمادالملک کے ہیبت و جلال کو کس زور و قوت کے ساتھہ بیان کیا ہے :-

بار تجھہ حلم میں ہے یہ کہ ترے وقت خرام
ہووے ذرہ بھی اگر مرکز خاکی کو دھمک
صدمہ ایسا کمر گاو زمیں کو پہنچے
شاخیں ہر چلد وہ کھچوائے تو نکلے نہ کسک
دست دوراں سے موالید کا سررشتۂ کار
نعرۂ قہر کی ہیبت سے ترے جائے تھتک
پیل دینا نہیں کچھہ پیل کا پشہ کو کام
حول و قوت سے ترے چاہیے تک اُس کو کمک
تجکو للکار کے میداں میں صف مرداں کے
سامنے آئے ترے کون ہے ایسا مردک
وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی
گو سر مار بغل جائے دبے پاؤں کھسک

———

شجاع الدولہ کی صولت کا ذکر کیا ہے :—

صولت و قہر کے آگے ترے یوں دیو سیاہ
آنچ سے آگ کی جوں تاب میں آجائے بال
روز میداں قدم اپنا تو جہاں گاڑے ہے
کوہ کا سہلہ پھٹے دیکھہ ترا استقلال

شرق سے غرب تلک رعب ترے نیزے کا
دھاک ہے تیغ حلوبی کی تری تا بہ شمال

اُس کی خونریزی سے یوں فوج عدو گھونگھٹ کھائے
جوں مہِ نو سے محرم کے پلٹتا ہے سال

*

سیف الدولہ کی شجاعت کی تعریف اس طرح کی ہے –

اور اس کی پوچھتے ہو شجاعت یہ سن رکھو
اژدر کے چھوڑے جبڑے کہ جب تھا یہ شیر خوار

یکدم جو اُس کی تیغ کی برش زراہ سہو
دل میں اگر خیال کرے اپنے کوہسار

اجزا جو ملتجمد ہیں جمادات کے یہ سب
پا جاویں جوں حواس جہاں پل میں انتشار

جس تودے پر کہ تیر قضا کارگر نہ ہو
خاکہ کر اپنے اس میں سے پھوڑے ہے وہ دو سار

تیری ہی تیغ و تیر کی دہشت ہے یاں تلک
تا وحش و طیر نے کی ساموں پوشی اختیار

دراج کون سا ہے کہ پہلے نہیں زرہ
ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار

ارجن کہے کماں کو تری دیکھ بوہم سے
آپ تئیں تو کھیلنا اس کا ہے سخت کار

جس سمت رخ کریں گے تو میدان ہے وسیع
گر زندگی عزیز ہے بھیا تو کر فرار

—*—

شجاعت و دلیری کے سلسلے میں شاعروں نے تلوار کا ذکر کیا ہے -
سودا نے بھی جابجا تلوار کی تعریف کی ہے - ذوالفقار حضرت امیر کی
توصیف ملاحظہ ہو کس جوش و قوت سے کی ہے : —

اس قدر رکھتی ہے صولت اُس کی شمشیرِ دوسر
گر صفِ اعدا میں جاکر کیجیے اُس کا بیاں

ڈال دیں رؤیں تن اُس ہنگام میداں میں سپر
موسے باریک اپنی گردن کو بناویں سرکشاں

کب ہو جلاد فلک میں اُس گھڑی یارائے نطق
ہونٹ لاگے چاٹنے لکنت کرے منہ میں زباں

انگلیاں اُڑ جاویں دم پر اُس کے دستِ وہم کی
آبداری اُس کی گر کیجے قیاساً امتحاں

کس میں یہ قدرت جو کوئی منہ پہ اُس کے آسکے
آشنا ہووے گر اوس کے عکس سے آب رواں

دھار پانی کی وہیں لیتے زمیں کے قطر کو
کاٹ کر اودھر کو نکلے پردۂ نہ آسماں

صور اسرافیل سے کچھ کم نہیں اُس کا نیام
نکلے وہ اُس میں سے تو شور قیامت ہو عیاں

ہے دو انگشت قضائے مبرم اعدا کے لیے
ذوالفقار اُس کے تئیں کہتے ہیں لیکن مردماں

حضرت امام مہدی الہادی کی شمشیر کی تعریف کی ہے : —

شمشیر گر علم ہو تری جن و انس کا
ہیبت سے آب ہو جگر و زہرہ و طحال

ہر پر غرور کی رگ گردن میں خوف سے
ہو جائے خشک خوں رگ یاقوت کی مثال

مارے اگر تو بر کمر آسماں اُسے
گاو زمیں کے تن سے نہ لائق رہے دوال

شاہا ترے جو نشتر خنجر سے ایکدم
دشمن کے دل میں مہو سے گزرے اگر خیال

ہے کیا عجب کہ خوف سے ہر عضو کی رگیں
جا مغز استخواں میں چھپیں شمع کی مثال

گھوڑے کی تعریف کئی قصیدوں میں کی ہے۔ حضرت علی کے گھوڑے کی تعریف میں کس قدر زور تخیل دکھایا ہے :—

زیر راں ہے جو ترے رخش فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل

شکل کیا اُس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرہ بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل

اُس کی سر چوٹی کا میں حسن کہوں کیا جس کے
زلف معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل

بزغہ و گام سے باہر ہے لیکچوہ اُس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اُس کی چھل بل

جست و خیز اُس کی بیاں کیجیے گر پیش حکیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجائے خلل

قاش سے زین کی ذرہ جو اُچک جائے غبار
مارے جوں روے زمیں پشت فلک کو وہ کھلبل

مجھ سے نعل کی اُس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دوری کو تمام اپلی بھک آن زحل

عمادالملک کے گھوڑے کے زور و قوت اور تیزی و طراری کو اس طرح دکھایا ھے :—

نہ چلے خامہ اب آگے نہ سیاھی ھو رواں
بادپا کا ترے کچھہ وصف نہ کیجیے جب تک
چڑہ کے اُس پر تری طبع میں گزرے یہ خیال
قاش سے زین کی تک لیجیے اگر باگ اچک
کاہ آجاے نظر کاہ نظر سے غائب
پھر ھوا بیچ وہ شبرنگ ھے جگنوں کی دمک
روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگوں کو
پھیلک دے چڑہ کے جو تو شرق سے لے غرب تلک
اتنے عرصے میں پھر آوے کہ اسے باور کر
عکس بھی آئینہ سے ھونے نہ پاوے منفک

سیف الدولہ کے گھوڑے کی شوخی و سبک رفتاری کی اس طرح تعریف کی ھے :—

گلگوں ترے کے وصف میں کیا کیا بیاں کروں
گرد اس کے کھیلتے ھے گُلِ رنگِ حنا حصار
اِس حصر میں کرےھے وہ اس طرح شوخیاں
تڑپے ھے جوں نسیم چمن میں ھو بے قرار

رانوں میں یہ سمک جو پھرے سطحِ آب پر
ٹوٹے حباب سم لے آکر نہ زینہار

مشرق کی سر زمین سے مغرب کی سمت کو
اُس برق وش کو پھیلک دے گر ہو کے تو سوار

اِس عرصے میں پھر آوے کہ شاید نہ بھولے پائیں
گر پھاٹکلے میں نعل سے اُس کے جھڑیں شرار

کئی قصیدوں میں ہاتھی کی تعریف کی ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں۔ عماد الملک کے ہاتھی کی تعریف کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :-

شوکت و شان کہوں کیا میں ترے ہاتھی کی
چرخ پر جوں مہ نو ماتھے پہ یوں اُسکے کجک

اُس کے کجکاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
کہکشاں جوں شب یلدا میں نمایاں بہ فلک

ہیکل میں ہے وہ کوہ اتھلے میں ہے ابر سیاہ
عرش رفعت میں وہ اور چلنے میں جوں چرخ اتھک

شجر طور کا چہرے پہ ہو اُس کے جلوہ
رنگیں ترئیں کے لیے جس گھڑی اُس کی مستک

جھول پر اُس کے ستاروں کا کہوں کیا میں حسن
تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چھٹک

لے کے خر طوم میں زنجیر پھرا وے وہ اگر
اُس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک

لیلی نے ہاتھ نکالے ہیں مہہ خیمے سے
ملنے کو مجنوں سے سن سلسلۂ پاکی جھلک

روز میداں اُسے دیکھو تو دلاور اتلا
سر کے واں سے نہ جہاں سے کہ زمیں جاے سرک

سامنے اُس کے وہ چھوٹتے ہے پٹاخوں کی لڑی
داغیں اک مرتبہ سو توپ جو ہم سلگ اٹک

چرخی کیا چیز ہے لاوے جو اُسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہنچے اُس تک

چاہے وہ توڑ کے جوں نیشکر اس کی چوبز کو
پاؤں کھجلانے لگے سونٹہ میں لے کر پولک

بے تکان اسقدر اُس کا ہے چلاوا جیسے
مہر میں ابر کے آنے سے ہو سایہ کی ڈھلک

آستانۂ حضرت علی (رض) اور دیگر بزرگان دین کے مزارات کی شان میں بھی اشعار کہے ہیں - دو ایک مقام یہاں نقل کیے جاتے ہیں - حضرت امیر کے روضہ کی توصیف اِس طرح کی ہے :—

اب کہیں عالم میں اے سودا نظر آتا نہیں
جز پناہ اُس آستاں کے موضع امن و اماں

جس کا پایہ قدر ایسا ہے کہ دیکھیں ہیں جسے
تھام کر دستار اپنی عرش کے باشندگاں

کرسی اُس گھر کی جو کچھ رکھتی ہے قدر و منزلت
دیدۂ تحقیق میں یہ عرش کا پایہ کہاں

سطح پر اُس کی ملک پھرتے ہیں باذوق تمام
صحن میں کرتا ہے روح القدس مجرا جاکے واں

اُس کے قندیل و چراغ آگے یہ خورشید و فلک
جوں چراغ مضطرب یک لمعے کے درمیاں

شعلۂ کوہ طور سے کیا کم ہے اُس روضہ کی شمع
دونوں آپس میں ہیں گویا خاقت یک دود ماں

حضرت امام علی موسیٰ رضا کے روضے کی تعریف اس طرح کی ہے:-

زہے وہ گنبد زریں کہ جس کا ہے یہ شکوہ
فلک نے دیکھ جسے دل میں پیچ کھا کے کہا

کہ کھلنے جان نے مجکو جلاب اقدس نے
بلا کہا ہے سر نو سے آسمان طلا

شعاع نور سے خورشید جس کے قبے کی
پلک جھپکنے سے یک ذرہ بھی نہیں رہتا

زبس کہا ہے مرصع اُسے جواہر سے
کہ ہے کان لعل سے خالی گہر سے ہے دریا

اگر نہ ہووے یہ کمخاب واں کے مصرف سے
نہ پاوے لعل یہ قیمت نہ دُر کو ہویہ بہا

جہاں آئینۂ مہر، مہ نہ ہو روشن
غبار درے یہ اُس کے اگر نہ پائیں جلا

بسان دیدۂ پر آب عاشقاں جاری
ہے اُس کے صحن میں اک حوض لخر کوثر کا

دکھاؤں کس کو میں اُس گنبد طلا کا عکس
کہ جس طریق ہے پانی میں اُس کے جلوہ نما

ہوا ہے دل کو یقیں یہ کہ حوض کوثر میں
کرے ہے آن کے گردوں سے آفتاب شنا

ایک قصیدے میں جنگ کا منظر دکھایا ہے - شجاع الدولہ اور

حافظ رحمت خاں کی جنگ کا ذکر ہم تمہیدی حصے میں کر چکے ہیں - سودا نے اُس کے واقعات کو بڑی خوبی سے قلمبند کیا ہے - فوجوں کی ترتیب اور اُن کے لڑنے کے طریقوں وغیرہ کا نہایت واضح خاکہ کھینچا ہے - ایک مقام نقل کرتا ہوں - ملاحظہ ہو کس خوبی سے جنگ کا سماں دکھایا ہے: —

تھی سامنے ہمارے جو فوج ہراولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار

سنتے ہیں اب ہر ایک سے اُس فوج کے بھی
سر کردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار

محبوب اور بسالت و لطافت تھے یک طرف
یک سو تھا مہر سید علی مستعد کار

لیکن انھوں کو آدمی کہیے کہ دیو دد
اُن کا قدم وفا میں یہ پایا ہم استوار

ایدھر سے بان و رہکلہ و توپ متصل
پڑتی تھی پر وہ بڑھتے ہی آتے تھے سر گزار

بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اِس پلے پر جہاں سے جزائر کے ہووے مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اُس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

تھیں کرتیاں تلنگوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار

توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن
رنجک مثال برق چمکتی تھی بار بار

کچھال مثل رعد کے کڑکے تھی دمبدم
آواز شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار

بارود و گولہ توپ میں تھا یا وہ باد تھی
جن نے کہ قوم عاد اُڑائی تھی جوں غبار

فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار

ہر ایک جا بھی نظر آیا ہر ایک کو
گھوڑا اِدھر جو تڑپے ہے اودھر پڑا سوار

اڑتے تھے یوں پیادہ کہ تودے کو روئی کے
ندّاف کا کمانچہ جو دے ہے انتشار

تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہمنشیں
ساتھ اُس کے ہم پیالہ و باہم نوالہ خوار

وہ بھاگے اِس طرح کہ یہ کہتی تھی اُن کو خلق
بھاگا وہ دیکھو جائے ہے سوداں سے [illegible]ار

نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا ہے نہ جینے کا کچھ بچار

مدح کے بعد قصیدے میں حسن طلب کی باری آتی ہے - اس میں شاعر اپنا مقصد بیان کرتا ہے - شاعر کو اس میں اسقدر سحر بیانی اور افسوں کاری سے کام لینا پڑتا ہے کہ ممدوح کی طبیعت پر گراں نہ گزرے اور اگر وہ بخیل بھی ہے تو کریم بن جائے اور شاعر کا دامنِ مراد گوہرِ مقصود سے بھر دے - سودا کے حسن طلب کے دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں -
بسالت خاں کی مدح میں جو قصیدہ ہے اُس میں اپنے مقصد کو اس

طرح ظاہر کیا ہے :—

لیکن نہ سمجھیو یہ اِس گفتگو سے ہرگز
منظور مجکو تیری ہمت کا امتحاں ہو

کس واسطے کہ مجکو اتنا ہی چاہیے ہے
جامہ ہو ایک بر میں کھانے کو نیم ناں ہو

سو تو زیادہ اِس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفران نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو

اتنی ہی آرزو ہے کچھ عمر ہو جو باقی
مصرف جہاں میں اُس کا تیرے قدم کے یہاں ہو

کب جاسکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پر وہ سنگ آستاں ہو

سرفرازالدولہ کے مدحیہ قصیدے میں اپنے مطلب کا اِس طرح اظہار کیا ہے :—

فرض کہ اِس لیے تیری یہ میں نہیں کی مدح
کہ چاہوں تجھ سے میں اس کے صلے میں درہم و دام

غرض میں اِس کے صلے کے کروں میں تجھ سے عرض
قبول ہو جو مرا حرف اے ذوالاکرام

مجھے تو گوشۂ خاطر میں اپنے دے جاگہ
کہ تا بسر کروں لیل و نہار با آرام

قصیدے کی آخری منزل مقطع ہے جس کو حسن الخاتمہ بھی کہتے ہیں - قصیدے کو اس طرح ختم کرنا چاہیے کہ اُس کی ابتدائی

شان و شکوہ کے مقابلے میں پست نظر نہ آئے بلکہ خاتمے پر سامع مطمئن ہو جائے - چند مثالیں ملاحظہ ہوں : —

کرے ہے ختم دعائیہ پر اب سخن سودا
ادب سے دور ہے خدمت میں تری طول کلام

الٰہی باغ جہاں میں ہو جب تلک مانا
شبیہہ غنچہ صراحی سے شکل گل سے جام

مئے سرور تجھے دے ہر ایک عید کے دن
طرف سے ساقئ کوثر کے ساغر اکرام

عرض کروں ہوں دعائیہ پر میں ختم سخن
ادب کی مرضی ہے طول کلام ہو کوتاہ

الٰہی تا ہو جہاں تو ہو اور دنیا ہو
جہانِ خوبی ہے تو اے جہانیوں کی پناہ

—:o:—

سودا کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن
اِس جا نہیں ہے طول سخن مقتضائے داب

اس تخت پر بہ مسند اقبال بیٹھ کر
کرتا رہے تو شادی نوروز اے جناب

قصائد سودا پر اِس تفصیلی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو قصیدہ نگاری میں غیر معمولی قدرت و مہارت حاصل تھی - مصحفی نے اس کے متعلق بالکل سچ لکھا ہے کہ " نقاش اول نظم قصیدہ در زبان ریختہ او ست - حالا ہر کہ گوید پیرو و متبعش خواہد بود " - اُس نے قصیدے میں متنوع مضامین و موضوعات کو داخل کیا اور داخلی و

خارجی شاعری کا کمال دکھایا ہے - حکیمانہ خیالات اور اخلاقی تعلیمات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے - اُس کے قصیدوں میں لفظی، معنوی بیانی اور عروضی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں - ہر چیز ہمارے قدیم معیار پر پوری اُترتی ہے - اُس کے قصائد کا جواب ہماری زبان میں موجود نہیں اور اب چونکہ زمانے کا مذاق بدل گیا ہے اس لیے توقع نہیں کہ اس رنگ میں آئندہ بھی اُس کا کوئی جواب پیدا ہو۔

مثنویات

اِس سے قبل کہ سودا کی مثنویوں سے بحث کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس دور سے قبل کی مثنویوں پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ سودا سے قبل اُن کا کیا رنگ تھا اور اُس کے دور میں اِس صنف نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کی تھیں —

دکن اور گجرات میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو اِس صنف میں بھی وہاں کے شاعروں نے طبع آزمائی کی - اُن کی مثنویات کے موضوع بھی مختلف تھے - بعض مثنویاں مذہبی ہیں ' بعض اخلاقی اور فلسفیانہ ' بعض عشقیہ اور بعض تاریخی اور داستانی - بہر حال مثنوی کے جو موضوعات ہو سکتے ہیں اُن سب میں قدیم شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے - اِن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہے - اُن میں سے بہت سی روشناس ہو چکی ہیں اور حال کے محققین کی کوششوں سے اور بھی روشنی میں آرہی ہیں - قدیم دکنی اور گجراتی شعرا کے بعد اورنگ آبادی شاعروں نے بھی کئی مثنویاں لکھی ہیں - ان میں بعض بلند رتبہ رکھتی ہیں - سراج کی بوستان خیال (۱۱۹۰ ھ) ' عاجز کی لعل وگوہر ' سامی کی سرو شمشاد اور مثنوی طالب و موہن وغیرہ اچھی خاصی مثنویاں ہیں - اُسی زمانے میں شمالی ہند میں بھی شاعری کا

باضابطہ آغاز ہوچکا تھا اور کئی بلند پایہ شعرا منظر پر آ چکے تھے - دکنی مثنویاں شمالی ہند کے شاعروں کی نظر سے گزرتی تھیں ' چنانچہ اس زمانے کے تذکرہ نویسوں نے بعض کا ذکر کیا ہے - اِن قدیم مثنویوں نے شعرائے ہند پر کیا اثرات ڈالے آسانی سے نہیں بتایا جا سکتا - تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مثنوی کے میدان میں طبع آزمائی کے لیے ان قدیم مثنویوں نے موضوع و اسلوب کے لحاظ سے نمونے کا کام دیا - سودا سے قبل دہلی میں حاتم ' آبرو وغیرہم کے دور میں بعض مثنویاں لکھی گئی ہیں - چنانچہ حاتم کے دیوان کے قلمی نسخوں کی چھان بین کے بغیر دو مثنویوں کا حال نہایت آسانی سے مل جاتا ہے - حمید اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ گلشن گفتار کے دیباچے میں ایک مثنوی* کا ذکر کیا ہے جو حمد ' نعت ' منقبت وغیرہ پر مشتمل ہے - ایک دوسری مثنوی کا ذکر شفیق نے کیا ہے جس کی فرمائش محمد شاہ نے زکی سے کی تھی - اُس نے صرف دو شعر کہے تھے حاتم نے اُسے پورا کیا† - اس کے کل تیس شعر تھے - آبرو نے بھی ایک مثنوی لکھی ہے ' جس کا بعض تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے - قائم نے سب سے پہلے آبرو کی اس مثنوی کا حوالہ دیا ہے - وہ لکھتا ہے "مثنوی مدو چلچلاہ بیت درباب تعلیم آرائش خوبان روزگار بسیار سدانت موزوں کردہ" - اِن بیانات سے ظاہر ہے کہ سودا سے قبل دہلی میں مثنوی کا رواج ہو گیا تھا اور اساتذۂ وقت اِس صنف میں طبع آزمائی کرنے لگے تھے ' لیکن کوئی خاص دلچسپی اِس صنف سے نہیں

---

* عجیب بات ہے کہ میر و گردیزی نے اسی مثنوی کے چند شعر زکی سے منسوب کیے ہیں -

† دیباچۂ دیوان زادہ میں اس مثنوی کا ذکر موجود ہے اس کے سوا مثنوی قہوہ کا بھی -

لی جاتی تھی - اس کا سبب محض ایہام گوئی ہے - ایہام کی صنعت صرف غزل میں نبھ سکتی تھی - مثنویوں اور قصیدوں میں اس کا نبھانا مشکل ہے - یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی اعلیٰ اور ادبی و شعری لحاظ سے بلند پایہ مثنوی نہیں لکھی گئی - سودا کے زمانے میں میر نے بھی کئی مثنویاں کہی ہیں اور اس کے بعد سے مثنوی کا رواج بڑھتا گیا یہاں تک کہ سودا کی وفات کے چار سال بعد (۱۱۹۹ ھ میں) اردو زبان کی مشہور مثنوی سحرالبیان لکھی گئی —

سودا کے زمانے میں مثنوی کو کئی لحاظ سے ترقی ہوئی - پہلے تو اس کے موضوعات میں تنوع پیدا ہو گیا - دوسرے مسلسل و مربوط اور شکل و صورت اور ڈھانچے کے اعتبار سے مکمل مثنویاں لکھی جانے لگیں - چنانچہ صرف سودا کے ہاں مثنوی کے حسب ذیل موضوعات ملتے ہیں - ہر موضوع کے تحت ہم اس کی مثنویوں کے نام بھی درج کر دیتے ہیں —

(۱) عاشقانہ —

اس موضوع پر سودا کی صرف ایک مثنوی ہے - قصۂ پسر شیشہ گر -

(۲) ھجویہ —

اس موضوع پر حسب ذیل مثنویاں ہیں -

(۱) ھجو پہل راجا نرپت سنگھ - (۲) ھجو شدی فولاد خاں - (۳) ھجو امیر دولتمند - (۴) ھجو فوقی - (۵) ھجو میر ضاحک - (۶) ھجو طفل لکڑی باز - (۷) ھجو دختر دایہ - (۸) ھجو حکیم غوث -

(۹) هجو مرزا فیضو - (۱۰) حکایت تو ملی —

(۳) مدحیہ —

(۱) تعریف بادشاہ شاہ عالم و وزیر آصف الدولہ - (۲) تعریف دیوان اشعار مہربان خاں - ( ) تعریف چاہ مومن خاں - (۴) تعریف شہر آصف الدولہ —

(۴) اخلاقی —

مثنوی دربارۂ زن و شوہر ۔

(۵) ادبی تنقیدی —

(۱) معانی بیت مولانا روم - (۲) سبیل ہدایت —

(۶) خط و کتابت —

(۱) خط در اشتیاق - (۲) خط در شکایت —

(۷) فطری مناظر وغیرہ —

شکایت موسم گرما -

یہ کل بیس مثنویاں ہیں جو مختلف سات موضوعات پر تقسیم ہو سکتی ہیں - اِن میں وہ مثنویاں شامل نہیں ہیں جو الحاقی ہیں- اِن مثنویوں پر نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہے کہ سودا کے زمانے میں مثنوی نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کر لی تھیں- بے شبہ اِن موضوعات کے علاوہ قدیم دکنی اور گجراتی مثنویات دوسرے وسیع اور بلند موضوعات پر ملتی ہیں لیکن شمالی ہند میں سودا کے دور سے قبل مثنوی کے اتنے موضوع مقرر نہیں ہوئے تھے-

دیکھنا یہ ہے کہ سودا نے موضوعاتِ مثنوی میں تنوع پیدا کیا تھا یا اُس کے معاصرین نے ؟ صرف 'میر' ایسا شاعر ہے جو مثنوی کا بلند پایہ استاد سمجھا جاتا ہے - یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ سودا نے پہلے مثنویاں لکھیں یا میر نے - اکثر مثنویوں میں کوئی قرینہ تعین زمانہ کا نہیں ملتا لیکن چونکہ سودا نے میر سے بہت قبل شاعری کر دی' یہاں تک کہ جب اس کی شاعری کی دھوم اور عام شہرت تھی تو اس وقت میر کی ابتدائی مشق تھی - سراج الدین نے لکھا ہے : —

جن دنوں میں حاصل تھا سخن کا اوسے کمال
تھی میر کی تب مبتدی یانہ بھی نہ تقریر

اس لیے یہ قرین قیاس ہے کہ مثنوی کے میدان میں پہلے سودا نے طبع آزمائی کی اور ایجاد و تقدم کا فخر اسی کو حاصل ہے —

اِس کے بعد ایک بات اور فیصلہ طلب رہ جاتی ہے کہ دونوں میں اہمیت اور افضلیت کس کو حاصل ہے - اس کا فیصلہ دونوں کی مثنویوں کے موازنے سے ہوسکتا ہے لیکن چونکہ دونوں کی مثنویوں کے اکثر موضوعات مختلف ہیں اس لیے موازنہ و مقابلہ بھی اصولی طریقے سے نہیں ہوسکتا! البتہ تین موضوع ایسے ہیں جن میں دونوں کی مثنویات موجود ہیں - وہ موضوعات یہ ہیں : - ہجویہ' عشقیہ' تعریف شکار - ہجویہ میں میر صاحب اپنی قنوطیت پرست طبیعت کی وجہ سے ہیٹے ہوں جیسا کہ تمام اساتذۂ تنقید کا متفقہ فیصلہ ہے اُن کے کلیات میں ہجویہ مثنویاں موجود ہیں لیکن ہجو نگاری کے اعتبار سے اُن کا پایہ بہت گرا ہوا ہے - عشقیہ میں سودا میر کا مقابلہ نہیں کرسکتا - اِس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سودا کو اس موضوع سے بالکل دلچسپی نہ تھی - وہ خود لکھتا ہے :—

کہا سودا نے حضرت کو تو ہے خبط مجھے قصہ کہانی سے ہے کیا ربط

اسی ناموافقت طبع کی وجہ ہے کہ سودا نے عشقیہ مثنویاں بہت ہی کم کہی ہیں- ہمیں اب تک متعدد قلمی دواوین کی چھان بین کے بعد اُس کی صرف ایک عشقیہ مثنوی ملی ہے اور وہ بھی ایسی ہے کہ میر صاحب کی مثنویوں کی روئدادوں سے مختلف و متضاد ہے - ایسی صورت میں میر و سودا کو عشقیہ مثنوی کے میدان میں مقابلے کی خاطر لا کھڑا کرنا کسی طرح مناسب نہیں —

آصف الدولہ کے شکار کی تعریف میں میر اور سودا دونوں نے مثنویاں لکھی ہیں - سودا نے صرف ایک مثنوی لکھی ہے جس کا سال تصنیف ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۵ھ کے درمیان پڑتا ہے - میر صاحب نے ۱۱۹۷ھ یا اس کے بعد شکار نامے لکھے ہیں - اس لحاظ سے اس موضوع میں سودا کو میر پر تقدم زمانی حاصل ہے - میر کے سامنے سودا کی کہی ہوئی مثنوی کا نمونہ موجود تھا - اُس نے اُس پر ضرور اضافے کیے - اس موضوع پر سودا کی مثنوی میر صاحب کی مثنویوں کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی - اِن موضوعات کو چھوڑ کر میر صاحب کے ہاں مثنوی پر بہت کم کلام ہے - مثنوی کے موضوعات اور ظاہری شکل اور ڈھانچے کا جہاں تک تعلق ہے ' سودا کو افضلیت حاصل ہے اور داخلی خوبیوں اور ادبی لطافت و شعری حسن کے اعتبار سے میر کا درجہ بلند ہے —

یہ موازنہ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ سودا کو مثنوی کی صنف میں کیا رتبہ حاصل ہے - اس نے مثنوی کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور اس کے مضامین کو غیر معمولی وسعت دی - اس کے زمانے ہی میں اس کے شاگردوں نے اس صنف میں مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی- قائم ' شیدا ' ممتاز وغیرہ ہم کی کئی بلند معیار مثنویاں موجود ہیں - یہ سب سودا کا اثر تھا —

ان تمہیدی سطروں کے بعد ہم سودا کی مثنویوں کو تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھیں گے اور اُن کی ظاہری و معنوی خصوصیات اور معائب و محاسن سے بحث کریں گے ۔

سب سے پہلے ہماری نظر ایک عشقیہ مثنوی پر پڑتی ہے جس کی داخلی و خارجی خصوصیات جانچنے کے لئے ہم پہلے اُس کی روداد کا خلاصہ درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔۔

حمد ' نعت اور منقبت کے بعد سودا نے موسم بہار پر کئی شعر کہے ہیں اس کے بعد قصے کی تمہید لکھی ہے اور اصل قصے کو اِس طرح شروع کیا ہے :-
ایک مشہور عابد تھا ۔ جس کے کئی مرید تھے ۔ وہ دل سے کعبہ کا عزم رکھتا تھا ۔ ایک روز سودا سے اتفاقی ملاقات ہوئی ۔ اُس عابد نے قصد کعبۃ اللہ ظاہر کیا اور کہا مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی نجات حاصل کرے اور تمام گناہوں کو دھو ڈالے ۔ خانۂ کعبہ کی زیارت عفو جرائم کا باعث ہے ۔ تو بھی میرا ساتھ دے ' کہاں تک رندی و بت پرستی کرے گا ' خدا سے دل لگا اور میکدے سے منہ موڑ ۔ یہ سن کر سودا بھی تیار ہو گیا ۔ اسباب سفر دونوں نے درست کیا اور روانہ ہوئے ۔ پانچویں منزل پر قزاقوں نے گھیرا ۔ تمام مال و اسباب اس بیدردی سے لوٹا کہ تسبیح کا تار تک نہ چھوڑا ۔ اس عابد نے سودا سے مشورہ کیا کہ اب کیا تدبیر ہے ؟ سودا نے جواب دیا کہ اب گھر جاکر کیا منہ دکھائیں ' جب عزم کر لیا ہے تو پورا کر دکھائیں ۔ عابد نے کہا تم مسئلہ مسائل سے بالکل ناواقف ہو ۔ طوفِ حرم ذی مقدور پر فرض ہے ۔ آج مال گیا آگے جان کا خوف ہے ۔ مریدوں نے بھی متفق ہو کر سودا سے کہا کہ حضرت کا سخن معقول ہے ۔ اس بے نوائی میں حج یہیں سے مقبول ہوگا ۔ سودا نے

کہا کہ آپ مختار ہیں - مری بات بار خاطر نہ ہو - غرض واپسی کی ٹھہری - نماز ظہر کے بعد کوچ کیا - شام ہوئی تو ایک جگہ ٹھہر گئے - زاہد راہ منفرد تھا - عابد نے کہا کہ ہمیں خواب و خور تو میسر نہیں آئے گا بہتر ہے کہ قصہ خوانی کیجیے - سودا نے فرمائش کی اس نے کہا حضرت کو خبط ہے مجھے قصہ کہانی سے کیا ربط ہے - پھر حال بپاس خاطر ایک شہر کا قصہ سنانا شروع کیا —

حلب میں ایک شیشہ گر کا لڑکا تھا - ماں باپ کا لاڈلا تھا - حسین و پری چہرہ تھا اور ایک عالم اس پر فریفتہ تھا - باپ سے شیشہ سازی سیکھتا تھا اور بالکل بے نیاز و آزاد تھا - اتفاقاً ایک زرگر کے لڑکے پر اس کا دل آیا - اطمینان اور دلجمعی کافور ہوگئی' عشق کا روگ لگ گیا اور زندگی تلخ ہوگئی - رنگ اڑنے لگا اور خواب و خور حرام ہوگیا - ماں باپ پریشان تھے - علاج معالجہ اور جھاڑ پھونک شروع ہوگئی - بے شمار تدبیریں کی گئیں لیکن سب بے سود ثابت ہوئیں - ایک رات وہ دیوانہ وار گریبان چاک کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور گلی گلی تلاش محبوب میں ٹھوکریں کھاتا پھرا - صبح ہوئی تو ماں باپ نے اُس کا بستر خالی پایا - سراسیمہ و حیران ہو کر گلی کوچوں میں ڈھونڈھنے لگے کہیں پتا نہ پایا تو رمالوں اور نجومیوں کے در کی خاک چھانی - ایک نے ترس کھا کر بتایا کہ وہ زندہ ہے اور مشرق میں سو کوس کے فاصلے پر ایک ایسے بیابان میں سرگرداں ہے جہاں وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو اپنی جان سے بیزار ہے - باپ نے کہا اُس کے بغیر یہ زندگی بے کار ہے - گھر آیا - احباب کو ملجم کا سخن سنایا - اُن میں سے اکثر تیار ہو گئے اور اس

کے ساتھ منزل بمنزل راہ طے کرنے لگے - ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں
سب کی کمر ہمت ٹوٹ گئی - باپ نے جراءت کی اور آگے بڑھا - ایک
لق و دق صحرا نظر آیا کہ جسے دیکھ کر شیر کا جگر بھی شق ہوتا تھا -
اندر داخل ہوا تو عجب نظارہ تھا - کہیں آگ سے جنگل دہک رہا تھا ،
کہیں سیاہ بادل امنڈ رہے تھے ، کہیں اژدہے تھے اور کہیں خوف ناک
جانور - کہیں آواز گریہ تھی ، اور کہیں صدائے خندہ - اس تیرہ و تار
ویرانے میں امید کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آئی - آگے بڑھا تو
دیکھتا کیا ہے کہ ایک آوارہ و بے خانماں نوجوان بیٹھا ہے - صحرا کی
وحشت سے زیادہ اُس پر وحشت برس رہی تھی - آنکھیں خوں چکاں
تھیں ، کانٹوں سے تلوے چھد گئے تھے ، منہ پر گرد اٹی ہوئی تھی - باپ
نے بے قرار ہوکر نام لے کر پکارا ، اُسے متوجہ کیا اور بڑی منت و سماجت
سے یہ وعدہ کیا کہ اس کا کہا مانا جائے گا - بہت بہلا پھسلا کر اسے گھر
لایا - ایک روز پھر اس پر وحشت طاری ہوئی اور عالم جنوں میں
چل نکلا - پیچھے پیچھے ماں باپ گریہ و زاری کرتے ہوئے رواں دواں
تھے - اور لوگ بھی از راہ ہمدردی ساتھ ہولیے اور سمجھا منا کر پھر
واپس لائے - لیکن حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور جوش جنوں انتہا
کو پہنچ گیا - والدین نے مجبوراً اس کو پابہ زنجیر کیا - ابھی تک راز
محبت آشکار نہیں ہوا تھا - لیکن تابہ کے - روئی میں چنگاری کب تک
چھپ سکتی ہے - آخرکار یہ راز فاش ہوا - اس کی زبان سے اشعار جاری
ہونے لگے کہ شراب عشق زہر ہے ، محبت کی موج کالے کی لہر ہے - یہ
سنتے ہی سب نے بات پالی اور تفتیش حال میں لگ گئے کہ کس کے

دام عشق میں گرفتار ہے - یہ عقدہ ابھی کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ عاشق کے جذب کامل اور کشش صادق نے زور کیا؛ مطلوب نے خواب دیکھا کہ اُس کے ایسے ایک نا مراد اس طرح غم والم اور رنج و محن کا شکار ہے - بے قرار ہو کر گھر سے طالب کی تلاش میں نکلا - آوارہ زنجیر پر تھکا اور بے تاب ہو کر اس کے قدموں پر جا گرا - ضبط و تمکین کھو کر کہنے لگا کہ میں تیرے عشق کے قربان ' میری جان تجھہ پر نثار - یہ سخن طالب کے کان میں پہنچا تو وہ ہوش میں آیا - دونوں نے نہایت درد ناک اور دل دوز باتیں کیں فرط شوق سے بے خود ہو کر بغلگیر ہوے اور دونوں بحر آتش کی طرح مل کر اس طرح روئے کہ دیکھنے اور سننے والے بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے - مدعا اس قصے کا یہ ہے کہ طلب صادق اور عشق محکم بڑی چیز ہے - اور دنیا کی کوئی قوت راہ محبت میں مانع نہیں ہوسکتی - خدا سے محبت کرنے کا بھی یہی حال ہے - اگر اس سے سچی محبت ہے تو بیڑا پار ہے - پھر قزاقوں سے لٹنے کا کیا غم - لت جانا طوف حرم سے کیونکر باز رکھہ سکتا ہے —

یہ بظاہر عشقیہ مثنوی ہے لیکن اس کا انجام ناصحانہ ہے - عشق و محبت کی داستان ہے مگر وہ بھی کچھہ بے جوڑ سی - عشق محکم کا سبق دیا ہے اور قصہ گھڑ لیا ہے - روئداد میں تصنع اور بناوٹ صاف طور سے نمایاں ہے - اس میں فطری پن مطلق نہیں - اس میں وہی باتیں ہیں جو ہم اس دور کی اور اس کے بعد کی مثنویوں میں دیکھتے ہیں - اچانک عاشق ہونا ' عشق سے خراب و خستہ حال ہونا ' رمال اور نجومیوں سے مدد چاہنا ' عاشق کا صحرا نوردی کرنا وغیرہ وغیرہ سب رسمی لوازم ہیں -

بہت کم اشعار اِن سے خالی ہیں - یہ ہماری افسانوی پیداوار کے اجزاے لاینفک ہیں - اس رسمی التزام کے قطع نظر سودا نے مثنوی لکھنے میں بڑی استادانہ صفائی سے کام لیا ہے - اور عشق و محبت کے اثرات اور کیفیات بڑی ہنرمندی سے دکھاے ہیں - ایک سچے عاشق اور حقیقی طالب پر جو کچھہ گزرتی ہے اس کے بیان کرنے میں صداقت برتی ہے - مبالغہ ہے لیکن ناگوار اور گراں نہیں - جذب عشق کے غلبے سے بیقرار ہوکر عاشق گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہے اور رات جس طرح کاٹتا ہے اس کا نقشہ کھینچا ہے :—

کہ یک شب پھاڑ کر اپنا گریباں
برنگ گل وہ گل رو تا بہ داماں

چلا اس طرح گھر سے بے سروپا
کہ جاتا ہوں کدھر جا کر کروں کیا

ولے وہ شب تھی ایسی تیرہ و تار
کہ ہو روز سیہ کو جس سے زنہار

عجب شب تھی بہ زیر چرخ وہ شب
بھری ہو جوں دوات اندر مُرکب

چراغ و شمع کا یوں نور نایاب
سیاہی میں ہوں جیسے قطرۂ آب

ثوابت یوں فلک پر تھے سراسر
عرق کے قطرے جوں زنگی کے ملے پر

ہوئی تاریک یاں تک چشم انجم
کہ وہ کی صبحۂ سیارہ نے گم

اور ایسے وقت وہ مجنونِ دلریش
ہوا راہی نہ دیکھا کچھ پس و پیش

تن تنہا وہ اور کوئی نہ تھا ساتھ
کہ ڈگتے پانو کو تھانبے پکڑ ہاتھ

چراغ داغ دل چھٹ روشنی اور
نہ تھی پسکی بلندی جس سے ہو غور

نہ تھا وہ یوسف ثانی کچھ آگاہ
کہ میرے سامنے خندق ہے یا چاہ

کسی در پر گرے تھا کھا کے ٹھوکر
کسی دیوار سے جا لاگتا سر

گرے تھا جا بجا یا جان ناشاد
فغاں کرتے میں اور اٹھتے میں فریاد

کٹے تھی اُس کو ہر کوچے میں یوں رات
کھڑکتا باؤ سے پھرتا ہو جوں پات

بیاں کیا کیجیے اس رات کا طول
فلک گویا سحر کرنا گیا بھول

عاشق ہونے کا ذکر کیا ہے اور عشق کی کیفیات بیان کی ہیں : —

قضا کا کیا کہوں آگے میں نیرنگ
کہ مارا اُس پہ ناکہ عشق نے چلنگ

ہوا مائل وہ اک زر گر پسر پر
دیا آئینۂ دل اک نظر پر

بہار اُس کی خزاں کرنے لگی زرد
نسیم آسا لگا بھرنے دم سرد

کبھو آنکھوں میں اپنے اشک بھر لائے
کبھو ہلس کر وہ آپ ہی آپ رہ جائے

جو پوچھو کیوں ہے تیرا رنگ کاہی
کہے معقول بولے گاہ واہی

رہے وہ صبح سے تا شام بے خواب
کہ جیسے چودھویں شب کا ہو مہتاب

کہا کرتے تھے ہمدم اس کو رو رو
خدا کے واسطے تو ایک دم سو

سوے کس کروٹ آجی پر بنی تھی
کہ ہر مو تن پہ برچھی کی انی تھی

نگہ کرتا تھا حیرت سے پھر سو
حباب آنکھیں تھیں گویا بر لب جو

نہ فکر روزی و نا خواہش قوت
ہوا زرگر پسر کو دیکھ مبہوت

صحرا میں عاشق کی زار و زبوں حالت کا نقشہ دکھایا ہے :—

نظر آیا اُسے یوں اس کا دلبند
کہ اُس میں وحشت اُس صحرا سے دہ چند

دل اس کا واں نہ تھا خوف و خطر میں
وہ صحرا بلکہ تھا اُس سے حذر میں

بہے تھا گرم یہ آنکھوں سے خوں ناب
کہ تھا گرد اُس کے اک آتش کا گرداب

جمی تھی چہرے اوس کے پر زبس گرد
کرے پاک اُس کو ایسا کون تھا مرد

وہ آنکھیں جس پہ جی دیتا تھا عالم
نہ تھیں کچھ رخنۂ دیوار سے کم

پڑے تلووں میں خار دشت سے چھید
قدم تک موئے سر تھے صورت بید

اِن کیفیات و اثرات کے علاوہ بعض مناظر بھی دکھائے ھیں۔ اس صحرا کا ذکر کیا ھے جس میں عاشق مجنوں وار خاک چھان رہا تھا:—

نظر آیا عجب صحرا لق و دق
کہ دیکھے سے جگر ہو شیر کا شق

عجب وہ موضع خوف و خطر ناک
دیا اُن کو دکھائی زیر افلاک

بیاباں تھا وہ ایسا وحشت انگیز
کہ وحشت جس کی تھی عالم کی خوں ریز

نہ جائے چند کی اُس سمت آواز
کرے بوم اُس طرف ملہہ کرنہ پرواز

کسی روئیدگی سے تھا نہ واں پات
ہزاروں طرح کی اُس جا بلیات

نظر آئیں وہ حالات عجائب
نہ دیکھا ہو لے وہ غرائب

کبھو آتش سے جوں دھکے ھے جلنگل
کبھو اِس طرح جوں برسے ھے بادل

کہیں نظروں میں تھے واں روز و شب گم
کہیں تھے یک جگہ خورشید و انجم

کبھے واں سوز تھا اور گاہ واں ساز
کبھے رونے کی کبھے ھنسنے کی آواز

ہوا کا نام اوس جا تھا نہ زنہار
مگر تھی اُس جگہ اژدر کی پھنکار

نظر آتا کبھو اُن کو جو وہ دشت
تو جھکتے دیکھ مخدوم جہاں گشت

مثنوی مربوط و مسلسل ہے ' جزئیات اور تفصیلات عمدگی سے ادا کی گئی ہیں - غیر فطری اور مافوق العادت عناصر ہیں لیکن بہت کم - روئداد میں کوئی خاص دلچسپی نہیں - اِس کی وجہ محض یہ ہے کہ روئداد معاشقہ غیر فطری ہے - مرد کا مرد پر عاشق ہونا اور حقیقی اور بے لوث محبت کے اثرات دکھانا اور اس کا اخلاقی سبق دینا کسی طرح خالص عشقیہ داستان کا لطف نہیں دے سکتا - جو لطف اور جان عشقیہ داستان میں ہے وہ اخلاقی نظم میں نہیں - اس کا خاتمہ بھی غیر موثر ہے - اس میں شبہ نہیں کہ شاعر نے اپنی قادر الکلامی سے اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے لیکن زبان اور اسلوب بیان نے شاعر کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیا - اس کی زبان اور بیان دونوں مثنوی کے لیے کچھ زیادہ موزوں نہیں - عشقیہ داستان کے خاتمے پر جو لطایف تاثرات مترتب ہوتے ہیں وہ اس سے پیدا نہیں ہوتے - مثنوی کے خاتمے کو ہم آخر کے چار شعر چھوڑ کر نقل کرتے ہیں : —

ہوا زرگر پسر جوں اس میں موجود محبت یوں ہو تو ہو عبد معبود
محبت حق کی جس میں یوں درآئی کرے ہے بندگی میں وہ خدائی
جو حق کے عشق میں ثابت قدم ہو مکان دیر بھی اس کو حرم ہو
جو آگے اس کے ہو دیوار یا در نہ سمجھے حق سے خالی ہے یہ اب گھر

خدنگ عشق کو ایسے کے مانے جو اُس کو ہر جگہ حاضر نہ جانے

اس میں طربیہ کی وہ شان کہاں جو قاری اور سامع کے دل کو متاثر کردے - یہ معلوم ہوتا ہے کہ واعظ نے اپنے وعظ کے دوران میں ضرورتاً کوئی قصہ بیان کیا اور اس سے اخلاقی یا حکیمانہ نتیجہ استنباط کر لیا - حقیقت یہ ہے کہ سودا کو عشقیہ مثنوی سے کوئی لگاؤ نہ تھا - اس نے خود لکھ دیا ہے کہ مجھ سے قصہ کہانی کی توقع رکھنا خبط ہے -

ہجویہ -

مثنویوں کا دوسرا موضوع ہجو ہے - اس میں سودا کا رتبہ بہت بلند ہے اردو کا کوئی شاعر اس موضوع کے میدان میں سودا کا مقابلہ نہیں کر سکتا - اس موضوع پر اس کی گیارہ مثنویاں ہیں جو زبان و بیان کی پختگی کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتی ہیں - اس کے سوا شاعر کے تخیل کی شوخیاں بھی جگہ جگہ جلوہ گر ہیں - ہم نے ہجویات کے تحت اس پر بحث کی ہے - وہاں اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ مثنوی ہجو نگاری کے لیے کیسا وسیع میدان ہے اور اس میں سودا نے اپنے تخیل اور زور طبع کی کیا جولانیاں دکھائی ہیں - اردو زبان میں اب تک کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جس نے مثنوی میں ہجو نگاری کا کمال دکھایا ہو —

مدحیہ -

بعض مثنویاں ایسی ہیں جن میں امرا و سلاطین کی مدح کی

گئی ہے - مدح وقدح تو سودا کے خاص میدان ہیں - مدح نگاری کی جو شان قصائد میں ہے وہ ان مثنویوں میں نہیں اور نہ مثنوی کی زمین مدح کے قابل ہے - تاہم اپنے زور طبع سے اس میں بھی سودا نے گلفشانیاں کی ہیں - یہ مثنویاں کل چار ہیں - ایک شاہ عالم بادشاہ اور نواب آصف الدولہ کی مدح اور دعا پر مشتمل ہے - یہ اکیس شعر کی مثنوی ہے جو خان عالم بہادر کی فرمائش سے لکھی گئی ہے - اس میں ان کی بھی تعریف ہے - اس میں دعا اور سرسری مدح کے سوا کچھ بھی نہیں - دوسری مثنوی مہربان خاں رند کے اشعار کی تعریف میں ہے - اُس کے کل اکتالیس شعر ہیں - پہلے اشعار کی تعریف ہے اس کے بعد مہربان خاں کی سخاوت و شجاعت کی تعریف ہے - دعا پر خاتمہ کیا ہے - درمیان میں مہربان خاں کے اُستاد سوز کی تعریف و سفارش کی ہے - دیوان رند کی ظاہری شکل کی تعریف ذیل کے الفاظ میں کی ہے - اور دو شعروں میں اُس کے حسن بیان کا بھی ذکر کیا ہے :-

یہ سفینہ ہے رشک ابر بہار ہر ورق اُس میں قطعۂ گلزار
اُس کے ہوتے نہ کر چمن پہ نظر شعر اُس میں ہیں گل سے رنگیں تر
اُس کے پٹھوں پہ جلد کی یہ بہار در باغ بہشت کے ہیں کواڑ
صرف شیرازہ جو ہوا تیار ہے رگ جان عاشقان زار

لعل سفتہ لب ودہن تیرا در شہوار ہے سخن تیرا
تجھ دہن میں زبان سحر طراز ناطقے کی ہے تکیہ گاہ ناز

اِس مثنوی میں بھی قصیدہ کی ہلکی سی جھلک آجاتی ہے - تیسری

مثنوی ایک کلوئیں کی تعریف میں ہے جس کو شاہ مرداں دہلی میں مومن خاں نامی کسی شخص نے تعمیر کرایا تھا* - اِس میں وہ مبالغہ ہے کہا کہ مثنوی پر قصیدے کا رنگ جم گیا - کلوئیں کے پانی کی خنکی کا ذکر ہے : —

ڈگڈگا کر اگر کوئی پیوے　　　تا نہ اوڑھے لحاف کب جیوے
شور شورے کا اُٹھ گیا یکبار　　　ہو گیا سرد برف کا بازار
برف والے جہاں تلک ہیں اب　　　گرد و پیش اُس کلوئیں کے آکر سب
کہتے ہیں ہائے چاہ مومن خاں　　　گھر ہمارے کو کر دیا ویراں

چوتھی مثنوی آصف الدولہ کے شکار کی تعریف میں ہے - نواب کو شکار کا انتہائی شوق تھا - ایک محل ہی الگ تعمیر کرایا تھا جس میں شکار کے موقع پر جا کر قیام کرتا تھا - شکار کے ایک موقع پر سودا نے ۳۵ شعر کی ایک مثنوی لکھی ہے جس میں مدح کا رنگ غالب ہے - شکار کی کیفیت، اُس کے طریقے، راستے اور مناظر وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں - آغاز ہی ایسا کیا ہے کہ اُس میں قصیدے کا رنگ جھلکتا ہے : —

سر صفحہ پر آج یوں صبحدم　　　لگا دست سودا میں کھلنے قلم
جو اِس عہد میں ہند کا ہے وزیر　　　بہمت جوان و بہ تدبیر پیر
بدہر آصف الدولہ جس کا ہے نام　　　سلیماں شکوہ و ذوی الاحتشام

اس کے بعد عزم شکار کا حال ہے - مختلف جانوروں کا ذکر ہے - شکار کھیلنے کا تو حال لکھا ہے لیکن تفصیلات نہیں صرف چند تعریفی الفاظ ہیں : -

سنی جس طرف کو خبر شہر کی　　　پہنچنے میں ہرگز نہ واں دیر کی

* سرو آزاد

جو کیسا ہی وہاں شیر تھا منگرا | تو کھال اُس کی بھی کھینچ کر بھس بھرا
ہوے شیر بیشوں میں اِتنے شکار | کہ باہر پڑے تھے زحد بے شمار
کیا دشت و بیشہ جو شیروں سے پاک | پڑی شیر کے مار نے کی یہ دھاک
رکھا نام پھر اُن نے از خوف جاں | کہ جس شخص کا نام تھا شیر خاں
درندوں سے جب صاف جنگل کیا | تو خیمے میں تشریف فرما ہوا
رہے دیکھ حیراں صغیر و کبیر | جب آئے سے اُٹھ بھاگے قالین کے شیر
زمیں سے فلک تک جو پہنچا یہ ذکر | پڑی اپنی برج اسد کو بھی فکر

اس مثنوی میں موقع تھا کہ مناظر اور راستوں وغیرہ کی تصویریں دکھائی جاتیں ' جانوروں کی خصوصیتیں بتائی جاتیں ' اسلحۂ شکار کا ذکر کیا جاتا اور ہر ایک کے شکار کرنے کے طریقوں کو وضاحت سے بیان کیا جاتا - اِن کے علاوہ اور بھی کئی باتیں تفصیل طلب تھیں - لیکن چونکہ شاعر کا مدعا محض تعریف تھا اس لیے وہ اس سے آگے نہیں بڑھا -

---

چوتھی مثنوی مہربان خاں کی مُہر کی تعریف میں ہے جس میں خلاف معمول بہت کم یعنی سات شعر ہیں —

اخلاقی -

ایک مثنوی ہے جو خالصتاً اخلاقی نصیحت سے تعلق رکھتی ہے - سودا کا ایک دوست نہایت حسین تھا جس کی شادی سوءِ اتفاق سے ایک بد صورت عورت سے ہو گئی تھی - وہ تھی تو نیک سیرت اور اطاعت شعار لیکن اپنے شوہر کی نظروں میں ہرگز محبوب نہ تھی - شوہر اپنی شریک

زندگی کی اس بد صورتی پر کڑھتا اور گھلتا تھا - اِس غم میں جلد ہی دنوں میں اپنا مشہور آفاق حسن کھو بیٹھا - سودا سے ملاقات ہوئی وہ دیکھ کر بہت حیران ہوا - حسن و زیبائی کی تباہی کا سبب پوچھا - اس نے اپنا دکھڑا رویا - سودا نے اُسے مختلف پیرایوں میں مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ اصل حسن سیرت کا ہے صورت ایک اضافی چیز ہے - اپنے زمانے کے اُن حسینوں کا ذکر کیا جو اِس دار فانی سے گزر چکے تھے اور جن کے غم نے دل میں زخم ڈال دیے تھے - اِس کے بعد اپنے دوست کو نصیحت کی ہے کہ کسی ایسے سے دل نہ لگا جو باعث رنج و غم ہو - دنیا فانی ہے - ظاہری شکل و صورت کا کیا اعتبار - اِس مثنوی میں بعض باتیں فصلاً بہت مفید اور کام کی ہیں -

(۱) شادی کے بعض رسوم اور معاشرتی آداب کا ذکر آگیا ہے جو اُس زمانے میں رائج تھے - جلوے اور آرسی مصحف کی رسموں کا ذکر کیا ہے:-

ڈومنی جلوہ لگی دینے جونہیں　　اور وہاں ماتھا میرا ٹھنکا وو ہیں

آرسی مصحف لگا جب دیکھنے　　آسمان اوپر لگا تب دیکھنے

دلہن اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ کس کس سے پردہ کیا جائے : -

جس سے اب فرمائیے اُس سے چھپوں

کس کے آگے ہوں میں اور کس سے چھپوں

(۲) اس زمانے کے بعض حسینوں کے نام اس میں مل جاتے ہیں جن کو سودا نے بڑی حسرت سے یاد کیا ہے - وہ نام یہ ہیں : -

عبدالحی تاباں، سلیمان، مصری، عزیز، مالک، مہر قطبی اور گمانی —

اس مثنوی میں سودا نے شاعرانہ صناعی اور استادانہ ہنرمندی

سے کام لیا ہے اور تشبیہ و استعارہ کے پردے میں مضمون کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ شادی کے بعد اپنے دوست کے حسن و رعنائی کے بگڑ جانے اور رنگ و روغن کے اُڑ جانے کا ذکر کیا ہے: —

پڑ گئی ہیں منہ کے اوپر جھائیاں زنگ پر بھی آگئی ہیں سیاہیاں
چہرہ افسوس ہے سارا بدنما رنگ منہ کا اُڑ گیا جیسے ہما
چاند پر بادل کہ جیسے چھا گیا اور چہ جوں مغربی کو کھا گیا
منہ پہ سبزی اور سیاہی جم گئی جس طرح پانی پہ کائی جم گئی
ہو گیا اک مرتبہ ہی سبز رنگ جیسے آئینہ کو کھا جاتا ہے زنگ

آرسی مصحف دیکھنے لگا تو دلہن کی صورت نظر آئی: —

جو ہیں پڑتی ہے میری اس پر نگاہ ہے گویا اک پارۂ ابر سیاہ
آنکھ سے آنسو چلے بے اختیار جیسے برسے ہے کوئی ابر بہار
ابر غم کا دل کے اوپر چھا گیا آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا
دیکھتے ہی جی گیا اپنا دہل روح قالب سے گئی وہیں نکل

مثنوی کی روداد تو بہت معمولی ہے اور جو اخلاقی نصیحت دی ہے وہ بھی عام اور معمولی ہے تاہم زبان و بیان اور قوت و زور کے لحاظ سے یہ مثنوی بلند پایہ رکھتی ہے۔

ادبی تنقید۔

اس موضوع پر صرف دو مثنویاں ہیں۔ پہلی میں مولانا روم کے ذیل کے شعر کے معانی کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے —

همچو سبزه بارها روئیده ام   هفتصد و هفتاد قالب دیده ام

اس شعر کو اہل علم مختلف معانی پہناتے ہیں ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ سبزہ کی طرح سو بار اُگا اور سات سو ستر قالب دیکھے - اِس سے تو تناسخ ظاہر ہوتا ہے جو یقیناً شدید کفر ہے - مولانا روم یہ الحاد آمیز خیال کیونکر ظاہر کر سکتے تھے اور ایک کلمۂ کفر اپنی زبان سے کس طرح نکال سکتے تھے - اِس کے حقیقی معانی کا سمجھ میں نہ آنا شعور کا قصور ہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ مستی کا کلام ہے اور جب تک مئے عرفاں کا جام نہ پیئں یہ رمز سمجھ میں نہیں آسکتا - مولانا اس طرح کہہ جاتے ہیں - سودا نے یہ معنی بتائے ہیں کہ اُگنے سے مدعا نشو و نما ہے اور ہر جگہ خودی کرنے سے مراد فنا ہونا ہے - قالب سے مراد ہر ایک کا دل ہے؛ چاہے نیک ہو یا بد، انسان ہو یا جانور ہو یا پرندہ - قالب دیکھنے سے مطلب اُن کی سیر کرنی ہے - مدعا یہ ہے کہ میں نے ہر جگہ سیر کی اور ہر ایک کے دل کو ٹٹولا سوائے خدا کی ذات کے کوئی چیز نظر نہ آئی -

مدعا اُگنے سے ہے نشو و نما   ہر جگہ کرنا خودی سے ہو فنا
ہے غرض قالب سے دل ہر ایک کا   خلقت خالق میں بد اور نیک کا
لیکے انسانات سے تا وحش و طیر   دیکھنی قالب سے مطلب اُن کی سیر
یوں کلام مولوی دے ہے خبر   یعنی میں جس دل میں دیکھا بیٹھ کر
کچھ نظر آیا نہ غیر از اُس کی ذات   اِس قدر پایا محیط کائنات

دوسری مثنوی سبیل ہدایت ہے جس میں تقی مرثیہ گو کے سلام اور مرثیہ پر ناقدانہ اعتراضات کیے ہیں - اِس کا ذکر ہم نے تفصیل کے ساتھ تصانیف سودا کے باب میں کیا ہے —

خط و کتابت -

دو مثنویاں ایسی ہیں جن سے خط و کتابت کا کام لیا گیا ہے - ایک کسی خاں صاحب کے خط کے جواب میں ہے - اُن کے خط کے آنے پر جو خوشی اور مسرت ہوئی اس کا ذکر کیا ہے - خط کی رنگینیء عبارت کی تعریف کی ہے اور خاں صاحب کی اس شکایت کی تردید کی ہے کہ باوجود چند خطوط لکھنے کے سودا نے کوئی جواب نہیں دیا - شروع میں جدائی اور فرقت کا دکھڑا رویا ہے اُس کے بعد اس شکایت کا جواب دیا ہے - مثنوی میں الفاظ کا شکوہ اور صنائع بدائع کا التزام ہے - فرقت و جدائی کا ذکر اس طرح کیا ہے :—

یاد میں شب کو بیاضِ صبح کی چشمِ اختر سے لگی ہے ٹکٹکی
چشمِ طوفاں خیز ہے کیا اپنی آہ تارِ مژگاں ہے رگِ ابرِ سیاہ

یہ اٹھانوے شعر کی مثنوی ہے جس میں آداب و القاب اور خط و کتابت کے رسم و آئین کو بڑی عمدگی سے ادا کیا ہے —

ایک اور مثنوی بطور خط ہے جس میں مکتوب الیہ کے اشعار کی تعریف ہے جو اُس نے بھیجے تھے - اور اِس شکایت کی تردید ہے کہ سودا نے خط کا جواب نہیں دیا - سودا نے اس کی تردید کی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ جو شخص ملنے کا مشتاق ہے اُسے نامہ و پیام سے کیا تسکین ہوگی بہتر تو یہ ہے ملنے کی سبیل کی جائے اور فراق و مہجوری کا رنج دور کیا جائے - اِس میں کوئی خاص بات نہیں - صاف اور سیدھا خط ہے —

فطری مناظر و کیفیات —

فطری مناظر اور موسموں وغیرہ پر اردو میں بہت کم نظمیں لکھی گئی تھیں - سودا سے قبل کے دھلوی شعرا اِس موضوع سے بڑی حد تک نا آشنا تھے - سودا نے اس میدان میں طبع آزمائی کی ھے - موسم گرما پر اُس کی ۸۱ شعر کی ایک مثنوی ھے - یہ چونکہ اس موضوع پر اولین اور ابتدائی کوششوں میں ھے اس لیے ھماری توجہ کی مستحق ھے —

شمالی ھند کی گرمیاں مشہور ھیں - شاعر نے شدت گرما کو محسوس کر کے یہ نظم کہی ھے - اِس میں اُن اثرات کو دکھایا ھے جو گرمیوں کی وجہ سے مختلف چیزوں پر ھوتے ھیں - انسان، حیوان، نباتات و جمادات پر اِس موسم میں جو گزرتی ھے اُس کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ھے - پوری نظم صنائع بدائع اور مبالغہ سے آراستہ ھے - پہلے گرمیوں کے نقیب موسم بہار کا ذکر ھے - اِس موسم میں شاخ گل، گلاب، دستۂ گل اور غنچہ پر جو گزرتی ھے اُس کو اس طرح بیان کیا ھے : —

گرم ھے یہ بہار کا موسم	شاخ گل پھلجھڑی سے نہیں ھے کم
یہ پٹاخا چٹکتی وقت گلاب	کف نرگس پہ چھٹتی ھے مہتاب
دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ	اُس میں ھت پھول کے سے ھیں گے تلنگ
غنچے کھلتے ھیں یوں ھو آتش بار	گویا پھٹتا ھے داغنے میں انار

حیوانات کے حال زار کو اس طرح دکھایا ھے :—

مرغ آبی چمن میں اب جو ھے	ملہ کھلا ھی رکھے ھے جوں بطِ مے

طوطی کی گر سنے کوئی آواز　　نوحی گویا پڑھے ہے سوز و گداز
پانی کو بلبلیں پھریں بھٹکی　　طفل غنچوں کو لگ گئی چٹکی

نسیم و صبا جیسی خوشگوار اور جانفزا ہواؤں کی تاثیر کے بدلنے کو دکھایا ہے : -

ہے عرق اس سے بھی گلوں کے تئیں　　گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نہیں
گرم گل کا نہیں فقط گلگیں　　ہے جلو میں صبا کے سیکڑوں لوں

بادہ پرستوں کی تصویر کھینچی ہے :—

ہے پسینے سے میخواروں کا یہ حال　　بادہ گویا ہے آب در غربال
صاف کو ساقی کے یوں وہ دیکھیں ہیں　　آگ سے جوں جلے کو سینکیں ہیں

بہار جو گرمیوں کا مقدمۃ الجیش ہے اس کا یہ رنگ ہے تو گرمیوں کی شدت کا کیا ٹھکانا :—

ہووے جس سال یہ بہار کا رنگ　　آگے گرمی کے کیا کہوں میں ڈھنگ
شفق آفتاب شام و سحر　　آگ دے ہے جہاں کو یکسر

ان گرمیوں میں پنکھے جھلنے سے کیا حاصل - اس زمانے میں دم عیسیٰ زیادہ سے زیادہ باد سموم کی تاثیر رکھتا ہے :--

پنکھے ہاتھوں میں اور دھونکیں ہیں　　رات دن کوئلے سے دھونکیں ہیں
پنکھے سے تو تسلی اب معلوم　　دم عیسیٰ بھی ہو تو ہووے سموم

شدت گرما کی یہ تاثیر ہے کہ گدائے مُبرم اپنا سوال بھول گیا ہے - خس خانوں میں آگ لگ گئی ہے اور انسان کو سوائے زیر زمیں کہیں آرام نہیں :—

بھیک مانگے ہے شہر میں جو فقیر　　دم بدم اس کی ہے یہی تقریر

کوئی بلدہ خدا کا ایسا آئے مجھ سے یہ کس کی اب لگی کو بجھائے

سود خس خانہ پوچھنا ہے خبط آگ اور پھوس میں ہے کچھ بھی ربط

پھر تہ خانہ جائے امن نہیں اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

اس مثنوی میں گرما کے فطری اثرات کو صحیح صحیح اور بے کم و کاست بیان نہیں کیا گیا - پوری نظم شاعرانہ مبالغے سے بھری ہوی ہے - فطرت کی سچی تصویریں اس میں نہیں ہیں بلکہ محض شاعرانہ تخیل کی جولانیاں ہیں - اسی لیے فطری سادگی کی بجائے اس میں تصنع ہے - یہ دراصل شاعرانہ صناعی ہے جس میں الفاظ کی بندش ' تشبیہ و استعارہ کا التزام اور تخیل کے اختراعات ہر چیز مکمل ہے - اس نظم کی بس یہی ایک خوبی ہے —

سودا کو فطرت نگاری کے سلسلے میں گو کوئی خاص کامیابی نصیب نہیں ہوی لیکن اِس میں اس کو تقدم ضرور حاصل ہے - اس نے اس کی ابتدا کی تو اُس کے شاگردوں نے اس کو بہت وسعت دی - قایم نے موسم سرما پر ایک مثنوی لکھی جو کافی بلند معیار ہے - قائم کے سوا سودا کے دوسرے شاگردوں نے بھی اس قسم کی مثنویاں لکھی ہیں جن میں فطرت کی ترجمانی بڑی صحت اور عمدگی سے کی گئی ہے - یہاں ان سب کا ذکر طوالت سے خالی نہیں - ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس موضوع کو سودا نے چھیڑا اور اس کے شاگردوں نے اُس میں بڑی وسعتیں پیدا کیں - یہ بہت بڑا کام ہے اور اسی میں سودا کو تقدم و افضلیت حاصل ہے —

سودا کی مثنویات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اُس نے

اُس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی لیکن پھر بھی اُس کا رتبہ اس صنف میں خاص ہے - اُس نے مثنوی کے موضوعات کو وسعت دی اور ایسے نمونے چھوڑے جن پر آنے والی نسلوں نے بڑی آزادی سے طبع آزمائی کی - زبان و بیان اور تخیلات کے اعتبار سے بھی سودا کی یہ مثنویاں خاص اہمیت رکھتی ہیں - ان میں الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہے اور تخیل کی قوت ہر جگہ کار فرما ہے ' خصوصاً ہجویہ مثنویوں میں جن پر تفصیلی بحث ہم نے الگ کی ہے - مثنوی کے اس موضوع میں سودا کا کوئی مد مقابل نہیں - سوائے عشقیہ مثنویوں کے کہ جن سے سودا کو کوئی رغبت نہ تھی وہ ہر حیثیت سے صنف مثنوی میں ممتاز درجہ رکھتا ہے - بعض اساتذۂ تنقید نے جو یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کی مثنویاں پست ہیں وہ محض عشقیہ مثنوی کے متعلق صحیح ہو سکتا ہے - میر اور میر حسن کی مثنویوں سے سودا کی مثنویوں کا مقابلہ اہل تنقید کرتے ہیں اور اس میں اس کا مرتبہ پست بتاتے ہیں - سودا کی صرف ایک عشقیہ مثنوی ہے جو بادل ناخواستہ کہی گئی تھی - ایسی حالت میں سودا کی کل مثنویوں کو پست اور ادنیٰ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا - اُس کی ہجویہ مثنویاں مثلاً ہجو پول نریت سنگھ ' ہجو امیر دولت مند ' ہجو ضاحک وغیرہ کے مقابلے کی کوئی مثنوی اردو زبان میں نہیں - ان حالات میں اساتذۂ فن اور خصوصاً شیفتہ کی رائے کہ " مرزا از اقسام شاعری در مثنوی فکر معقول نہ داشت " کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی - یہ رائے محض عشقیہ مثنویات کے متعلق ہے جو میر و میر حسن وغیرہ کی عشقیہ مثنویوں سے متاثر ہو کر صادر کی گئی --

رباعیات

سودا کے کلیات میں تقریباً اسی رباعیاں ملتی ہیں ، جن کے موضوعات مختلف ہیں - مدح ، ہجا ، مذہب ، اخلاق عشق و محبت ، شاعرانہ فخر و تعلی اور ذاتی حالات وغیرہ پر سودا نے رباعیاں لکھی ہیں - اِس لیے اُس کی رباعی کا کوئی خاص رنگ نہیں - جس طرح اس کے موضوعات مختلف ہیں اسی طرح اس کے زبان و بیان میں بھی فرق ہے - رباعی نظم کی ایک اہم صنف ہے - اس میں وہی شاعر کامیاب ہوسکتا ہے جس کے خیالات میں پختگی اور تسلسل ہو اور جس مضمون پر وہ طبع آزمائی کرے اس میں اپنی ذاتی مستقل رائے رکھتا ہو - اگر وہ اس پر حاوی نہ ہو تو چار مصرعوں میں وسیع خیال و مضمون کو ادا کرنا اس کے لیے مشکل ہے - خیال کی پختگی کے ساتھ زبان بھی نہایت صاف ستھری اور اسلوب بیان بھی نہایت برجستہ اور شستہ و رفتہ ہونا چاہیے ، تاکہ مضمون فوراً ذہن نشین ہو جائے یا قلب پر اثر کرے - سودا کی رباعیوں میں یہ اوصاف موجود ہیں لیکن ان کا مقابلہ ہم میر انیس یا دوسرے رباعی گو اساتذہ کی رباعیوں سے نہیں کرسکتے - میر انیس وغیرہ کا یہ خاص میدان تھا اور سودا کو اس سے زیادہ دلچسپی

نہ تھی، پھر دونوں کے زمانوں میں بہت بُعد ہے ۔میر انیس کے زمانے تک زبان اپنی کئی ارتقائی منزلیں طے کرچکی تھی، تاہم سودا کی رباعیاں کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ۔ ان میں خیال، زبان اور بیان کی تمام خوبیاں موجود ہیں ۔ چند رباعیات ہم اس کے حالات وغیرہ کے تحت نقل کرچکے ہیں یہاں چند اور نقل کی جاتی ہیں :۔

حضرت علی کی منقبت میں ایک رباعی کہی ہے —

ایوان عدالت میں تمہارے یاشاہ
کیا ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ

شیشہ کا جو وہاں طاق سے رپٹے ہے پانوں
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب وہی پیرہن وہی ہو کلاہ

تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر
برنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کو تاہ

افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور
مفلس پہ کرم کرکے نہ ہوویں مغرور

جھکتا ہے اگر شاخ ثمر دار کا ہاتھ
پھل دے کے وہ ہیں آپ کو کھینچے ہے دور

ایک رباعی میں فخریہ اپنے کو خاقانیٔ ثانی لکھا ہے :—

سودا بہ جہاں اپنی زبانی تو ہے
آفاق میں خاقانیٔ ثانی تو ہے

ذی نطق کا ہر چند نہیں تو خالق
پر نطق کا خلاق معانی تو ہے

ایک اور رباعی میں تعلی کی ہے :—

سودا شعرا میں ہے بڑائی تجکو
تشریف سخن عرش سے آئی تجکو

عالم تجھے اِس فن میں پیمبر سمجھا
پوجا جہلا نے بخدائی تجکو

ایک رباعی میں اپنی ہجو کا اثر بتایا ہے :—

گر ہجو میرے کہنے سے اِس پر ہو نگاہ
تا یہ ہے کہے جانے مجھے خلق اللہ

سو ہم تمہارا ہے میں اور آپ کی ہجو
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ماہ پھیرے ہے گو دیکھ کے ہم کو عالم
قدر اِس سے کچھ اپنی نہیں ہوتی ہے کم

اتنا ہے بڑا ہم کو کیا خالق نے
خلقت کی نظر میں نہیں آسکتے ہم

—:o:—

قطعات

سودا کے قطعات ' ہجو کے موضوع کو چھوڑ کر ذیل کے مضامین پر مشتمل ہیں :—

(۱) اخلاقی و ناصحانہ - (۲) مدحیہ - (۳) تاریخی —

قطعہ کی صنف کو سودا نے بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے - ان پر ہم ان کے موضوعات کے اعتبار سے بحث کریں گے —

عام اخلاقی صداقتوں اور حقیقتوں کے متعلق سودا کے جو خیالات تھے اور جو غزل میں خوبی سے ادا نہیں ہو سکتے تھے اُن کو اُس نے قطعات میں ادا کیا ہے - یہ قطعات اُس کی تصانیف میں مختلف حیثیتوں سے خاص درجہ رکھتے ہیں - ان میں صوری اور معنوی خوبیاں موجود ہیں - جس اخلاقی صداقت اور عام حقیقت پر اس نے زور دیا ہے اسے نہایت موزوں زبان و بیان میں پیش کیا ہے - ایک قطعے میں دنیائے دنی سے دل لگانے اور اس فانی عالم کی محبت میں غلو کرنے کو نامردی اور کمزوری سے تعبیر کیا ہے اور اس کو شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے : —

گئے یاں سے وہ محبوبان رعنا
گل نورستہ آگے جن کے تھا گرد

لگا مت دل کو بلبل اس چمن سے
نظر جو آج سبز آوے تو کل زرد

لگی ہے اس کی دیواروں میں جو خشت
حقیقت کی ہے وہ ہر ایک کی فرد

لب جو پر سے جس کی کھلتی ہے آنکھ
حباب اُٹھ جائے ہے بھر کر دم سرد

تماشے سے غرض اس بے وفا کے
جھلوں نے موند لیں آنکھیں وہ ہیں مرد

غیبت اور برائی کی مذمت ایک قطعے میں کی ہے - اور ایک شخص کی اس شکایت پر کہ دنیا میں لوگ منافق اور حاسد ' خود غرض اور بے مروت ہوگئے ہیں ' یہ نصیحت کی ہے :—

یہ سن کے اُس سے کہا مسکرا کے سودا نے
شکایت اتنی کسو کی کوئی بیاں نہ کرے

بھلے برے کے تجھے امتحاں سے ہے کیا کام
یہ شکر کر کہ کوئی تجکو امتحاں نہ کرے

کئی قطعے امرا و سلاطین کی تعریف وغیرہ میں مختلف تقریبوں سے کہے گئے ہیں - اِن میں بعض تہنیت اور مبارکباد کے مضمون پر مشتمل ہیں اور بعض مدحیہ ہیں - سودا چونکہ اکثر امیروں سے متوسلانہ تعلق رکھتا تھا اس لیے اُس کو مختلف تقریبوں سے کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا تھا - عالمگیر ثانی ' عماد الملک ' مہربان خاں ' احمد خاں بنگش '

شجاع الدولہ ، آصف الدولہ اور حسن رضا خاں وغیرہم ایسے مقتدر سرپرست تھے جن سے سودا کو توسل تھا - اُن کی خدمت میں عیدین کی تقریب سے ، مسند نشینی کے موقع پر ، صحت یابی کے وقت اور دوسرے مناسب مواقع پر سودا نے قطعات کہہ کر پیش کیے ہیں - ان قطعات میں کوئی خاص ادبی و شعری جوہر نہیں لیکن استادی اور کہنہ مشقی کے آثار ہر قطعے میں پائے جاتے ہیں - آصف الدولہ کی مسند نشینی اور وزارت پر مبارکباد دی ہے :—

تدبیر شہانشاہی و تقدیر الٰہی
باہم یہ لگے دیکھ کے پڑھکر فتبارک

تدبیر لگی کہنے کہ ہے باب وزارت
تقدیر اُٹھی بول کہ بسیار مبارک

اکثر قطعوں میں قصیدے کا رنگ پیدا ہوگیا ہے حالانکہ اُن کا مدعا خالصتاً مدح و ستائش نہیں - حسن رضا خاں کو عید الضحیٰ کی مبارکباد دی ہے - دو شعر نقل کرتا ہوں :—

رہے جہان میں جب تک کہ رسم قربانی
ہمیشہ تا کہ بجالاویں حج و عمرہ عباد

ترا حریم سعادت ہو خلق کا مسجود
رہے یہ خانۂ دولت زمانے میں آباد

اِن تہنیتی قطعوں کے علاوہ بعض محض تعریف و توصیف سے تعلق رکھتے ہیں - شاہ عالم کی خدمت میں عید کے موقع پر تہنیت پیش کی ہے جس میں قصیدے کی پوری شان ہے :—

نوید زیر فلک یوں ہوئی ہے شہرۂ عام
ہلال عید سے کہہ کر گیا ہے ماہ صیام

دہل بجا کے منادی کا دے انھوں کو خبر
جہاں کے بیچ یہ مشہور ہے جلھوں کا نام

نشاط و جشن و طرب، خرمی و امن و اماں
خوشی و خوشدلی و عیش و عشرت و آرام

صباح عید یہ حاضر ہے تہنیت کے لیے
اُس آستاں پہ کہ ہیگا وہ سجدہ گاہ انام

شجاع الدولہ کی تعریف میں لکھا ہے :—

یہ روز عید ہے آفاق میں ہے رسم قدیم
موالی چاہیے مولا کو نذر دیں زر و سیم

بقدر رتبے کے حاضر ہوے ہیں لے کر نذر
جو تیرے دامن دولت کے سایہ میں ہیں مقیم

کوئی تو لعل لے آیا ہے اور کوئی یاقوت
سخن وہ نذر کیا میں کہ یہ ز در یتیم

تاریخی قطعات میں چند قطعے اس لیے اہم ہیں کہ اُن سے بعض تاریخی واقعات کی صحیح اطلاع ملتی ہے - اُن میں ایک تو فتح شجاع الدولہ کا مشہور تاریخی قطعہ ہے - اس کے علاوہ آصف الدولہ کے لڑکوں کی ولادتوں کی تاریخیں اور نواب مہربان خاں کی شادی کی تاریخ بھی قابل ذکر ہے - باغ نکہت رائے ' چاہ آصف الدولہ ' مسجد آصف الدولہ اور مسجد مولوی فضل عظیم کے تاریخی قطعات بھی اچھے خاصے ہیں - یہ تاریخیں نہایت برجستہ اور اصول تاریخ گوئی کے مطابق ہیں -

مہربان خاں کی شادی کی تاریخ کہی ہے - آخری دو شعر نقل کرتا ہوں :-

جب اس شادی کو اس شاعر نے دیکھا
جہاں میں وہ جو ہے رشک انوری کا

کہی اے مہرباں صاحب یہ تاریخ
ہوا ہے وصل ماہ و مشتری کا

فتح شجاع الدولہ کے تاریخی قطعے کے آخری دو شعر ہوں :-

غرض اس فتح و فیروزی سے جس دم
ہوا دل دوستوں کا خرم و شاد

تو میں ہاتف سے پوچھا سال تاریخ
وہ بولا ہے یہ فتح نو خدا داد

هجویات

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ سودا کی طبیعت میں شوخی و ظرافت فطرتاً واقع ہوئی تھی - اُس کے آثار جا بجا اُس کی زندگی کی ہر منزل میں پائے جاتے ہیں - شوخی و زندہ دلی اُس کی طبیعت میں اس درجہ تھی کہ جہاں کہیں موقع ملتا وہ بے اختیار ظریفانہ انداز میں اپنے خیال کا اظہار کر دیتا اور کہیں نہ چوکتا - یہ افتاد طبع شاعروں کو اکثر ہزل کی طرف مائل کر دیتی تھی - نظم کی وہی ایک قسم تھی جس کے میدان میں ہمارے ظریف مزاج شعرا بے تکان اور نہایت آزادی سے جولانیاں دکھاتے تھے - اِس میں پاکیزہ اور لطیف مزاح کا عنصر اتفاق ہی سے رہ جائے تو رہ جائے ورنہ وہ فحش اور تمسخر کا دفتر کھل جاتا ہے کہ شرم سے پڑھنے والا آنکھیں اور سننے والا کان بند کر لے - ہزل نام ہی تھا فحش اور تمسخر کا - نظم کی اس قسم کو کسی دوسرے موضوع سے کوئی تعلق نہ تھا - ہزل گوئی کے رسمی جکڑ بندوں اور ماحول نے ہمارے ظریف طبع اور خوش مزاج شاعروں کے دل و دماغ کی شگفتگی و لطافت کو گندگی و کثافت سے بدل دیا اور اس طرح ادبیات کو زندہ دلی و تازہ خیالی کے جوہر سے محروم کر دیا --

سودا کی طبیعت کا یہ نمایاں وصف ہے کہ اُس نے غزل کے تنگ کوچے میں قدم نہیں رکھا بلکہ اپنے لیے ہجو کا وسیع میدان تجویز کیا۔ یہ رسماً یا خوش طبعی یا دل بہلانے کی خاطر نہیں بلکہ ضرورتاً۔ اُس نے اپنا دل بہلانے یا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ہجو نہیں کہی ہے۔ اُس کی ہجو گوئی کے بس دو ہی محرکات تھے۔ یا تو وہ کسی سے ناراض اور خفا ہو یا پھر کوئی ایسا واقعہ نظر سے گزرے جو خود موجب تضحیک ہو ہجو اُس کے دل سے نکلتی تھی جس میں تصنع کو کوئی دخل نہ تھا۔ یہ بھی اُس کے کردار کا ایک وصف ہے۔ وہ کبھی ایسی چیز یا واقعہ کو دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتا تھا جو خود تضحیک کا باعث ہو یا کوئی امر اُس کے ناگوارِ خاطر ہو۔ وہ ضبط و صبر سے اس باب میں زیادہ کام نہیں لیتا تھا بلکہ فوراً ناگوارئی خاطر کا انتقام اور شخصِ مضحک کی سرزنش ہجو سے کرتا تھا۔ یہ ایک طاقتور حربہ اُس کے پاس تھا جس کے استعمال کی فطری صلاحیت اُس میں تھی۔ اُس نے ہر صنف نظم کو اپنی ہجو گوئی کا ذریعہ بنایا۔ نظم کی کوئی صنف ایسی نہیں کہ جس میں اُس کا ہجویہ کلام موجود نہ ہو۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، مثلث، مخمس، مسدس، ترجیع بند غرض کوئی صنف ایسی نہیں کہ جس میں اُس نے ہجو سے کام نہ لیا ہو —

جب ہم اُس کے ہجویہ کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اسباب و محرکات صاف نظر آتے ہیں جو اُس کی ناخوشی و ناراضگی کا باعث ہیں۔ یہ محرکات تین قسم کے ہیں۔ (۱) سوسائٹی کی معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں (۲) سیاسی اور حکومت کی بے عنوانیاں

اور خامیاں (۳) افراد و اشخاص کی بیہودگیاں - وہ کنجوس اور اور حریص کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا - کنجوسی اور حرص اس کی نظروں میں اخلاقی بیماریاں تھیں - اسی طرح تکبر اور بے جا تفاخر سے وہ متنفر تھا اور کسی متکبر کو دیکھہ کر اس کا دل خاموش نہیں رهتا تھا - ظلم و تعدی اور استبداد و ایذا رسانی کا وہ پکا دشمن تھا - ظالم و ایذا رساں پر اس کا دل همیشه پیچ و تاب کهاتا - ریا کار و منافق کی حرکتیں همیشه اس کے دل میں کهٹکتی تهیں - نا اهل اور کمزور شخص کو وہ با اختیار نہیں دیکھہ سکتا تھا - کسی نالائق و نا اهل بادشاہ یا امیر کی انتظامی خرابیوں کو وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا - یہ ایسے اسباب هیں کہ جن پر ایک نیک دل اور شریف انسان کا دل ضرور کڑهتا هے - با اختیار اور صاحب اقتدار لوگ تو اس کے ازالہ کی کوشش کرسکتے هیں لیکن جهاں کسی کو اختیار نہ هو اور اس کا دل کڑهتا هو تو سوائے اس کے کوئی چارا نہیں کہ عیوب کی پردہ دری کر کے اپنے دل کا بخار نکالے - سودا نے اپنی نا خوشی اور نا راضگی کا انتقام بس اپنے قلم سے لیا اور جهاں کہیں اس کو ایسے واقعات و حالات سے دو چار هونا پڑا اس نے اپنے قلم کو هجو کے میدان میں دوڑایا - اس حد تک وہ اپنی هجو گوئی کے باب میں حق بجانب هے - لیکن کہیں کہیں اس نے ایسے مواقع پر بھی رکیک هجو سے کام لیا هے جهاں خاموش هونا چاهیے تھا - یہ مواقع اس وقت پیش آئے هیں جب کوئی مذهبی اختلاف پیدا هو گیا یا کوئی ذاتی اور معمولی سبب رنجش کا رونما هوگیا - اسی لیے غالباً باقر آگاہ نے لکھا هے :—

"ہجو ہائے رکیک سے آشنا اور انداز تدوین و تمکین سے بیگانہ تھا" ۔

اب ہم سودا کے ہجویہ کلام پر اس اعتبار سے نظر ڈالتے ہیں کہ وہ ہجو سے کام لینے میں کس حد تک حق بجانب تھا اور کس حد تک اُس نے اس باب میں زیادتی برتی ؟ اس کے بعد ہم اس کے ہجویہ کلام کی اہمیت اور حیثیت پر نظر ڈالیں گے —

سودا کی ہجو گوئی کے دو پہلو ہیں - اُس نے کہیں کہیں لطیف مزاح سے کام لیا ہے - کمزوری ' کوتاہی ' برائی اور بدی کو ظریفانہ انداز میں عریاں تو کیا ہے لیکن مطمح نظر ہمدردی اور اصلاح ہے - طیش میں آکر عام ذمائم پر غم و غصہ اور ناراضگی و بیزاری کا اظہار نہیں کیا بلکہ باسلوب لطیف ان خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے - لیکن کئی ہجویہ نظمیں ایسی ہیں جن میں لعن طعن' طنز و تشنیع اور سب و شتم سے کام لیا ہے - پہلے ہم آخرالذکر انداز ہجو گوئی سے بحث کریں گے -

اس قسم کی نظموں میں سب سے پہلے ہماری نظر اس قصیدے پر پڑتی ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہجو میں کہا گیا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے :—

کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی
تو بلبلوں ہوں میرے چہچہے کی دیوانی

کلیات سودا کے متعدد قلمی نسخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی ہجو ہے - اب تک کسی تذکرہ نگار نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ متداول و مروجہ نسخوں سے اس کا پتا چلتا ہے - شاہ صاحب کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیف

" ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفا یا قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں معاویہ کو خاطئہ بلجم لکھا ہے - ہماری نظر سے یہ کتابیں گزر چکی ہیں اُن میں کہیں یہ بات درج نہیں - اور نہ کوئی ایسی بات لکھی ہے کہ جس سے معاویہ کی حمایت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو - چنانچہ خود مصنف نے اپنی کتاب کی جو وجہ تالیف بتائی ہے اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے - لیکن سودا اس بے بنیاد الزام پر اس قدر برہم ہوا کہ ایک طویل قصیدہ ہجو میں لکھ مارا - یہ ظاہر ہے کہ وہ کوئی مذہبی عالم اور مجتہد نہ تھا کہ شاہ صاحب جیسی شخصیت کے مقابلہ آئے لیکن محض مذہبی جوش جلوں میں شاعرانہ یاوہ گوئی سے کام لے کر اس قدر فحش بکا ہے کہ پڑھنے سے شرم آتی ہے - اس قسم کی ہجو سے کوئی شریف انسان خوش نہیں ہو سکتا - یہ حقیقتاً سودا کی زیادتی ہے - اس قسم کا کلام بجائے خوشی و انبساط بخشنے کے دلوں کو مکدر و منغض کر دیتا ہے - یہ اپنے موضوع و مضمون کے اعتبار سے نظر انداز کردینے کے قابل ہے - زمانے نے خود اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا - یہی وجہ ہے کہ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ ہرزہ سرائی شاہ صاحب کی شان میں ہے - ایک قصیدہ مولوی ساجد کی ہجو میں ہے جس کا مطلع ہے :-

سنا ہے میں یہ کسی نے بمدعائے فساد کہا یہ مولوی ساجد سے جاکے شاہ آباد

اس کی بنیاد بھی مذہبی اختلاف پر ہے - اس قصیدے کے خاتمے پر جو فارسی مطلع لکھا ہے اُس سے صاف مذہبی تعصب نمایاں ہے :-

مکن تو لعن بہ شمر و یزید و ابن زیاد بگو بہ مولوی ساجد مدام لعنت باد

ایک اور قصیدہ مولوی ساجد متوطن کٹھر کی ہجو میں لکھا ہے جس کا مطلع ہے :-

ساجدا کیوں نہ یہ پرواز کرے تا بفلک
پہنچی پنتیس سے یوں نطفہ کی حلت جس تک

اس میں مولوی ساجد کی خاندانی عصمت و عفت کی خرابی دکھائی ہے اور اس اخلاقی برائی کے جو خیالی امکانات ہوسکتے ہیں ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور بڑے شرمناک اور حیا سوز خیالات کا اظہار کیا ہے - سودا کا مذہبی جوش اس پر بھی دھیما نہیں ہوا - ایک رباعی میں اس کو لعن طعن کی اور لکھا کہ چیل، کوا، گلہری، مینڈک، چھپکلی وغیرہ اس کی خوراک ہے - مذہبی اختلاف کی جھلک دو اور نظموں میں بھی نظر آتی ہے - ایک تو مخمس در ہجو ہاتف علی ہے جس نے حکیم آفتاب کی ہجو لکھی تھی - اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے سادات کی ہجو کہی ہے - دوسرا مخمس قوم کشمیری کی ہجو میں ہے جس کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ قوم حضرت علی سے بظاہر محبت رکھتی ہے لیکن در پردہ اہل بیت کی دشمن ہے —

بعض اوقات سودا نے بڑا غضب کیا کہ جن لوگوں کی ہجو کی ہے ان کے ساتھ ان کی بہو بیٹیوں اور بیویوں تک کی ہجو کہہ ڈالی اور وہ بھی ایسی فحش کہ لکھنا اور پڑھنا ناگوار ہوتا ہے - چنانچہ مخمس در ہجو اہلیۂ ضاحک اور مسدس در ہجو دختر مولوی ندرت کشمیری اس کی مثالیں ہیں - یہ وہ مقامات ہیں جہاں سودا نے ضبط و تمکین کو ہاتھ سے دے دیا اور بے قابو ہوکر فحش اور رکیک ہجویں کہی ہیں -

یہ رکیک و فحش ہونے کے سوا بے جا و بے محل بھی ہیں - یہ شاعر کی طبیعت کی کمزوری ہے —

اس قسم کی ہجویات کے قطع نظر سودا کے کلام میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں وہ حق بجانب ہے اور اپنے زمانے کا فطری اور حقیقی ترجمان - سلطنت مغلیہ کی ابتری، انتظامی خرابی، اور امرا کی سازشوں اور بادشاہ وقت کی نا اہلی کی پردہ دری اس نے نہایت جرات سے کی ہے - اس قسم کی نظموں میں ہماری نظر سب سے پہلے قصیدۂ تضحیک روزگار پر پڑتی ہے جس میں بادشاہی فوجی نظام کی ابتری و خرابی کو بڑی عمدگی سے بے نقاب کیا ہے - ایک مثنوی ہے جس میں شیدی فولاد خاں کوتوال شہر دہلی کی ہجو ہے - اس میں شہر کے بند وبست کی بد امنی، عمال کی رشوت خواری، چوری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری کا ذکر ہے - اس قسم کی نظموں میں قصیدۂ شہر آشوب بھی خاص طور سے اہم ہے، جس میں دہلی کے باشندوں اور ان کے عام معاشرتی و مالی حالات کی سچی تصویریں ہیں - امرا، علما، شعرا، اطبا، اہل حرفہ، تجار وغیرہ کی جو ناگفتہ بہ حالت تھی اور جس کس مپرسی اور بے روزگاری کی نازک گھڑیاں ان مختلف طبقوں پر گزر رہی تھیں، اور دہلی کے باشندوں پر جو افلاس اور نحوست چھائی ہوئی تھی، اور جس دور ابتلا میں وہ گزار رہے تھے، ان سب کا نہایت سچا بیان اس قصیدے میں ملتا ہے - اس بے روزگاری، کس مپرسی اور افلاس و نحوست کا ذمہ دار در پردہ اعیان حکومت اور والیء ملک کی نا اہلی کو قرار دیا گیا ہے اور پردے ہی پردے میں

ان کی ہجو کی ہے - ایک اور مخمس شہر آشوب ہے اس میں بھی بے روزگاری کا رونا ہے اور بادشاہ وقت اور امرائے سلطنت کی نالائقیوں کا ملا نیہ بیان ہے - ایک قطعہ " پھر " پر لکھا ہے جس میں اس مصیبت و تکلیف کا بیان ہے جو روزگار نے مختلف فرقوں پر عائد کی ہے اور جس میں اچھے برے سب گرفتار ہیں - دربار اودھ کے ایک عامل (خیرآباد) کی ہجو میں بھی ایک قطعہ ہے جس نے سرکاری احکام کی کوئی پروانہ کی اور سودا کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا - ایک اور قطعہ ہے جس میں بادشاہ و وزیر کے بے جا عزل و نصب کا ذکر ہے - خاتمہ پر لکھا ہے :-

خان خانان کے بیل سے لیکر

شتر کے بچے کو قلمدان دے

ان نظموں کی تفصیلات سے ہم کسی اور جگہ بحث کریں گے - یہ وہ نظمیں ہیں جن میں حکومت کی کمزوری کا ذکر ہے - اب ہم ان نظموں سے بحث کرتے ہیں جن کا تعلق ان ذمائم اخلاق سے ہے جن کو زمانہ نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے - اس قسم کی نظموں میں سب سے پہلے ایک مثنوی پر ہماری نظر پڑتی ہے جو ایک بخیل دولت مند کی ہجو میں کہی گئی ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور جس سے روشن ہے آسماں کا تنور

اس میں بخیل کی نفسیات پر بڑے ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے اور بخل کے مرض سے انسان میں جو اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اُن کا ذکر نہایت استادانہ طریقہ سے دلچسپ انداز میں کیا ہے - ایک مسدس ایک اور بخیل کی ہجو میں ہے - اس کے صرف

دو بند ھیں جن میں کوئی خاص بات نہیں - اس کا مطلع ہے :—

وہ ھے سب بخیلوں کا جو افتخار   کہا میں یہ اُس سے سن اے تو حمار

بخل کے ساتھ بسیار خوری کی بھی مذمت ایک مثنوی میں کی ھے - یہ میر ضاحک کی ھجو ھے - اس میں بھی قوت متخیلہ سے کام لے کر پیٹو پن کی مذمت کے نئے نئے پہلو نکالے ھیں - اس کا مطلع ھے :—

ھے عجیب و غریب زیر سما   اک یہاں صورت آشنا اپنا

ایک اور مخمس ھے جس میں ضاحک کی ھجو کہی ھے - یہ وھی ھجو ھے جس کی بنا پر ضاحک اور سکندر دست و گریباں ہو گئے تھے - گو یہ محض تفنن طبع کے لیے کہی گئی تھی لیکن سودا نے اس میں بھی ضاحک کی ھجو کے پردے میں اخلاقی خرابیوں کا مضحکہ اُڑایا ھے - ایک مثنوی مرزا فیضو چیک کی ھجو میں ھے جس کو چڑی مار بتلایا گیا ھے اور اس روزگار سے اس کو جو انتہائی شغف تھا اس کا مضحکہ اُڑایا ھے۔

حساد اور متکبرین کا بھی سودا نے جگہ جگہ مضحکہ اُڑایا ھے - اس قسم کی نظموں میں فدوی کی ھجویں ھیں جو پنجابی شاعر اور نسل کا بقال تھا اور سودا سے فنی رقابت اور حسد رکھتا تھا - یہ ایک پر خود غلط اور عامیانہ وضع آدمی تھا - مشاعروں میں اکثر کھڑے کھڑے غزل پڑھتا اور چلا جاتا تھا ٹانڈے سے فرخ آباد سودا کے ساتھ مقابلہ و مجادلہ کرنے کے لیے آیا تھا لیکن سودا اور اس کے شاگردوں نے اس کی ایسی ھجویں لکھیں کہ ذلت اٹھا کر بھاگ نکلا - اس کی ھجو میں سب سے پہلے پانچ شعر کی ایک نظم ھے جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ھے :-

شاعر ہوا ھے فدوی کہا شاعروں کا تلا   مادہ وزن تخلص یاروں کا مسخرلا

ایک ترجیع بند بھی اس کی ہجو میں ہے جس کا ذکر ہم انتخاب کلام کے سلسلے میں کرچکے ہیں - ایک مخمس بھی اسی موضوع سے متعلق ہے جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :—

جہاں میں کون بلاتا ہے الو باپے کا کسی سے بن کوئی آتا ہے الو باپے کا

مولوی ندرت کشمیری کی ہجویں بھی اسی قسم کی نظموں سے تعلق رکھتی ہیں - سودا سے اُن کو پرخاش تھی اور انہوں نے فارسی میں اس کی ہجویں بھی لکھی تھیں - ایک ہجو کے مصرعوں کو تضمین کر کے سودا نے خود اُن کی ہجو لکھ دی - پہلا بند خان آرزو کا ہے بقیہ مخمس سودا کا ہے :—

شعر ناموزوں سے تو بہتر ہے کہنا ریختہ
کب کہا میں قتل کر مضمون کسی کا ریختہ

مولوی ندرت کی ہجو میں ایک اور مخمس ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے : -

مولوی جی سے اب کوئی جا کے مرا پیام دو
کن نے کہا کہ یہ غزل پڑھنے کو اذن عام دو

ایک رباعی ہے جس میں لکھا ہے کہ ندرت کو شعر موزوں کرنا نہیں آتا اور اس پر لوگوں کی ہجو کرتا پھرتا ہے یہ بھی ایک ندرت ہے -

فاخر مکین کی ہجویں بھی اسی قبیل کی ہیں - یہ اصل میں کشمیری تھے - فارسی کے با کمال شاعر تھے - لیکن انتہا درجے کے بد دماغ اور نازک مزاج - اچھے اچھے اساتذۂ فن اور مجتہدین سخن پر نہایت حقارت اور بے باکی سے حرف گیری کرتے تھے - سودا سے اُن کی چشمک تھی جس کا ذکر رسالۂ عبرت الغافلین کے سلسلے میں ہوچکا ہے - اُن کی

بد دماغی اور تکبر نے سودا کو ہجو کہنے پر مجبور کیا - اُن کے حق میں سودا نے تین چار نظمیں کہی ہیں جن میں کوئی خاص خوبی مضامین اور زبان و بیاں کے اعتبار سے نہیں —

انیس بلد کا ایک مخمس شیخ علی حزیں کی ہجو میں لکھا ہے* یہ بزرگ کسی ہندوستانی اہل کمال کو خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ ہندوستان کی ہر شے کو بنظر حقارت دیکھتے تھے -

ایک مثنوی بطور ساقی نامہ لکھی ہے جس میں اپنے شاگرد قیام الدین قائم کی ہجو کی ہے - جس نے یہ گستاخی کی کہ اپنے استاد کے ایک شعر پر اعتراض کیا اور شاعرانہ کمال کی ترنگ میں اس کی اہمیت اور شخصیت کو نظر انداز کر دیا - سودا نے اس پر برہم ہو کر ہجو کہی ہے اور اس کی شاعری کا بھرم کھول دیا ہے - جس پر قائم نے گھبرا کر معافی مانگی - سودا نے درگزر کر کے قائم کا نام نکال دیا اور اس کی جگہ فوقی کا فرضی نام لکھہ دیا - بعض قلمی نسخوں میں قائم کا نام موجود ہے —

ایک اور قطعہ ہے جس میں بے ہنر نکتہ چینوں اور نا اہل حرف گیروں کی مذمت کی ہے جس کا پہلا شعر ہے : —

بوقت صبح مری بلبل طبیعت سے ہر ایک مرغ چمن آن کر لگا کہنے

بعض اوقات سودا نے کم سواد اور جھوٹے مدعیان فن و کمال کا بھی خاکہ اُڑایا ہے - ان میں ایک مشہور مرثیہ گو اور خوشنویس کاتب میر محمد المتخلص بہ تقی ہیں جن کو اب غلطی سے میر تقی میر

---

* چمنستان شعرا -

سمجھا جاتا ہے - تتی ایک خوشلویس اور مرثیہ گو شاعر تھے * - سودا نے اُن کی مرثیہ گوئی پر تنقید لکھی ہے اور ایک الگ قطعے میں اُن کی خوشلویسی کا بھانڈا پھوڑا ہے :—

ایک مشفق کے گھر گیا تھا میں — سلوتک نقل یہ عجائب ہے

اس قسم کی نظموں میں سب سے زیادہ اہم حکیم غوث کی ہجو ہے - اِس میں سودا نے اپنی قوت متخیلہ سے کام لے کر ایک طبیب کی ہجو کے مختلف پہلو نکالے ہیں - ایک غزل میاں حسرت عطار کی ہجو میں ہے - وہ بھی اسی مضمون سے متعلق ہے - اس کا مطلع ہے :—

بھدانہ کا آندھی سے اُڑا تو ٹھر ہوا پر — ہر مرغ اُسے کھا کے ہوا سیر ہوا پر

مختلف فرقوں کی معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کا ذکر بھی سودا نے کیا ہے اور اُن کی بڑی دھجیاں اُڑائی ہیں - اس قبیل کی نظموں میں سب سے زیادہ جاذب نظر ایک مخمس ہے جس میں حالت خراب کا ذکر ہے - مذہبی عالموں کے ادنیٰ ادنیٰ مناقشوں اور اُن کے اثرات کا خاکہ بڑی عمدگی سے اُڑایا ہے - اس سے بعض علما کی تنگ نظری اور اخلاقی و معاشرتی کوتاہیوں کا حال بے نقاب ہو جاتا ہے - اور اس قسم کے مذہبی مناظروں اور مباحثوں میں اُجڈ لشکری اور اس قسم کے جاہل افراد جس سرگرمی اور جوش و خروش سے کام کرتے ہیں اُن کی نفسیات کو بھی کھول کر دکھایا ہے - اِس قسم کے ہنگاموں کی بنیاد دراصل بے روزگاری کو قرار دیا ہے - بے روزگاری کے زمانے میں لوگ نئے نئے شگوفے اور شاخسانے نکالتے ہیں اور چونکہ کام کاج، کاروبار

* میر حسن، اسپرنگر --

اور فرائض کے بار سے آزاد ہوتے ہیں اس لئے ایسے عجیب و غریب
نکلے جاتے ہیں جن کے واقع ہونے کا سان گمان بھی نہیں ہوتا - اس
مخمس کا پہلا بند یہ ہے :—

لشکر کے بیچ آج بڑی قیل و قال ہے
کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امرونہی میں کرنا محال ہے
جو فقہ داں ہیں سب کا یہ اُن سے سوال ہے
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

ایک مثنوی لکڑی بازی کے ایک شوقین لڑکے کی ہجو میں ہے
جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح لڑکے ماں باپ سے ضد کرتے ہیں
اور کشتی اور پٹہ بازی کے اکھاڑوں میں شریک ہوتے ہیں - اس کے
بعد اصل کردار اکھاڑے کے پختہ کار استاد کا ہے جو ایسے نوعمر لڑکوں
کی خاطر اکھاڑا قائم کرتا ہے اور اُس کو اپنی ہوا و ہوس کے پورا کرنے کا
ذریعہ بناتا ہے- مثنوی میں بعض مقامات بہت فحش ہیں لیکن اِس سے
اِس قسم کے اکھاڑوں اور اُن کے بانیوں کے اخلاقی امراض کا حال کھل جاتا ہے-

بزدلی اور کم ہمتی کی مذمت میں بعض نظمیں ملتی ہیں -
ایک قطعہ ضابطہ خاں کی شکست کے حال میں لکھا ہے کہ کس طرح اُس
بہادری اور دلیری کے دعویدار نے پست حوصلگی و دوں ہمتی سے شکست
کی ذلت اُٹھائی - اسی قسم کا ایک اور قطعہ ہے جس کا پہلا شعر ہے :-

جس بزرگی سے وہ گئے یاں سے ماجرا اُس کا مجھ سے مت پوچھو

سودا نے بعض ہجویات میں اپنے اصلاحی خیالات بھی پیش کئے

ہیں، خصوصاً ادبیات اور شعر و سخن کی نسبت جو تباہ کن مسالک تھے اُن کی بڑی مذمت کی ہے - اس قسم کی نظموں میں وہ قطعہ ہے جو مرزا مظہر جان جاں کے ریختہ کی ہجو میں لکھا ہے اور جس میں غیر مانوس فارسیت کے علمبردار کی ریختہ میں آمیزش کرنے کا مضحکہ اُڑایا ہے - ایک اور رباعی میں اسی خیال کو ظاہر کیا ہے :—

اِس ریختہ کو فارسی میں گو کیجے یا فارسی سے ریختہ اس کو کیجے
مضمون کثافت سے برودت کے ساتھ خرقہ تو نہیں یہ جسے سلگ شو کیجے

ایک مخمس ہے جس میں ایہام گوئی کی مذمت کی ہے - اس صنعت کے التزام میں شاعر کو جو کھکھیڑ اٹھانی پڑتی ہے اُس کا خاکہ اُڑایا ہے :—

کامل فن سخن کہتے ہیں اُس کو اکمل
پرورش لفظ کی ملحوظ ہو جس کو اول

سودا نے بعض جانوروں کی بھی ہجویں لکھی ہیں جن میں راجا نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو مشہور ہے - یہ ایک مثنوی ہے - ایک قطعہ مرغ سبزواری کی ہجو میں بھی ہے اس کے کل دو شعر ملتے ہیں جو کسی لحاظ سے اہم نہیں —

بعض نظمیں ایسی ہجووں پر مشتمل ہیں جن کے محرکات غیر معمولی عجیب اور مضحک واقعات ہیں - اس قبیل کی نظموں میں ایک قطعۂ تاریخ ہے جو شیخ صبغت اللہ کی کدخدائی کے موقع پر کہا گیا ہے - یہ حضرت کسی طرح بھی بیاہ کے لائق نہ تھے - دلہن ان کے سن و سال اور شکل و صورت سے بیزار تھی - وہ ان کو بھائی کہتی تھی اور یہ اُسے بوا

کہلے کے لائق تھے - اس قسم کی نظموں میں ایک شیخ جی کی ہجو بھی مشہور ہے - یہ ایک مخمس ہے جس میں ایک بڈھے کھوسٹ کا جوان سال لڑکی سے شادی کرنے کا حال ہے - ایک اور مخمس بھی اسی مضمون سے متعلق ہے- سودا نے بعض نظموں میں مضحکہ خیز عادتوں اور انوکھی چال ڈھال اور وضع قطع کی بھی ہنسی اڑائی ہے اور بعض نظمیں ایسی ہیں جن کی بنیاد معاصرانہ چشمک پر ہے - ان میں درد، میر اور مظہر کی شاعری پر اعتراضات ہیں - دو قطعے میر تقی کے اُس قطعے کے جواب میں ہیں جس میں سودا کی سگ پروری پر اعتراض کیا گیا تھا —

سودا کی ہجویات کے اِس جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتفاقی نہیں بلکہ ضرورتاً کہی گئی ہیں - ہجو کی تعریف اُس نظم پر صادق نہیں آتی جو ہجو کی نیت سے نہ کہی جائے- سودا کی ہر ہجو کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ مضحکہ اُڑایا جائے اور طنز و طعن سے مخالفین کی خبر لی جائے - سودا کی ہجویات کے متعلق بالکل شبہہ باقی نہیں رہتا کہ اُن کا شمار اِس صنف نظم میں ہے - یہ ممکن ہے کہ ہمارا موجودہ مذاق اُس کی بعض ہجویات کو آج ہجو کی تعریف سے خارج کردے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی الم پرست طبیعت کو کوئی سخت ترین ہجو بھی ہجو نہ معلوم ہو اور کسی خوش مست کو معمولی ظریفانہ فقرہ ہجو کا مزہ دے جائے - یہ پڑھنے والے کے مذاق پر منحصر ہے—

اب ہم سودا کی ہجویات پر اس نظر سے بحث کرتے ہیں کہ ادبیات میں اُن کا کیا رتبہ ہے اور ہجو کی جو غرض ہے وہ اُن سے کس حد تک پوری ہوتی ہے ؟ پہلے ہم ہجو کے اُن عام معائب و محاسن کو پیش

کرتے ہیں جو اساتذۂ تنقید نے اس کے لیے بطور معیار مقرر کیے ہیں۔ اس کے بعد اس معیار پر ہم سودا کی ہجویات کو جانچیں گے —

ہجو کے لیے سب سے پہلا عیب یہ ہے کہ اس میں فحش و دشنام سے کام لیا جائے۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ جس شخص کی ہجو کی جائے اس کے جسمانی اور پیدائشی عیوب بیان کیے جائیں۔ تیسرا عیب یہ ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے بحث کی جائے۔ چوتھا عیب یہ ہے کہ وہ فرضی واقعات اور عیوب بیان کیے جائیں جن کا پڑھنے والے کو ہرگز یقین نہ ہو۔ ہجو کے محاسن میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ شوخی و ظرافت ہو۔ دوسرے ایسے عیوب اور کمزوریاں دکھائی جائیں جن کو پڑھنے والا بے تامل تسلیم کر لے۔ تیسرے ہر عیب کو اشارہ اور کنایہ کے پیرایے میں بیان کیا جائے۔ چوتھے اگر تفصیل سے کام لیا بھی جائے تو قوت متخیلہ سے ایسے نئے نئے پہلو نکالے جائیں کہ ہجو طوالت کی وجہ سے گراں نہ گزرے بلکہ بلیغ معلوم ہو۔ مبالغہ جو بعید از فطرت ہو وہ عام شاعری میں نا مقبول ہے مگر ہجویہ نظموں میں اس کی اجازت ہے کیوں کہ ایسے مبالغے سے پڑھنے والے کو ہنسنے ہنسانے اور لطف اندوز ہونے کا خوب موقع ملتا ہے۔ اس معیار پر جب ہم سودا کی نظموں کو جانچتے ہیں تو اُن میں معائب و محاسن ہر دو نظر آتے ہیں۔ جہاں تک فحش اور رکیک نظموں کا تعلق ہے وہ ہر طرح نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔ اُن میں کوئی سبق آموز بات ہمیں نہیں ملتی۔ نہ تو تخیل کی صحیح جولانیاں اُن میں ہیں اور نہ کوئی نصیحت آمیز نکات۔ یہ حصہ دراصل فحش اور تمسخر کا دفتر ہے جس کو ہم ہرگز قابل اعتنا

نہیں خیال کرتے - سودا کا کلیات ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے اور ہر پڑھنے والا ہجویات کے فحش حصے کو بہ سہولت معلوم کر سکتا ہے - ہم اس حصے کو یہاں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور اُن ہجویہ نظموں سے بحث کرتے ہیں جن میں شاعر نے اپنے تخیل کی جولانیاں دکھائی ہیں ' ظریفانہ انداز میں سبق آموز اشارے کیے ہیں ' انسانی فطرت کی خوبیوں کو سراہا ہے اور اُس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا مضحکہ اُڑایا ہے —

دہلی کے دور انحطاط کا نقشہ جس عمدگی سے دو نظموں میں " شہر آشوب " کے عنوان سے دکھایا ہے اس کا جواب ہماری ادبیات میں نہیں - مختلف طبقوں کے معاشرتی اور مالی حالات ' اُن کے مشاغل اور وظائف کا بیان اِس خوبی اور لطافت سے کیا ہے کہ اُس زمانے کی سچی تصویریں ہماری آنکھوں کے سامنے پھرتی ہیں- امرا اور والیء ملک کی نا اہلی اور انتظامی خرابی کی تفصیلات اس شاعرانہ انداز میں پیش کی ہیں کہ ہمارے سامنے اُس زمانے کے ادبار و انحطاط کا ہولناک منظر آجاتا ہے - اس میں شبہ نہیں کہ اِن نظموں کا انداز بیاں بلیغ و لطیف ہے اور اُس نے یاس و الم کی شدت کو بہت کچھ دھیما کر دیا ہے لیکن اس لطافت و بلاغت کی شگفتگی کی تہ میں یاس و الم موج زن ہیں - دل پر ایک غیر محسوس اثر زوال و انحطاط کی یاس انگیز تصویروں کا ہوتا ہے- سلطنت مغلیہ کے عروج کی دلچسپ اور نشاط انگیز داستان کو پیش نظر رکھ کر جب ہم اِن نظموں کو پڑھتے ہیں تو مغلوں کے عبرت انگیز زوال کا اندازہ ہوتا ہے- اُس وقت ہم شاعرانہ خیال آرائیوں

اور تفریحی انداز کلام سے لطف اندوز ہونےکی بجائے اس ہولناک انقلاب پر آنسو بہاتے ہیں اُس وقت سخن گسترانہ بھول بھلیاں میں ہم گم نہیں ہوجاتے بلکہ سنجیدہ انداز میں عروج و انحطاط اور اقبال و زوال کی تصویروں کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں - ہندوستان کی زوال یافتہ مملکت کے امرا و اعیان کی نا اہلی کا ذکر اس طرح کیا ہے :—

انہیں ہے اہلی امارت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مور چھل اور ایک کا تہی سمور

نہ رسم صلح کی سمجھیں نہ جنگ کا دستور
جو اُن میں قاعدہ داں تھے ہوے وہ اُن سے دور

تمام اُن کی طبیعت کا سب طرح سے ٹھٹھول

جو کوئی ملنے کو ان کے انہوں کے گھر آیا
ملے یہ اس سے کہ اپنا دماغ خوش پایا

جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا
انہوں نے پھیر کے اودھر سے منہ یہ فرمایا

خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

اکبر و جہانگیر اور شاہ جہان و عالمگیر کے درباری امرا کا مقابلہ ان ارکان سلطنت سے کیجیے اور دیکھیے کہ نظم عبرت کا سبق دیتی ہے یا تفریح و تدلل کا سامان مہیا کرتی ہے - جاگیر داروں منصبداروں اور نقدی گیروں جیسے خوش حال طبقوں کا حال سنیے :—

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصبدار
تلاش کر کے تھلیکی انہوں نے ہونا چار

ندان قرض میں بلیوں کے دی سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لیکے وہ ہتھیار

بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

دھلی کی فلک رس عمارتوں کا حال سنیے :—

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوکھ اور پیاس

اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اوداس
بجائے گل چملوں میں کمر کمر ہے گھاس

کہیں ستون پڑا ہے کہیں تھٹی مر غول

نجیبوں اور شریفوں کا حال سنیے :—

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانہ کے مانوس

کروڑ دل پُر از امید ہو گئے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گئی ناموس

ملی نہ ڈولی انہیں جو تھے صاحب چنڈول

نجیب زادیوں کا اندنوں ہے یہ معمول
وہ برقعہ سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ہے اُن کی گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول

کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

نجیبوں اور شریفوں کے اس برے حال کا اکبر و جہانگیر کے عہد
کے امرا سے موازنہ کیجئے- اس انقلاب کو دیکھ کر دل پر چوٹ سی لگتی

ہے - بالکل سچ کہا ہے :—

فرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر

جو تک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دھر
تو بوجھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر

گھروں سے پانی کو باھر کریں جھکول جھکول

اسی طرح قصیدۂ شہر آشوب کے خاتمے پر لکھا ہے :—

آرام سے کتنے کا سنا تونے کچھ احوال
جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے

سو اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے

یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسود کی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

شدی فولاد خاں کی ہجو میں ایک مثنوی کہی ہے لیکن دراصل شہر کی بد امنی کا دکھڑا رویا ہے - کوتوال شہر کی رشوت خواری، اس کی چوروں سے ساز باز، چوروں کی دلیری اور اس کے شہر کے بندوبست پر تباہ کن اثرات کا نہایت کھلا بیان اس میں درج ہے - چوروں کی جرات اور کوتوال کی رشوت خواری کے برے انجام کا اندازہ ذیل کے مکالمے سے ہوگا جو کوتوال اور چوروں کے درمیان ہوا ہے -
کوتوال چوروں سے سوال کرتا ہے :—

ایک دن اس نے سب سے طنز کی راہ — کہا تم ہو مرے نہت دلخواہ
چیز میری جو اب چراؤ تم — چوک میں بیچنے نہ جاؤ تم
قیمت اس کی جو کچھ مشخص ہو — اوڑنے کو تم اُسے مجھی کو دو

چور جواب دیتے ہیں —

ایک اُن میں سے یہ سخن سن کر — لگا کہنے کہ اِس سے کیا بہتر
کہا جب آپ تم نے یہ انصاف — میں بھی کرتا ہوں عرض رکھیے معاف
آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے — دو خریدار اس کے ہیں دو پے
دس روپے وہ مجھے دلاتے ہیں — کہیے اب آپ کیا لگاتے ہیں
دوسرے نے کہا کہ میں ہوں قائم — نہیں ہوں جس سے ہووے ایسا کام
پگڑی آقا رکھے نہ سر سے اُتار — اور قیمت کی اُس کی ہو تکرار
پیر دوشالے کے تئیں لگا کر گھات — آج جاگا کیا ہوں ساری رات
میری منزلت پہ تک نظر کیجے — آگے جو دل میں آوے سو دیجے

چوروں کے ڈر سے کوئی ایمن نہیں - اسے شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ عیش و نشاط کی محفلوں میں لوگ ڈر کر اس طرح مسلح جاتے ہیں کہ گویا رن پر جا رہے ہیں :—

بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں — بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں

میخانہ میں ہائے و ہو کا جو شور ہے یہ دراصل جوش نشہ کا نہیں بلکہ چوروں کے خوف کی دہائی ہے :—

بے خطر ڈر سے اب کوئی نہ رہا — اصل میخانہ میں بھی ہے ہوہا

شاعرانہ خیال آرائیوں سے بڑے نازک مضامین پیدا کیے ہیں لکھا ہے کہ " چوروں کے ڈر سے فتنہ بھی جاگتا رہتا ہے - چاند کی آنکھ

بھی رات بھر کھلی رہتی ہے - شام کے وقت شمع سے بھی چور آ لگتا ہے (شمع کے ایک طرف سے گھل جانے کو چور کہتے ہیں) - شمع کے طرہ کا ذکر ایک طرف، آفتاب کی دستار بھی رات کے وقت گم ہو جاتی ہے - شبنم جو صبح کے وقت پھول پر ہوتی ہے وہ بھی غنچے کے بقچے کو روتی ہے جو گم ہو گیا ہے :—

تسمہ ہے یہ کہ بھر طرۂ زر　　لگے ہے چور شمع سے آکر
طرۂ شمع اک طرف اے یار　　گم ہے خورشید کی بھی شب دستار
شام سے صبح تک یہی ہے شور　　دور ہو گٹھری لے چلا ہے چور
صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے　　بقچے کو غنچے کے وہ روتی ہے
آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے　　چوروں کے ڈر سے فلک جاگے ہے
آسماں پر بھی منعدم ہے خواب　　کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

اس بد املی اور ظلم و بیداد کی فریاد لوگ کوتوال سے کرتے ہیں تو وہ رشوت خوار نہایت بے حیائی کا جواب دیتا ہے جس کو شاعرانہ انداز میں لکھا ہے :-

بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار　　گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھ سے اب بجا کر ڈھول　　میری پگڑی کا میرے سر پہ مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور　　دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ غریب سے یہ خلل　　ہے امیروں کے گھر میں چور محل*
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا　　ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی　　چوری کرنے سے کون ہے خالی

* داشتہ عورت -

ان حالات میں کون ہے جو شہر کی بد امنی کو بھول کر محض شاعرانہ مبالغوں اور لطائف کی دلچسپی میں گم ہو جائے —

قصیدۂ تضحیک روزگار میں بظاہر ایک گھوڑے کی ہجو ہے لیکن یہ دراصل فوجی نظام کی خرابی کا مرثیہ ہے - ناکارہ اور نکمے سپاہیوں کے برے ہدڑے ' علف و دانہ کا موجود و فراہم نہ ہونا ' اور مہینوں تنخواہ کا نہ ملنا یہ سب اس میں مذکور ہے - اس کی تمہید اس طرح اٹھائی ہے کہ زمانے کی حالت دگرگوں ہے - جن کے طویلے میں عربی اور عراقی گھوڑے بندھے رہتے تھے آج وہ اس قدر مفلس ہوگئے ہیں کہ اپنی جوتی اُدھار پر گٹھواتے ہیں - بعض لوگ مالدار بھی ہیں مگر انتہا درجے کے کنجوس ہیں - اُن میں ہمارے ایک دوست بھی ہیں جو سو روپے تنخواہ پاتے ہیں - ایک گھوڑا رکھ چھوڑا ہے جس کو دانہ گھاس میسر نہیں ' اور نہ اُس کے لیے کوئی سائیس ہے - اُس کا جو حال ہے اس کو اس طرح بیان کیا ہے :—

نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار

نا طاقتی کا اُس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اِس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گوار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

اُس کی بھوک کی شدت اس طرح بیان کی ہے :—

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھہ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چڑ کے کو آنکھہ موند کے دیکھا ہے وہ پسار

خط شعاع کو وہ سمجھہ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار

اس کے ضعف و ناتوانی کا حال اور اس کے رنگ روپ کی

حالت کو اس طرح دکھایا ہے :—

ہے اسقدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہو ویں نہ استوار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھہ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لُہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہئے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

اس کے بعد سودا نے ایک لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس نے یہ گھوڑا

مستعار لینا چاہا جس پر اس کے مالک نے اُس کی عجیب و غریب تاریخ

سنائی ہے جس کو سودا نے اپنے شاعرانہ انداز میں اس طرح لکھا ہے :—

حشری ہے اسقدر کہ بعد حشر اس کی پشت پر
دجال اپنے منہ کو سیہ کر کے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہوں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار

ہے پیر اسقدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لیکے ریگ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

گھوڑے کی سست رفتاری پر اس طرح خیال آرائی کی ہے :—

اک دن لیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ وسیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار

پہنچا فرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گزار

مرہٹوں کی فوج سے مقابلے کے لیے گھوڑے کا مالک اس پر سوار ہو کر جس شان سے نکلا تھا اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے :—

جس شکل سے سوار تھا اسدن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونو ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کی مرے پانو تھے فگار

آگے سے تو بڑا اوسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

اس مضحکہ کو دیکھ ہوے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پھیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

دھوبی کمہار کے گدھے اسدن ہوے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار

ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار

میدان جنگ میں پہنچنے پر جو کیفیت گزری ہے اسے اس
اس طرح لکھا ہے :—

جاتا تھا جب قریب کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانو سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ہی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

یہ نظمیں بظاہر تفریحی معلوم ہوتی ہیں لیکن در اصل مغلوں کے زوال کی دکھ بھری داستان ہے جو ہمیشہ ایک زوال پذیر اور مفلوج قوم کی ابتری اور تباہی کا خوفناک منظر پیش کرتی رہے گی۔

ہم نے ان نظموں کا اوپر ذکر کیا ہے جو عام اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتی ہیں ان میں ایک بخیل کی ہجو مشہور ہے - بخل اور حرص اخلاقی امراض ہیں اور ہر زمانے میں نفرت کی نگاہوں سے

دیکھے گئے ہیں - ایک دولت مند امیر کو بخل کا گھن لگ گیا ہے جس سے اس کی نفسیات ہی بدل گئی ہے - عام آداب و آئین اور تہذیب و معاشرت کے رسوم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے - جائز اور ناگزیر خرچ پر بھی اس کا خون خشک ہو جاتا ہے - بہت ہی معمولی اور ناقابل لحاظ صرف پر وہ محبت و الفت کے فطری رشتے توڑ نے تیار ہو جاتا ہے - کسی مہمان کو ایک وقت کا کھانا کھلانا بھی اس پر اس قدر شاق گزرتا ہے کہ وہ اسے ٹالنے کی عجیب و غریب تدابیر ذہنی کد و کاوش سے اختراع کرتا ہے - بخیل کی نفسیات کی ننگی تصویر اس نظم میں نظر آتی ہے - تمام جزئیات کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ کیا ہے - پڑھنے والا بے اختیار مزے لیتا اور بخیل کی ہنسی اڑانے میں شریک ہو جاتا ہے اور انسانی فطرت کی اس کمزوری پر ہرگز ہمدردانہ نظر نہیں ڈالتا —

جس طرح سودا نے بخیل کی ہجو میں تخیل سے کام لے کر بخل کی مذمت کے نئے نئے پہلو نکالے ہیں اسی طرح میر ضاحک کے پیٹو پن کی ہجو میں اپنی قوت متخیلہ کا کمال دکھایا ہے - بسیار خور کے عادات و اطوار اور ہوکے پن کو عجیب عجیب طرح سے بیان کیا ہے —

حکیم محمد غوث کی ہجو اپنی لطافت و دلچسپی کے اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے - اس میں گو زیادہ خیال آرائی نہیں تاہم جو کچھ بیان کیا ہے اُس میں شاعرانہ نزاکتیں ہیں - حکیم غوث طب سے قطعاً ناواقف ہے اور اِس ناواقفیت میں اُلٹے علاج کر کے قتل عام کرتا ہے - اس کی ذات سے گورکن اور مردہ شو وغیرہ کا روزگار گرم ہے - وہ اگر بیمار ہو جاتا ہے تو یہ سب ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ آپ اپنے احمقانہ

علاج سے مرنہ جائے اور ہماری معاش کا دروازہ بند نہ ہو جائے : —

ہو کے کسلمند جو وہ بے حیا　　اپنے تئیں آپ کرے ہے دوا
مردہ شو و مولوی ، تابوت گر　　گھیرتے ہیں آن کے سب اُس کا گھر
دیں ہیں دہائی وہ بصد قیل و قال　　اُن میں سے ہر ایک کرے ہے سوال
اپنی دوا آپ تو ظالم نہ کر　　میرے کس وکو کی طرف کر نظر
خوب جو کرتا ہے تو اپنی دوا　　اور کوئی آپ سا ہم کو بتا
رواں سے خاطر ہو مری تا کہ جمع　　بھیجوں تری گور پہ گل اور شمع

اِس کے بعد اُس کے طریق علاج و نسخہ نویسی وغیرہ پر خوب خوب خیال آرائیاں کی ہیں —

اخلاقی نظموں میں راجا نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو مشہور ہے - اُس کا آغاز بھی دلچسپ ہے اور خاتمہ بھی معنی خیز اور سبق آموز - یہ مثنوی ہے لیکن اُس کی گریز میں قصیدے کی شان ہے - لکھا ہے کہ میرا سخن فیل معنی ہے جو ہمیشہ میرے ہاں بندھا رہتا ہے - سخندانوں کی فہم اُس کے لیے میدان گشت ہے - اُس کی پاک طینتی کا یہ عالم ہے کہ خاک پر ہرگز قدم نہیں رکھتا - اس قدر سبک رفتار ہے کہ کاغذ پر بے تکلف دوڑتا چلا جاتا ہے - آواز تحسین اُس کے لیے بانگ درا ہے - اپنی جلالت شان کے سبب مسلک کو کبھی سیندور سے آلودہ نہیں کرتا - قد و قامت میں عرش سے اونچا ہے - اس کے لیے دل مہاوت اور نالہ بھالہ بردار ہے - آہ شرربار آتشبازی کی چرخی کا کام دیتی ہے - نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے - سبھوں کی نظروں سے اوجھل ہے - اگر خدا کسی کو ہاتھی دے تو ایسا دے نہ کہ راجا نرپت سنگھ کے ہاتھی جیسا - یہ

گریز ہے - اس کے بعد راجا کے ہاتھی کی شرارت ، نحوست ، اُس کے ڈیل ڈول وغیرہ پر خیال آرائی کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اس کے مہاوت سے کہا کہ اس کی بجائے گدھا خرید لو - اُس نے بڑی اس کی بہت برائی کی اور کہا کہ گو میری روزی کا دار و مدار محض اِس ہاتھی کی زندگی پر ہے لیکن یہ اس قدر منحوس و شریر ہے کہ دل سے اُس کی موت چاہتا ہوں - شاعر نے اس سے یہ سبق لیا ہے کہ ہماری ہمت ایک معمولی فیلبان کی ہمت سے گئی گزری ہے - وہ چاہتا ایک شریر ہاتھی کی ہلاکت کے درپے ہے ہم اُسی قدر اپنے ظالم اور شریر نفس کی پرورش میں لگے ہوے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بہت جلد مشہور ہوگئی تھی - یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے اُس کے جواب میں ایک مثنوی کہی ہے جس کا ایک شعر آبحیات میں درج ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :—

تم اپنے فیل معلی کو نکالو　　　میرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

اِن ہجویات کے سوا چند ہجویں ایسی بھی ہیں جو محض خوش طبعی اور ظرافت کے طور پر کہی گئی ہیں - ان کا تعلق دراصل ہجویات سے نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ظرافت و مزاح کی تعریف میں آتی ہیں - اس قسم کا بہت سا کلام سودا کے کلیات میں موجود ہے ، جس پر ہم نے کسی دوسری جگہ بحث کی ہے —

سطور بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سودا کی ہجویات اس معیار پر پوری اُترتی ہیں جو ایک کامیاب ہجو کے لیے معین ہے - ہجو کے اساسی

عناصر، زبان و بیان اور تخیل ہیں - زبان کی لطافت و پاکیزگی، بیان کی سلاست و پختگی اور تخیل کی بلند پروازیاں ایسی ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر ہجو نگاری کا حق ادا نہیں ہو سکتا - سودا کی اکثر نظموں میں یہ خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں - اُس کا تخیل بقول آزاد ایک پھلجھڑی ہے - جس موضوع پر وہ لکھتا ہے اُس کے ہر پہلو پر نہایت شاعرانہ خیال آرائی کرتا ہے اور بات میں بات پیدا کرتا چلا جاتا ہے - ایک معمولی سی بات میں مختلف پہلو نکالتا ہے اور اپنی قوت متخیلہ سے بےجان سی بےجان چیز میں تڑپ اور جان پیدا کر دیتا ہے - اس کے بیان میں مبالغہ ضرور ہے لیکن اس کو اس استادانہ طریقے سے نبھایا ہے کہ ناگوار نہیں گزرتا، اور پڑھنے والے کو اپنا ہم نوا بنا لیتا ہے - مضمون آفرینی اور معنی تراشی کے قطع نظر جب ہم اس ہجویہ کلام کی زبان و بیان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سلاست و پختگی اور لطافت و پاکیزگی کے آثار ہر جگہ نظر آتے ہیں - زبان موزوں اور شگفتہ ہے اور موضوع کے لیے نہایت مناسب - اسی طرح اسلوب بیان میں بھی استادانہ مثالی ہے - مصرعے چست ہیں - کسی جگہ بندش ڈھیلی نہیں - تشبیہ و استعارہ کا بھی التزام ہے لیکن غیر فطری نہیں - یہ تشبیہیں اور استعارے مطالعۂ فطرت سے اخذ کیے گئے ہیں - ظرافت اور ہجو میں الفاظ کے صحیح اور برمحل استعمال کو بھی خاص دخل ہے - اگر الفاظ موقع اور محل کے اعتبار سے نہ بٹھائے جائیں تو ظرافت بے جان سی معلوم ہونے لگتی ہے اور الفاظ کی بھدی اور ڈھیلی نشست ہجو کا لطف زایل کر دیتی ہے - سودا نے برجستہ الفاظ و محاورات کے استعمال

سے اپنی ہجویات میں جان ڈال دی ہے - اس کا تخیل جس قدر وسیع اور بلند ہے اسی قدر اس کی زبان اور بیان بھی مناسب اور پختہ ہیں- کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ زبان کی کوتاہی سے ادائے خیال میں کھانچے پڑ گئے ہیں - خیالات اور زبان و بیان کی خوبیوں کے سوا سودا کی ہجویات کی ایک اور اہم خصوصیت ہے - اس کی اکثر ہجویات میں کوئی نہ کوئی مقصد پنہاں ہے - ان سے اخلاقی اور اصلاحی سبق ملتے ہیں - اس کی بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن کی تہ میں کوئی نہ کوئی مقصد کار فرما نہ ہو - وہ ایک خاص مقصد سے ہجو کے میدان میں اپنا قلم دوڑاتا ہے - ان تمام خصائص پر نظر کر کے اساتذۂ تنقید نے اس کی ہجویات کی صوری و معنوی خوبیوں کی تعریف بڑے شد ومد سے کی ہے اور اس کو اردو زبان کا سب سے زبردست ہجو نگار تسلیم کیا ہے —

مراثی

سودا کے مرثیوں کا ایک دیوان ہی الگ ہے - اس کے مرثیوں کی اہمیت و حیثیت قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مرثیہ گوئی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ اُس نے اس صنف میں کس دور میں طبع آزمائی کی اور اِس میں اُس کی کیا حیثیت ہے ـــ

مرثیہ گوئی کا آغاز اردو کی ابتدائی نشو ونما کے ساتھ ہی ہوا، چنانچہ گجرات اور دکن کے مرثیہ گو شاعروں سے قطع نظر دوسرے مقامات میں بھی مرثیہ گو پائے جاتے ہیں - جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہے - ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ شمالی ہند میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو وہاں کے شاعروں نے مرثیہ گوئی کی ابتدا کب اور کس طرح کی - دہلی میں اردو شاعری کا باضابطہ آغاز جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے محمد شاہ کے اوائل حکومت میں ہوا ہے - اس کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی بھی شروع ہو گئی - یوں تو دکنی مرثیے اس سے بہت قبل ہندوستان میں پہنچ چکے تھے چنانچہ قائم کے ذیل کے بیان سے معلوم ہوتا کہ سنہ ۱۱۱۸ ھ سے قبل (عہد اورنگ زیب میں) دکنی مرثیے

ہاتھوں ہاتھ دکن سے شمالی ہند پہنچ چکے تھے - قائم نے شاہ قلی خاں شاہی ' مصاحب و ندیم تانا شاہ کے ضمن میں لکھا ہے :—

" سابق بریں پنجاہ سال ابیات و مرثیہ اش در بلاد ہندوستان دست بدست گردیدہ اند " -

میر حسن نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے " بیشتر مرثیہ می گفت ، در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند " -

لیکن عہد محمد شاہ سے پہلے شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کا باضابطہ آغاز نہیں ہوا تھا - صرف دکنی مرثیوں نے شاعروں کے لیے ریختہ میں مرثیہ کہنے کا راستہ صاف کر دیا تھا - دکھنی مرثیہ گوئی کے اثر سے شمالی ہند میں بعض مرثیہ گو عہد محمد شاہ سے قبل ہوے ہیں چنانچہ قایم کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں- لیکن مرثیہ گوئی کا مستقلاً آغاز نہیں ہوا تھا البتہ اس کے عہد میں ہم فضلی (صاحب کربل کتھا) کے علاوہ تین مشہور مرثیہ نگاروں کا ذکر سنتے ہیں - مسکین اور اس کے دو بھائی حزیں و غمگین ' جن کے متعلق نواب درگاہ قلی خاں نے لکھا ہے —

" وے بزبان ریختہ گفتن مہارت تمام دارند - در ہمہ شہر کلام اینہا شہرت دارد و در واقع ہر یک کس بسیار خوب می گویند و الفاظ الم آور بہ مضامین حسرت آگیں ایجاد می کنند- نزاکتہا ن مرثیہ بخدمت اینہا طرفہ رجوعے است - مسودۂ اشعار ش بہ تلاش بدست می آرند و در امثال و اقران افتخار می کنند - طرزہاے عجیب و تلاشہاے غریب در فکر این عزیزاں بنظر می آید - حق تعزیہ در کلام خود ادا می کنند و خلوص محبت طیبین و طاہرین بر ہمگنان ظاہر است - صلۂ معتد بہ

کہ معاش رفقا کند از مکانہاے معین دارند و فکر غیر از منقبت بخاطر نمی رساند - الے از استماع مرثیہ ہا یش بہ ارباب تعازی می رسد کہ از روضۃ الشہدا متصور نیست و نہ از وقائع مقتل - قدر دان مراتب الم و چاشنی گیران مائدۂ غم امتیاز می کند —

ما ندانیم نسیم و نشنا سیم صبا ہر کہ آرد خبر دوست دل از ما ببرد

اسی دور کے دو اور مرثیہ نگار ہیں - ایک پسر لطف علی خاں دوسرا محمد نعیم جن کے متعلق درگاہ قلی خاں کا بیان ہے :—

" پسر لطف علی خاں ... منقبت در ریختہ بہ طمطراق تمام و ساز و سامان مالا کلام می گوید - دنہاے مرثیہ بہ عجب سوز و گداز می گزارد - معدن اندوہ است و کان الم - مخزن مصیبت است و گنجینۂ غم " -

" محمد نعیم ... مضامینے در ریختہ می آرد کہ فارسان مضمار فارسی زمین گیر می شوند - شعرش چوں ناشی از درد و اندوہ است بمجرد شنیدن طبائع را مقارن غم و الم می گرداند " -

ان مرثیہ گویوں کے علاوہ عہد محمد شاہی میں کئی مرثیہ خواں بھی تھے جن کا ذکر درگاہ قلی خاں نے کیا ہے - ان کے سوا بعض اور شاعروں نے بھی مرثیے میں طبع آزمائی کی ہے جن میں مصطفیٰ خاں یکرنگ ، سعادت علی سعادت ، میر برہان الدین عاصی معاصرین آبرو و حاتم قابل ذکر ہیں - گردیزی اور میر حسن نے اول الذکر کے مرثیے کے چند شعر نقل کیے ہیں - ان کے بعد کئی مرثیہ گو پیدا ہوے جن میں سے بعض مشہور شاعروں کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں-

ان میں دو شاعر خاص اہمیت رکھتے ہیں - ایک مراد (یا مرزا) علی قلی ندیم شاہجہاں آبادی ' دوسرا میر محمد تقی - ندیم کے متعلق قائم نے لکھا ہے : -

" سابق بریں چلد سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین الصلوۃ والسلام بقوت تام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیہا می کرد چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عدل است- بالفعل کہ طور گفتن مرثیہ بے ادبانہ دل نشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتن شعر ریختہ مشغول است " -

اس کے متعلق میر حسن کا بیان ہے " بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ می گفت چنانچہ اکثر مرثیہ ہاے او مشہور اند " -

تقی کے متعلق میر حسن نے لکھا ہے " سید نجیب الطرفین از مرثیہ گویان حضرت ابا عبداللہ الحسین سید محمد تقی عرف میر گھاسی- فقیر او را نہ دیدہ لیکن اکثر اوصاف آن بزرگوار شنیدہ - مولدش شاہجہان آباد - الحال بطرف فرخ آباد استقامت دارد- گاہ گاہے فکر شعر ہم می کند " —

یہ دونوں مرثیہ گو سودا کے ہمعصر تھے - ان کے علاوہ اور بھی کئی مرثیہ گو ہیں جن کے حالات آسانی سے میر حسن ' شوق ' مصحفی اور قائم وغیرہ کے تذکروں میں ملتے ہیں —

اوپر کے بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ مرثیہ گوئی ریختہ گوئی سے الگ سمجھی جاتی تھی اور یہ ضرور نہ تھا کہ جو مرثیہ گو ہو وہ غزل بھی کہے - مرثیہ گویوں کا گروہ ہی الگ تھا جو شاعروں سے مختلف و ممیز تھا - سودا کے زمانے میں

کثرت سے مرثیہ گو پیدا ہوگئے تھے جن میں میر امامی علی، میر امانی اسد، سید محمد تقی، سکندر، صبر، گمان، ندیم، میر حسن اور میر تقی میر وغیرہم خاص طور سے اہم ہیں - مرثیہ گویوں کی تعداد تو بڑھ گئی تھی لیکن مرثیہ گوئی کی حالت بری تھی - پہلے تو اکثر مرثیہ گو بلند پایہ شاعر نہ تھے - دوسرے اُن کا مطمح نظر سامعین وغیرہ سے صلہ حاصل کرنا بھی تھا جیسا کہ اوپر مسکین وغیرہ کے بیان میں مذکور ہوا ہے اور سودا نے بھی ایک شعر میں اِس کی طرف اشارہ کیا ہے :-

یہ روسیاہ تو ایسا نہیں جسے ہووے   تلاش مرثیہ گوئی سے دام و درہم کا

سامعین کے پاس ادب و عقیدت سے فائدہ اُٹھا کر مرثیہ گو جری ہوجاتے تھے اور بے جھجک فنی غلطیاں کرتے تھے - یہی وجوہ ہیں کہ بعض معقول و رتبہ دار شاعروں نے مرثیہ گوئی ترک کردی تھی جیسا کہ اوپر ندیم کے متعلق قائم نے لکھا ہے - یہی شکایت سودا کو بھی تھی - اُس نے لکھا ہے :—

"لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے - نادر مقالہ ہے کہ عقلا جو نہ سمجھیں اور ضبط تصحیک و تصد بکا میں رہیں اُس کا سیاق و سباق جہلا دریافت کریں اور پھوٹ بہیں" —

قائم اور سودا کے بیانات سے ظاہر ہے کہ مرثیہ گوئی کی حالت ابتر تھی اور نا اہل شاعروں کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی - عیوب پر مذہبی احترام اور عقیدت پردہ ڈالدیتے تھے - مرثیہ گو بے تکان طبع آزمائی کرتے تھے اور صلہ پاتے تھے - اکثر شاعروں نے مرثیہ گوئی کو معاش کا ذریعہ

بنا لیا تھا - اِس میں تنقید و تنقیص کی زد سے بھی بچاؤ ہو جاتا تھا - چنانچہ سودا جیسا بے باک ہجو گو بھی اعتراض کرنے سے ہچکچاتا تھا - اُس نے آخر صاف کہہ ہی دیا :—

عرض رکھتا ہوں اے گرم گستر اعتراضی سے پر مجھے ہے ڈر

کھول سکتا نہیں میں اپنے لب اس سبب سے کہ ہے یہ جائے ادب

لیکن زمانے کے ارباب فن اور اساتذۂ تنقید نے اس خرابی کو محسوس کیا اور یہ حکم لگا دیا کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" - یہ کلمہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں اُس زمانے کی مرثیہ گوئی کی ابتری و خرابی کی داستان مضمر ہے - سودا نے بھی اس عام ابتری کو بشدت محسوس کیا اور خوف و خطر کے باوجود اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تقی کے سلام اور مرثیے پر منظوم اعتراضات کیے جو ایک رسالے سبیل ہدایت کی شکل میں اُسی زمانے میں مرتب ہو چکے تھے جس کا ذکر ہم نے تصانیف کا سلسلے میں کیا ہے —

اس رسالہ سے اُس زمانے کی مرثیہ گوئی کی ابتری کا حال بخوبی واضح ہوتا ہے - سودا نے تعجب سے لکھا ہے کہ جما اور بدھو جیسے جاہل عوام جن مرثیوں کو سنکر پھوٹ بہیں اُن کے معانی و مطالب اہل علم وفن کی فہم سے باہر ہوں —

آپ کے مرثیے کا ہوں قائل خون جس سے عوام کا ہے دل

سن کے جما سے جس پہ بدھو تک شام سے کوٹیں سینہ صبح تلک

لیکن افسوس صد ہزار افسوس یہی آتا ہے بار بار افسوس

بدھو جما سمجھ جسے رو ویں معنی اُس کے نہ مجھ سے حل ہوویں

جب یہ صورت خیال کرتا ہوں اسی غیرت کے مارے مرتا ہوں

اِس رسالے میں اور کئی نقائص دکھائے گئے ہیں - یہ رسالہ دراصل اُس زمانے کی مرثیہ گوئی پر تنقید کا نمونہ ہے - اُس کی روشنی میں سودا کے مراثی پر نظر ڈالی جاسکتی ہے —

سنہ ۱۱۰۵ ھ سے قبل سودا کے مراثی کا ذکر سننے میں نہیں آیا - سب سے پہلی مرتبہ اس کے مرثیوں کا ذکر شفیق نے اُس کے کلیات کے بیان کے سلسلے میں کیا ہے - یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ سودا نے دہلی میں مرثیہ کہنا شروع کیا تھا یا وہاں سے جانے کے بعد - سنہ ۱۱۷۴ ھ تک کے مرتبہ کلیات میں اس کے کسی مرثیے کا پتا نہیں چلتا - معلوم نہیں کہ شفیق کے پیش نظر کس سنہ کا کلیات تھا جس میں اُس نے مرثیوں کا حوالہ دیا ہے - لیکن یہ یقینی ہے کہ شفیق کے تذکرے کی تالیف کے وقت (۱۱۷۵ میں) سودا فرخ آباد میں تھا —

سودا کے مطبوعہ کلیات میں اکیانوے مرثیے ملتے ہیں جن میں چند مہربان کے ہیں - بقیہ مرثیوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا نے محض جوش عقیدت میں یہ مرثیے لکھے ہیں ورنہ اس صنف شاعری سے اُس کی طبیعت کو لگاو نہ تھا اور خود اُس نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی طویل شاعرانہ مشق کے بعد بھی مرثیہ گوئی مشکل معلوم ہوتی ہے :- " عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا کہ گوہر سخن عاصی زیب اہل گوش ہوا ہے اس مدت میں مشکل گوئی دقیقہ سنجی کا نام آیا ... لیکن مشکل ترین دقائق طریق مرثیہ کا معلوم کیا " - سودا نے اپنے شاعرانہ زور کے بھروسے پر مرثیے کہے ہیں لیکن لوگ اُس پر اعتراض

کرتے تھے - خود سودا نے لکھا ہے :—

شعر کے قاعدے بموجب ہم کہنے لگے تھے مرثیہ کم کم
سو زبانی تمہاری اے مخدوم ہوا اپنے تئیں کو یوں معلوم
مرثیہ وہ جسے عوام الناس روئیں سن سن پڑھیں جب اُن کے پاس
اور سودا کا مرثیہ سن کر چپ ہی رہ جاویں ہوں میں سردھن کر
کیسی ہی طرح کوئی اُس کی بنائے لیکن اُس پر کبھو نہ رونا آئے
بارہا یہ سخن ہوا ظاہر حق میں بندے کے غائب و حاضر
سچ ہے یہ مجکو مرثیے کا ڈھب نہیں آتا وہ جس سے رو ویں سب

اِس میں شبہ نہیں کہ سودا کے مرثیوں میں مرثیت بڑی حد تک مفقود ہے- مرثیے کی بڑی غرض و غایت غم انگیز مضامین کو رقت خیز پیرایے میں بیان کر کے رلانا ہے - سودا کے مراثی میں یہ جوہر نہیں - ہر چند اُس نے لکھا ہے : —

نہری اس نظم پر سودا خلائق اب زبس روئی
سیاہی یک قلم نامے سے عالم کی گئی دھوئی

یہ دستاویز آمرزش کی ہے یا مرثیہ گوئی
کہ ہر اک بند پر جس کے در جنت کھلا دیکھا

لیکن سودا کے اِس بیان کو خود اُس زمانے میں لوگ صداقت سے خالی سمجھتے تھے اور اُس کی شاعرانہ طبیعت کو مرثیہ گوئی کے لیے ناموزوں سمجھتے تھے اور اُس سے مرثیے کے سوا دوسرے اصناف میں طبع آزمائی کی فرمائش کرتے تھے - لیکن سودا جوش عقدت میں اس بات کو نہیں سمجھتا تھا : —

جو مجھ سے کہتے ہیں کہ مرثیے سوا کچھ اور
وہ چاہتے ہیں زباں سے میری سنا کچھ اور

کبھو نہ میں تو کہوں اِس کے ماورا کچھ اور
الم سے آلِ محمد کے ہے بھلا کچھ اور

شاعرانہ زور طبع اور عقیدتمندانہ جوش میں سودا نے مرثیے تو کہے ہیں لیکن اُن کی معنوی حیثیت کے بڑھانے میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی - البتہ صورت کو بڑی حد تک تکمیل کے راستے پر لگا دیا - سودا سے قبل مرثیہ گوئی کی صورت صرف مربع تک محدود تھی - مرثیے یا تو غزل نما (مفردہ) ہوتے تھے یا مربع، دوسری کسی صورت میں نہ ہوتے تھے- بحریں بھی عموماً آسان و مترنم ہوتی تھیں- بعض شعرا نے مشکل بحروں میں بھی طبع آزمائی کی ہے جیسا کہ ندیم کے متعلق قائم نے لکھا ہے - لیکن ایسے بہت کم شاعر تھے - سکندر بھی بڑا مرثیہ گو ہوا ہے لیکن اُس نے بھی صورت کے بڑھانے میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی ' البتہ مسدس مرثیہ لکھا ہے - لیکن یہ سودا کے آخری زمانے میں ہوا ہے - میر حسن ' مصحفی ' اور شاہ کمال کے بیانات ثابت کرتے ہیں کہ یہ سودا کے بعد کا شاعر ہے - ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ سودا کے لیے اُس کے مرثیے نمونے کا کام نہ دے سکے بلکہ اغلب یہ ہے کہ سکندر کے پیش نظر سودا کے مرثیوں کے نمونے موجود ہوں - سکندر سے ایک جدت یہ منسوب کی جاتی ہے کہ اُس نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں مرثیے کہے ہیں- لیکن اولیت وجدت کا سہرا سکندر کے سر نہیں ہوسکتا- سودا نے خود اس سے قبل پوربی اور پنجابی میں دو مرثیے کہے ہیں- اس

کا مرثیہ گوئی میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اُس نے مرثیے کی کئی صورتیں پیدا کر دیں - چنانچہ اُس کے مرثیے ذیل کی صورتوں میں ملتے ہیں -

(۱) مفردہ (۲) مستزاد مفردہ (۳) مثلث (۴) مثلث مستزاد (۵) مربع (۶) مربع مستزاد (۷) مخمس ترکیب بند (۸) مخمس ترجیع بند (۹) مسدس (۱۰) مسدس ترکیب بند (۱۱) دہرہ بند —

سودا سے قبل کسی شاعر کے مرثیے اِن تمام صورتوں میں اب تک دستیاب نہیں ہوے ہیں- سودا کا یہ بہت بڑا کام ہےکہ اُس نے مرثیہ گوئی کی جولانگاہ کو وسیع تر کر دیا اور اظہار مطالب و مضامین کی کئی راہیں کھول دیں —

سودا نے زمانے کے رواج کے مطابق اپنے مرثیوں کی غرض یہ رکھی تھی کہ سامعین دردانگیز و رقت خیز مضامین اور کربلا کے پر الم واقعات کو سن کر ماتم کریں - وہ جوش عقیدت میں مرثیہ کہتا تھا ' خود روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلانے کی کوشش کرتا تھا مثلاً اُس کے شعر ہیں :-

اشک کی جاگہ خون کے قطرے ہر اک چشم سے گرتے ہیں
خوب رلایا سب کو تونے اِس کی جزاے اکبر ہے

شہا تو دے مجھے توفیق گریہ و زاری
اور اُس کے ساتھ کسی مملکت کی سرداری

اکثر مرثیوں کے خاتمے پر بین اور گریہ و زاری کا ذکر کیا ہے اور رونے رلانے کو ثواب کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ بتایا ہے —

جو دھویا چاھتا ھے نامۂ اعمال اے سودا
تو رو رو کر بھگو رومال پر رومال اے سودا

خوشی کو رات دن کر غم کے تو پامال اے سودا
الم سے اپنے رکھہ سینے کو مالا مال اے سودا

بچاتا ھے اگر تو آپ کو نار جہنم سے

ساقی سے کوثر کا ملے گا بھرا ھوا ایسا ھی جام
آنکھہ ھر اک کی آنسو سٹی جیسے بھر بھر آئی

یہ تو نے مرثیہ کہہ کر جو اے سودا پڑھایا ھے
حدیث من بکیٰ پر کر عمل سب کو رلایا ھے

نہ تنہا اپنی ھی خاطر جناں میں گھر بنایا ھے
جگہہ جنت میں سب کے واسطے تو نے سنواری ھے

اپنے مرثیوں کو غم انگیز اور الم آور سمجھتا ھے - اُسے یقین ھے کہ اس کے مرثیے سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ھیں اور آہ و نالہ کا فلک شگاف خروش پیدا کرتے ھیں -

سامعوں میں تاب نہیں سودا نہ کر آگے بیاں
ابر مژگاں نے تو بوندیں خون کی برسائیاں

نہ کر بس آگے تو سودا یہ ذکر رہ خاموش
فلک کی پشت سے گزرا ھے سامعوں کا خروش

لہو ھر اک کے جگر کا یہ مارتا ھے جوش
کہ ان کی چشم سے جز خون جگر بہا کچھہ اور

سودا بڑی جد و کد سے مرثیہ کہتا ھے - اسے اِس میں مطلق شبہہ نہیں رھتا کہ سامعین بے اختیار ھو کر گریہ و زاری کرنے لگیں گے -

سوم کا مرثیہ کیا خوب میں نے سودا کہا
دیا ہے خون جگر چشم سامعوں سے بہا

سوالیوں میں ترا نام تا بہ حشر رہا
سنا ہے جن نے اسے اس کا دیدہ تر ہے آج

سودا کے خلوص اور عقیدت میں شائبۂ شک نہیں - وہ ضرور کربلا کے دردناک واقعات سے متاثر ہے اور رنج و الم سے اس کا دل چور چور ہے لیکن مرثیت کا اصل جوہر اس کے مرثیوں میں بڑی حد تک مفقود ہے - مرثیہ سننے سے دل میں جو غم انگیز جذبات پیدا ہوتے ہیں اور سننے والے کے بے اختیار آنسو رواں ہوجاتے ہیں اس حد تک اس کے مرثیوں میں بڑی کمی ہے - وہ اپنی شاعرانہ ہلنر مندی سے رقت ناک جذبات اور الم انگیز تاثرات کا اظہار اس موثر انداز میں نہیں کرسکتا کہ دوسرے بھی پھوٹ بہیں - یہ اعتراف خود اُس کے زمانے میں کیے جاتے تھے - چنانچہ سودا نے اس شکایت کی طرف نقی پر اعتراض کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے - جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے - ان حالات کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سودا کے غمناک احساسات اور پر درد تاثرات سچے ' خالص اور زبردست ہیں - ذیل کے بند سے ممکن ہے کہ سننے والے کا دل نہ پسیجے اور ان کا پیرایہ موزوں و موثر ثابت نہ ہو لیکن شاعر کے خلوص اور سچائی میں شبہ نہیں کیا جاسکتا :—

نہ رمق باقی ہے اصغر میں نہ اکبر میں دم
اور قاسم کی کہیں کیا جو ہوا اُس پہ ستم

رن میں بے جان پڑے اُن کے تن نازک در ہم
دیکھہ کر زخمی شمشیر وسلاں روتے ھیں

چرخ کی ہم سے عداوت کے تئیں کیجے سیر
وحشی سیراب ھیں جنگل میں ہوا میں ھیں طیر

اور فرزند تمہارے جو ھیں سو آب بغیر
لب دریا وہ کھڑے تشنہ لباں روتے ھیں

دین کا جس کے خلائق کے تئیں دعوا ھے
اس کی اولاد کے سر پر یہ ستم برپا ھے

پوچھتا ہو جو کوئی تم پہ مصیبت کیا ھے
دشت غربت میں پڑے بے وطناں روتے ھیں

غرض اب کہتے ھیں اس طرح سے دکھہ اہل حرم
تھرتھراتے ھیں پڑے سن کے جسے لوح و قلم

دیدۂ جن و ملک خون سے دل کے ھیں نم
روز و شب لخت جگر آدمیاں روتے ھیں

غریبی بس ھے وطن کی حرم چھٹتا تو چھٹتا
رھیں گے دھوپ ھی میں خیمہ گو لٹتا تو لٹتا

قضا کی تیغ سے میں بھی جواب کٹتا تو کٹتا
اگر کٹتے تو کٹتے رن میں دست و پائے حسین

بطفاک معرکہ کر، یہ بدن رلا تو رلا
سناں نیزہ پہ سر بھی اگر چلا تو چلا

مرے لہو سے جو زینب لے ملے ملا تو ملا
اگر روئی تو روئی کر کے ھائے ھائے حسین

زمیں ھی بسر ھے بچھونا ردا رھی نہ رھی
برھنگی تو ھے تن پر قبا رھی نہ رھی

جو چیز کام سے ھو ماسوا رھی نہ رھی
کہ خاک و خون سبھی فرش ھے برائے حسین

اهل بیت کو شامی دربار یزید میں لے جا رھے ھیں' زین عبا پیادہ ھیں اور گرد سوار جوق جوق - دھوپ کی تابش سے گلے کا طوق آگ ھوگیا ھے ' تپ اس شدت کی چڑھی ھے کہ کف پا کے خون سے خار مغیلاں جل اُٹھتے ھیں - اس جانکاہ رنج و تکلیف میں حضرت امام کا سر نیزہ پر دکھائی دیتا ھے :—

تھی نظر چار طرف اُس کی بہ چشم پر نم
ناگہاں باپ کا سر نیزے پہ دیکھا جو علم

جوش خوں ناب دل اُس کےلیے یہ مارا اُس دم
کہ برسنے لگی از دیدۂ گریاں آتش

پھر کے اک آہ جگر سوز کہا وائے پدر
اے میں قربان ترے سر کے ترا تن ھے کدھر

کچھ ترے حال سے میرا ھی نہیں داغ جگر
کرتی ھے غم کی دل فاطمہ بریاں آتش

مسلم کے دو صاحبزادے محمد اور ابراھیم تھے - باپ کی شہادت کے بعد قاتل اِن دونوں یتیموں کو دریائے فرات کی طرف لے جاتا ھے اور اپنی تیغ بے دریغ سے شہید کرنا چاھتا ھے - دونوں بہ گریہ و زاری

کہتے ہیں کہ اگر اِس بے رحمانہ قتل کا مدعا مال و زر ہے تو ہمارے پاس
کہا ہے؟ یہ ہمارے گیسو کاٹ لے اور کسی کے ہاتھ بھیج دے - یہ سن کر وہ
سفاک نہایت بے دردی سے جواب دیتا ہے :—

سن کے یہ کہنے لگا دونوں سے وہ دشمن دیں
رحم کر چاہو تو یک زرہ میرے دل میں نہیں

غرض اُن دونوں یتیموں پہ ہوئی موت یقیں
چپ ہوے ہو کے وہ راضی بہ رضا و تسلیم

آخر کار جو بے رحم نے کھینچی تلوار
کہا ہر ایک نے اُس سے یہی رو رو کر زار

خوف اتنا نہ کر اب پہلے تو مجھکو ہی مار
دیکھ سکتا میں نہیں بھائی کی گردن پہ دو دم

حضرت امام کی گود میں چھ ماہ کا طفل شیر خوار اصغر ہے -
پیاس کی شدت سے بے قرار ہے - حضرت اُس کے لیے زرا سا پانی مانگتے
ہیں - دشمن نہایت تلخی سے جواب دیتے ہیں کہ اگر ایسے سو بچے پانی
پانی کر کے دم چھوڑ دیں تو بغیر بیعت یزید کے قطرہ بھر پانی نہیں دیں گے
دشمن یہ کہنے بھی نہ پاے تھے :—

کہ ناگہ ایک تیر آیا طرف سرور کے اودھر سے
وہ بیٹھا بازوے شہ میں گزر کر حلق اصغر سے

یہ حالت دیکھ بولے شاہ اُس معصوم اطہر سے
کہ تم بھی چل بسے اے لعل اب باری ہماری ہے

یہ کہہ کر کھینچ ڈالا تیر شہ نے اپنے بازو سے
لہو لے لے ملا اُس زخم کا اپنے سر و رو سے

اسی حالت سے لے جا کر کہا یہ شہربانو نے
کہ اب کوثر سے اِس گوہر کو تیرے آبداری ہے

یہ حالت دیکھ خیمے میں قیامت ہو گئی برپا
پہنچتا تھا فلک تک آہ و نالہ شہر بانو کا

سکینہ لگ گلے اصغر کے بولی اے مرے بھیا
یہ تیرے حلق سے لو ہو سبب کیا ہے کہ جاری ہے

اس قسم کے بہت سی مثالیں مرثیے کے مجموعے میں موجود ہیں' جن میں درد ناک واقعات کو موثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سودا نے کربلا کے واقعات کو روضۃ الشہدا وغیرہ جیسی کتابوں اور سینہ بہ سینہ روایات سے اخذ کر کے لکھا ہے - یہ مرثیے تاریخ نہیں ہیں اس لیے اُن میں نہ تو کسی خاص تاریخی نقطۂ نظر کے آثار نظر آتے ہیں اور نہ وہ پیرایۂ بیان - سودا نے جگہ جگہ لکھا ہے کہ یہ روایت ہے یا یہ روضۃ الشہدا میں درج ہے : -

یوں روایت ہے کہ وہ مظلوم سوے کربلا
جب لگا چلنے مدینے سے کٹانے کو گلا

ہے ایک روایت ز روایات پر از غم رو اُس کو تو سن کر
میدان میں شہ دین کے مارے گئے جس دم بس خویش و برادر

عزیزو روضۃ الشہدا میں ہم نے جو لکھا دیکھا
پڑھا ہم نے بھی وہ احوال اور سب کو پڑھا دیکھا

یہ روایات اس انداز میں بیان کی گئی ہیں کہ مرثیوں کی غرض و غایت پوری ہو جائے - ان حالات میں ان کی تاریخی صداقت کو کسی خاص اصولی معیار پر جانچنا ایک اُصولی غلطی ہے —

سودا نے کربلا کے واقعات کو مسلسل بھی بیان کیا ہے - اکثر مرثیے ایسے ہیں جن میں فرداً فرداً روایتیں قلمبند ہوی ہیں- مرثیوں میں عموماً غزل کی طرح ہر بند یا شعر منفرد اور دوسرے بند وغیرہ سے بے تعلق ہوتا تھا لیکن سودا نے مسلسل واقعات کو ترتیب وار بیان کیا ہے - جنگ کی تیاری ' شہادت حضرت امام حسین اور دیگر شہیدان کربلا کی شہادتوں کے واقعات ' سوداں کربلا سے شامیوں کا اہل بیت کو دربار یزید میں لے جانا ' یزید کا حضرت امام حسین کے دندان مبارک کو چھڑی سے چھونا ' ایک عیسائی کا اس موقع پر یزید کو برا بھلا کہنا وغیرہ وغیرہ یہ سب واقعات علحدہ علحدہ مرثیوں میں مسلسل قلمبند ہوے ہیں —

سودا کے زمانے میں عام رواج تھا کہ مرثیوں کو بلا تمہید و تقریب شروع کر دیتے تھے - مرثیہ گویوں کا مدعا محض بین تھا اس لیے مرثیوں کا آغاز غم انگیز واقعات کے بیان سے ہو جاتا تھا - سودا کے بھی اکثر مرثیے اسی طرح شروع ہوے ہیں لیکن کہیں کہیں جدت سے کام لیا ہے اور اپنے مرثیوں کی غم انگیز تمہیدیں لکھی ہیں :—

بولے ہیں مرغ چمن آج کے نالاں ہیں ہم
کہتے ہیں گل کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم

ہے یہ سنبل کے زبانزد کہ پریشاں ہیں ہم
نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم

جامۂ ماتمیاں ہے یہ تن نیلوفر
آتش غم سے ہے لالے کا نت اوتھہ داغ جگر

قمری کو سمجھو کہ اخگر ہے تہ خاکستر
سرو کہتا ہے یہی آہ گلستاں ہیں ہم

نظر آتا نہیں یہ خوشہ بتاک انگور
باغ کا آبلۂ غم سے ہوا دل معمور

جگر غنچہ کو ماتم نے کیا چکنا چور
گل پہ شبنم یہی کہتی ہے کہ گریاں ہیں ہم

صبح کو باد صبا ڈالے تھی سراپے پہ خاک
سیلہ ہے آج سبھی پھولوں کی کلیوں کا چاک

جس کو میں اُن میں سے پوچھا کہ تو کیوں ہے غمناک
بولے ہے تعزیہ داران شہیداں ہیں ہم

ایک دوسرے مرثیے کی تمہید ہے: —

اشجار غم سے ہوگئے بے برگ و بر صبا
گل شبنم الم سے ہوی چشم تر صبا

پھر کس خوشی سے کرتی ہے اب تو گزر صبا
سیر چمن کو آج سے موقوف کر صبا

ہے گلشن جہاں میں قیامت کی اب سحر
غنچے ہوے خموش گریباں کو چاک کر

جاے عبیر ملتے ہیں گل گرد منہ اوپر
بلبل کا آہ نالے سے ترکا جگر صبا

سودا کو قصائد کی تشبیب لکھنے میں چونکہ خاص مہارت ہے
اس لیے اس کے بعض مرثیوں کی تمہیدوں میں اس مہارت کے آثار

نظر آتے ھیں - اوپر کی مثالوں سے اس کا بخوبی اندازہ ھوگا - اِس کے علاوہ طرز ادا میں بھی جدت اور ندرت سے کام لیا ھے - مرثیوں کی زبان اور بیان میں استادی اور پختگی کے آثار پائے جاتے ھیں - تشبیہات اور استعارات سے بھی کام لیا ھے لیکن اُن میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود نہیں جو دوسری اصناف خصوصاً قصائد میں پائی جاتی ھیں - تاھم زبان کی صفائی اور پاکیزگی اور بیان کی سلاست و روانی موجود ھے -

کردار نگاری انیس اور اُن کے معاصرین کے دور میں مراثی کا ایک خاص وصف سمجھا جاتا ھے - سودا نے جگہہ جگہہ بعض اشخاص کے کردار کو عمدگی سے دکھایا ھے - شمر اور عمر سعد کی اس پست ذھنیت کی تصویر کھینچی ھے کہ وہ اھل بیت جیسے ذی عظمت خاندان کو شکست دینے اور اُن کو گوناگوں تکالیف و مصائب پہنچانے میں بڑی کامیابی سمجھتے ھیں اور اس پر نازاں ھیں اور اسی لیے اپنے تئیں غیر معمولی انعام کا مستحق ثابت کرتے ھیں : —

رجز پڑھتے ھوئے آئے وہ لعین لیکر سر
اسپ مانگے تھا کوئی اُن میں کوئی خلعت زر

شمر ملعون عمر سعد پھر آگے آکر
عرض کرنے لگے یوں سامنے اس طشت کو دھر

لائے ھیں آج سر اس کا تہرے فرمانے سے
جس کا رتبہ ھے بڑا عرش کے بھی پائے سے

یہ وہ سر ھے جو رھا دوش محمد پہ مدام
لائے کربل سے جسے رکھ کے سناں پہ تا شام

اہل بیت اس کے یہ زنجیر میں حاضر ہیں تمام
دے شتابی ہمیں جو تجکو ہے دینا انعام

یزید کی اس نامردی اور بزدلی کا خاکہ اُڑایا ہے کہ اہل بیت سے کوئی نہ بچنے پائے - ممکن ہے کہ آگے چل کر کوئی دعویدار خلافت پیدا ہو جائے - اس باب میں وہ اپنے مصاحبین سے نہایت بے چینی سے سوال کرتا ہے : —

سنتے ہی اُس کے یزید اس سے یہ کہنے لگا
کیا حسین ابن علی کا کوئی ایسا نہ بچا

جسکو پھر مجھ سے خلافت کا نہ ہووے دعوا
ایک ملعون نے ان میں سے یہ سن کر کے کہا

ایک بیمار سا لڑکا ہے کوئی عابد نام
طوق و زنجیر میں رہتا ہے وہ اب صبح و شام

جہاں دشمنان اہل بیت کی سفاکی ، نامردی ، ظلم جیسے ذمائم اور قابل نفرت خصائل کو دکھلایا ہے، اہل بیت کی حق پرستی، استقلال، جرات ، رضا و تسلیم ، فراخدلی اور سیر چشمی کو بھی خوبی سے واضح کیا ہے - حضرات امام حسین کی نعش مبارک کے پاس جبرئیل جناب باری سے پیام لاتے ہیں کہ اس شہادت کا خونبہا آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس کا جواب نہایت فراخ حوصلگی سے دیا ہے : —

دیا جواب یہ اس نعش نے معاذاللہ
وہ میں ہوں خاک سے جس کی جو سر بچائے کلاہ

آئے اور اس کے تئیں کاتیں پھر کے یہ گمراہ
تو کبریائی سے اوس کی نہ ملہ پھرائے حسین

کردار نگاری کی یہ اچھی خاصی مثالیں ہیں - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کردار کے پیدا اور پیش کرنے کی قوت سودا کے قلم میں موجود تھی - اس میں شبہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص التزام اس نے نہیں کیا تاہم اپنے توازن طبع سے کردار کے ضروری لوازم کو بڑی حد تک ملحوظ رکھا ہے - کہیں کہیں غیر محسوس یا نادانستہ طور پر اس کے قلم نے کردار کے خط و خال پر ایسے خطوط کھینچ دیے ہیں جن سے تصویر کی اصلیت میں فرق آگیا یا کم سے کم وہ رنگ پیدا نہ ہو سکا جسکو شاعر جمانا چاہتا تھا - شمر اور عمر سعد مہم کربلا کے سر کرنے کے بعد دربار یزید میں جاکر طالب انعام ہوتے ہیں - اس وقت وہ اپنی شقاوت و بے رحمی کو دین کے کھونے سے تعبیر کرتے ہیں اور برملا یزید کے سامنے اس کا جلگ اظہار کرتے ہیں :-

کام ہم نے یہ خلافت کے لیے تیرا کیا
کہ سبب جس کے سے دین اپنے کو برباد کیا

اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ دین کو بڑی چیز سمجھتے تھے اور جلگ کربلا میں شریک ہونے اور اہل بیت کے ساتھ سفاکانہ و ظالمانہ برتاؤ کرنے کو دین کی بربادی خیال کرتے تھے - یہ ایک قسم کی پشیمانی ہے جس کا ایک ظالم ، شقی اور سفاک کے دل میں پیدا ہو جانا بہت بڑی بات ہے - شاعر کا مدعا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شمر یا عمر و سعد کے اس تاسف و پشیمانی کا کسی طرح اظہار کرے لیکن نادانستہ طور سے اس کے قلم

سے یہ بیت نکل گئی - اس قسم کی اور بہت سی مثالیں اس کے مرثیوں میں موجود ہیں —

کردار نگاری کی فنی کوتاہی اور کمزوری کے ساتھ سودا میں ایک خامی اور بھی نظر آتی ہے - یہ وہی غلطی ہے جس پر سودا نے سبیل ہدایت میں اعتراض کیا تھا کہ " مرتبہ در نظر " نہیں رکھا - اس میں شبہ نہیں کہ اس نے اس کا بڑا خیال رکھا ہے لیکن جگہ جگہ نادانستہ طور پر لغزشیں ہو گئی ہیں - عابد سے یزید خطاب کرتا ہے :-

اُس لعین نے یہ کہا دیکھ کے عابد کو خطاب
کیوں تیرا باپ لڑا گر نہ تھی لڑنے کی تاب

یہ طرز خطاب ہر طرح بے ادبانہ ہے اور کوئی عقیدتمند قاری اور سامع ان الفاظ کو پڑھنا اور سننا گوارا نہیں کرے گا —

مراثی کا موضوع چونکہ تمام تر جنگ کربلا سے متعلق ہے اس لیے اس میں جنگ کے مناظر کے دکھانے کا شاعر کو خوب موقع ملتا ہے - سودا کے مرثیوں میں رزمیہ رنگ زیادہ اُجاگر نہیں تاہم کہیں کہیں اِس انداز کی جھلکیاں نظر آجاتی ہیں - حضرت عباس مشک بھر کر آتے ہیں کہ ابن سعد اپنے لشکر سے غضبناک ہو کر مخاطب ہوتا ہے اگر مشک صحیح سلامت لے جانے دی تو سب کو تہ تیغ کردیا جائے گا :—

یہ سن کر فوج شام اس پر گھٹا سی چھا گئی آکر
پر ان نے بھی علم کر تیغ اس کے سامنے جاکر

کیا جوں رعدیہ نعرہ طرح بجلی کے بل کھاکر
کہ بہتوں کا جگر پھٹ کر لہو آنکھوں سے ترآیا

امام حجت کے لیے حضرت عباس نے اُن سے مستورات اور بچوں کی شدت تشنگی کا ذکر کیا لیکن اس پر بھی مخالفین باز نہ آئے تو گھیراو کر دیا - اس وقت ان کی مردانگی اور سپاہیانہ جوش کا عجب عالم تھا - معرکے میں اُن کا بایاں ہاتھ تلوار کے وار سے لٹک گیا تو مشک کو دائیں میں سنبھال لیا - لیکن جب دایاں ہاتھ بھی شانے سے جدا ہو کر گر پڑا تو مشک دانتوں میں تھام لی - لیکن دشمنوں کے تیروں کی بارش مشک پر ہونے لگی اور وہ آن کی آن میں چھلنی ہو گئی :-

نہ مانا جب تو پیٹھا فوج میں وہ اشجع عالم
لگی تب صف بہ صف لشکر کی ہونے درہم و برہم
جدھر کو رخ کیا کشتوں کے پشتے واں ہوے اسدم
اُدھر خوں کے بہے نالے جدھر اس کا پڑا سایا

کہوں کیا جس طرح چھایا تھا ابر آہن کا اس جا پر
سناں پر تیغ برسے تھی پڑی اور تیغ پر خنجر
نہ جانے آہ واویلا کہ اس میں کن نے واں آکر
حوالے تیغ کی اس کے کہ دست چپ لٹک آیا

جواں مردی سے وہیں مشک دست راست پر یوں کی
کہ بوند اس میں سے پانی کی زمیں اوپر نہ گرنے دی
فلک ناخوش ہوا اتنا شجاعت دیکھ کے اس کی
کہ دست راست بھی اس کا وہیں شانے سے گروایا

جو تھانبی مشک دانتوں سے تو کی بوچھار تیروں کی
لگی چاروں طرف سے ہونے مارا مار تیروں کی
ستم کیشوں نے کی پیکان اپنی پار تیروں کی
کہ اس کو مشک سے اک پل میں کر غربال دکھلایا

جنگ کے مناظر اور رزم آزمائیوں کے نقشے مراثی میں کم ہیں لیکن اُن کے اظہار میں شاعرانہ استادی، پختگی اور مشاقی کے آثار نمایاں ہیں - جنگ کے مناظر تفصیلات چاہتے ہیں - سودا نے ان کے بیان میں کوتاہی کی ہے - سوائے دو تین مرثیوں کے کسی میں مجادلہ اور مقابلہ کو تفصیل وار پیش نہیں کیا —

جنگ کربلا چونکہ ایک دشت میں واقع ہوئی تھی اور موسم بھی شدت گرما کا تھا اس لیے شاعر کو موقع ہے کہ وہ مناظر و موسم کی کیفیات دکھائے سودا نے کہیں کہیں زمان و مکاں کی تصویریں کھینچی ہیں اور وقت و مقام کے اثرات کو دکھایا ہے : -

مقام ہو نظر آتا ہے وہ دشت بلا سارا
جو شب کو برق چمکے تو اُجالا ورنہ اندھیارا
پڑا ہے اُس میں وہ بے جاں وطن سے ہو کے آوارا
کہ جس کو فاطمہ نے بر میں پیغمبر کے پلوایا

فراہم اُس جگہ حشرات اِس موسم کے سارے ہیں
تن نازک پہ اُس کے ڈانس جا جا ڈنک مارے ہیں

اندھیری رات ہے چاروں طرف جھینگر جھنکارے ہیں
پڑا ہے اس طرح مذبوح واں زھرا کا وہ جایا

یہ وہ موسم ہے جس میں ہر کوئی چھپر چھواتا ہے
پکھیرو تلکے چن چن گھونسلا اپنا بناتا ہے

کوئی اسوقت چھوٹے سے بھی ظالم گھر چھڑاتا ہے
پڑا ہے سروردیں واں جہاں نا سر ہے نا سایا

ہندوستانی مرثیہ نگاروں نے ایک عجیب بدعت کی ہے کہ جنگ کربلا کے عرب نژاد مظلومین کو ہندوستانی رنگ میں پیش کیا ہے - لباس ' وضع قطع ' رفتار گفتار ' طرز معاشرت ' رسوم و آداب سب ہندوستانی ہیں - حتیٰکہ خیالات اور معتقدات وغیرہ بھی ہندوستانی ہی ہیں - یہ بدعت سودا کے زمانے سے بہت پہلے شروع ہوگئی تھی- چنانچہ گجرات اور دکن کے مرثیوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مرثیہ گویوں نے بلا لحاظ زمان و مکاں عرب شخصیتوں کو اپنے زمانے اور مقام کے ماحول میں ڈھال کر پیش کیا ہے- ان کے مرثیوں کو پڑھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تیرہ سو سال قبل کے شرفاے عرب کی زندگی کا نقشہ ہے - بلکہ صاف طور سے واضح ہوتا ہے کہ ڈھائی تین سو سال قبل کے شریف ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کی تصویر ہے - سودا نے اس طرز میں کوئی خاص ترمیم یا جدت نہیں کی بلکہ قدیم مرثیوں کی پیروی کی ہے - اس کے مرثیوں میں پہلی صدی ہجری کی عرب زندگی کا بہت ہی دھندلا اور مدھم بلکہ تاریک نقشہ نظر آتا ہے - اس نے اپنے مرثیوں میں ہندوستانی

معاشرت کے عناصر بڑی آزادی سے داخل کیے ھیں —

شادی بیاہ کے رسوم میں ھندوستانیت

حضرت قاسم کی شادی کا ذکر جگہہ جگہہ کیا ھے - ھندوستانی مسلمانوں میں شادی کے جو رسوم رائج ھیں اُن سب کو اس شادی سے متعلق کر دیا ھے - چوتھی کا ذکر کیا ھے : —

کہیں یہ بیاہ کا دیکھا ھے معمول
کہ شہ کی چوتھی کو تیچے کے ھوں پھول

بلی سر خاک کر منہ سے ملے دھول
کہیں یوں کھیلنے میں چوتھی آئی

———

آرسی مصحف دیکھنے ' تخت چڑھنے اور بدھاوے کا ذکر کیا ھے :—

کیا کروں شادی قاسم کا میں احوال رقم
واسطے دیکھنے کے آرسی مصحف جس دم

بیاہ کی رات رکھا تخت پہ نوشہ نے قدم
گاے تقدیر و قضا نے یہ بدھاوے باھم

———

کیا کروں بیٹی کی شادی سے سخن   بھر کے لہو سے دھری گویا لگن
نتھہ سہاگ اپنے کی کھلا کر دولھن   تخت چڑھتے ھی اُتاری یا رسول

———

رنگ کھیلنے اور ساچق کا بیان کیا ھے : —

سونے کو نوشہ نے خوش کی لحد تلک
چھوڑ کر اپنی نویلی کا پلنگ

کھیلے ھے سارا کٹم لوھو سے رنگ
سمد ھنیں روتی ھیں ڈھاڑیں مار مار

کیا کروں آگے میں ساچق کا بیاں
دل پر از خوں رنگ کے شیشے میں یاں

لی ہیں نیزوں پر سروں کی مٹکیاں
دل ہیں آرائش کے زخم بے شمار

کنگن باندھنے کا ذکر کیا ھے :-

باندھا کنگن تیرے مکھ کرتے کو ھاتھ
کیا میں جانے تھی کہ یوں بچھڑے گا ساتھ

دولہا دلھن کے گھر عقد نکاح پڑھنے جاتا ھے - دروازے پر دلھن کا بھائی یا دوسرے عزیز یا نوکر دولہے کو بہ جبر روکتے ھیں اور اپنا حق طلب کرتے ھیں اس موقع پر دولہا حسب مقدرت کچھ رقم یا تحفہ دیتا ھے - اس رسم کو دھنگانا کہتے ھیں اور جو چیز دی جاتی ھے اسے نیگ - سودا نے حضرت قاسم کی شادی میں اس رسم کا بھی ذکر کیا ھے :-

ریت اور رسم میں دی جان بنے نے تس پر
دیکھنا اس کو بنو کا نہ ملا بھر کے نظر

نیگ میں جا کے دھنگانے کے دیا اپنا سر
لوٹنے والوں نے کہا خرم و شاداں ھو کر

ان رسوم کے علاوہ روز مرہ کی زندگی بھی ھندوستانیوں کی سی ھے مثلاً عورتوں کا سینا پرونا :-

یاد آوے گا کرتا اس کا جب کچھ بیٹھ کے سیوں گی
خاطر میں لا پیاس میں اس کی گھونٹ لہو کے پیوں گی

ہندوستانی عورتوں کے معتقدات شگون کے بارے میں گوناگوں ہیں - دیکھیے اس قسم کے معتقدات کو شریف عرب خواتین سے بھی منسوب کردیا ہے- وقت کے منحوس و مبارک ہونے کے خیال کو ظاہر کیاہے:-

جڑی نہ جانے کس ساعت میں ' بڑھئی نے اس کے پلنگ کی پاٹی
پاؤں کے رکھتے اُس پر تیری اب جو قضا نے گردن کاٹی

ہندوستانی عورتیں بچوں کے خوف کو زائل کرنے کی غرض سے شیر کے ناخن گلے میں ڈالدیتی ہیں :—

شیر کے ناخن تک میں ڈالا جینے کو تجھہ ہیکل میں
موت کی روبہ سے نہ بچا ' پر آن کے تو اِس جنگل میں

اسی طرح ہندوستانی زندگی کے ہر رنگ میں مظلومین دشت کربلا کو پیش کیا ہے - اِس میں شبہ نہیں کہ کہیں کہیں یہ ہندوستانی رنگ محض تمثیلاً چڑھا یا گیا ہے لیکن یہ صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اثر پیدا کرنے کی غرض سے عمداً یہ طرز اختیار کی --

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہندوستانی طرز معاشرت ' خیالات وغیرہ کے ساتھہ ہندی زبان کے الفاظ و محاورات وغیرہ بھی بکثرت استعمال کیے ہیں - اس میں شبہ نہیں کہ ہندی الفاظ سودا کے کلام میں ملتے ہیں لیکن بالخصوص مرثیوں میں اُن کا بڑا غلبہ ہے - اور یہ ہندی الفاظ بھی اُس شکل میں نہیں جو اُس زمانے کی اردو میں رائج تھے مثلاً ماتی ' سیس ' نرباہ ' لاگنا ' بھال ' دھیر ' آنجھو ' باسا ' نراسا ' رس بھوگ ' ٹھور ' پاتی ' پھاٹنا وغیرہ وغیرہ —

ہندوستانی عنصر سودا کے مراثی میں گوناگوں انداز میں کارفرما

ہے - مرثیوں میں دھرے بھی شامل کردیے ہیں - چنانچہ چند مرثیے دھرہ بند بھی ہیں - اِن میں دھروں کو بڑی عمدگی سے نبھایا ہے اور هندی الفاظ و بحور کے ترنم سے تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے —

سودا نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے هندوستان کی بعض دوسری زبانوں میں بھی مرثیے کہے ہیں - پوربی اور پنجابی میں اُس کے مرثیے پائے جاتے ہیں - ان میں نہ تو کوئی ادبی خوبی ہے اور نہ کوئی خاص جدت - اِن زبانوں میں مرثیہ گوئی کی کوئی معقول وجہ سمجھہ میں نہیں آتی اغلب ہے کہ محض بخیال ثواب یہ زحمت اُٹھائی ہو - اُس زمانے میں پوربی اور پنجابی عوام دھلوی روز مرہ اور محاورے میں شہادت کے واقعات کو سمجھہ نہیں سکتے ہوں گے اِس لیے اُن کی خاطر انھیں کی زبان میں مظلومین کربلا کی دلدوز بپتائیں سنائی ہیں لیکن چونکہ یہ زبانیں غیر تھیں اس لیے ان میں کامیابی دشوار تھی -

سلام

سودا کے کلیات میں بارہ سلام پائے جاتے ہیں - اُن کی دو شکلیں ہیں - نو سلام تو منفردہ ہیں یعنی غزل یا قصیدے کی طرز میں ہیں - بقیہ تین مربع ہیں - بعض اہل تنقید (خصوصاً مولوی شبلی اور مولوی سلیم) نے سلام کے باب میں لکھا ہے کہ یہ صنف نظم لکھنؤ میں ایجاد ہوی اور اسے مرثیہ گو وجود میں لائے - اِس کی ایجاد کا زمانہ وہ ہے جب کہ لکھنؤ میں غزل گوئی کا عام چرچا تھا - وہ مرثیہ گو شعرا جنھوں نے مرثیہ گوئی کو اپنا فن بنا لیا تھا اور جو غزل گوئی کی استادانہ قابلیت رکھتے تھے لیکن فن مرثیہ گوئی کے حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے انھوں نے مرثیے کے علاوہ کہ جس میں مسلسل واقعات کا بیان خاص انداز میں مسلسل ہوتا تھا، غزل کا ایک پیرایہ اختیار کیا، جس میں شہادت کے متعلق جستہ جستہ خیالات ادا ہو سکتے تھے - اِس کا نام انھوں نے سلام رکھا - اِس کا ڈھانچا ایسا تیار کیا کہ غزل کے عاشقانہ مضامین کو چھوڑ کر دیگر جذبات و واردات قلب، حکیمانہ خیالات، فلسفیانہ نکات اور اخلاقی و معاشرتی مضامین بھی بے تکلف سما سکیں - غزل گوئی کی محفل مشاعرہ کہلاتی ہے اور سلام کی مسالمہ - یہ مولوی سلیم اور مولوی

شبلی کی رایوں کا خلاصہ تھا جو ہم نے اوپر درج کیا ہے - ہمیں ان بزرگوں کی رائے سے اتفاق نہیں - صنف سلام جب عالم وجود میں آئی تو صرف غزل کی شکل تک محدود نہیں رہی بلکہ مرثیے کی طرح اس کو کسی قدر وسعت دی گئی - چنانچہ خود سودا کے سلام غزل نما شکل کے علاوہ مربع صورت میں بھی موجود ہیں - ایسی حالت میں یہ کہنا کہ غزل گوئی کے چرچے سے متاثر ہو کر مرثیہ گویوں نے سلام کو غزل کی طرز اور جواب میں ایجاد کیا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا - سلام کے جو لوازم اور مہمات موضوع حال کے سلام گو شعرا نے مقرر کر لیے ہیں ان کی سودا کے زمانے میں تحدید و تعیین نہیں ہوئی تھی - اس کے زمانے میں سلام کہنے کا مدعا صرف یہ تھا کہ شہیدان کربلا اور خصوصاً امام حسین (رض) کی جناب میں عقیدتمندانہ سلام و نیاز کا تحفہ بھیجا جائے جیسا کہ اس زمانے کے شاعروں کے اور خصوصاً سودا کے ہر سلام سے ثابت ہے - سودا کے مشہور ہم عصر 'میر' نے بھی سلام لکھا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے - رسالۂ سبیل ہدایت میں تقی کا جو سلام درج ہے اس سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے - میر کا ایک مربع سلام رسالۂ اردو بابت جنوری سنہ ۱۹۳۱ ع میں چھپ چکا ہے - ہم ایک بند نقل کرتے ہیں :—

درویش بے بضاعت ہے میر دست کوتہ
غیر از سلام تحفہ رکھتا نہیں ہے کچھ وہ

ہر لحظہ اور ہر دم ' ہر گاہ اور بے گہ
اے شاہ دوسرا کے تجکو سلام پہنچے

ان شواہد کی موجودگی میں یہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ غزل کے طرز اور جواب میں سلام کی ایجاد ہوئی - یہ ممکن ہے کہ لکھنؤ کے بعد کے مرثیوں گویوں نے خاص موضوعات اور خاص لوازم مقرر کر لیے ہوں' لیکن سودا کے زمانے میں یہ التزام نہیں تھا - سلام کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ پر خلوص اور مودبانہ تسلیم و نیاز - اُس زمانے میں مرثیہ گو غزل کو حقیر جانتے تھے - مشہور مرثیہ گو شاعر تقی نے لکھا ہے :—

میں اِس کو جو اک طول دے کر ہے لکھا
غزل نہیں ہے' ہے مرثیہ نام اس کا

ذرا منصفوں سے ہے اب اِس کا دعوا
بیان شہادت کا اک یہ ہی ڈھب ہے

اِن حالات میں غزل کی تقلید اور ریس کرنا اور اُس کے جواب میں سلام کو لا کھڑا کرنا مرثیہ گو ہرگز پسند اور گوارا نہیں کر سکتے تھے- سودا کے زمانے میں مرثیہ پڑھنے سے پہلے تعظیماً سلام پڑھا جاتا تھا - خود اس نے ایک سلام کے خاتمے پر اِس کی طرف اشارہ کیا ہے :—

یہ سودا عرض بعجز و نیاز کرتا ہے
شروع مرثیہ ہونے کو اب تمام سلام

سلام کے کہنے کا یہی مدعا تھا اور چونکہ ابھی اس کی ابتدا تھی اس لیے اس میں جدت کے نئے نئے پہلو داخل نہیں ہوے تھے- سودا کے

سلام بھی اُس بلند آہنگی ' نازک خیالی ' شان و شکوہ ' دلی جذبات اور حکیمانہ خیالات وغیرہ کے اظہار سے خالی ہیں جو ہم متاخرین شعرا کے سلاموں میں پاتے ہیں - زبان پاکیزہ اور سادہ ہے اور مضمون کو صفائی اور خلوص سے ادا کیا ہے - سلام کی ابتدائی نشو و نما میں اِس سے زیادہ توقع رکھنی کسی طرح جائز نہیں ہمیں اُس زمانے پر نظر رکھنی چاہیے - موجودہ معیار پر اس زمانے کی شاعری کو جانچنا ایک حد تک ناانصافی ہے - ہم چند نمونے ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے سودا کی سلام گوئی کا اندازہ ہوگا : —

نبی کے نور بصر پر کہو درود و سلام
علی کے لخت جگر پر کہہ درود و سلام

کہے ہے عرش کے سکان سے سدا جبریل
امام جن و بشر پر کہو درود و سلام

تجھ پہ رو رو جب کہے ابر سیہ پوش السلام
بولے اوس کے ساتھ برق شعلہ بردوش السلام

ادب سے بھیجے ہے تجھ پر ترا غلام سلام
قبول ہو تری خدمت میں یا امام سلام

آتے تھے جس کے در پہ مدینے میں صبح و شام
آدم سے لے کے حور و ملک جملہ خاص و عام

غلطاں ہے خاک و خون میں دو جگ کا وہ امام
اس شاہ اولیا کو خدا کا سلام ہے

حسنین کی جناب کا جو کوئی غلام ہے
اون کے غلام کا یہ غلام اب مدام ہے

وھاں عرض بندگی کا مری صبح و شام
جن کی جناب بیچ خدا کا سلام ہے

کلام پر ایک عمومی رائے

ہر صنف نظم پر تفصیل سے تنقیدی بحث کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سودا کے کلام پر عمومی حیثیت سے نظر ڈالی جائے۔ اس کے متعلق آزاد نے چند سطروں میں بڑی صائب رائے دی ہے، جس پر ہمارے خیال میں یہاں کسی خاص اضافے کی ضرورت نہیں۔ آزاد کی یہ رائے ایک لحاظ سے ہماری پوری تنقیدی بحث کا لب لباب ہے، البتہ شعر کے لفظی، بیانی، اور عروضی معیار کے متعلق کسی قدر مزید وضاحت درکار ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ناظرین کتاب کو سودا کے تنقیدی رسالوں عبرۃ الغافلین اور سبیل ہدایت سے بخوبی ہوگا۔ شعر کے معائب و محاسن کے متعلق سودا کے جو خیالات ہیں ان کو ہم نثر فارسی کے تحت قلم بند کریں گے، چونکہ سودا کی فارسی نثر میں تنقید شعر وغیرہ کے متعلق چند مضامین بحث طلب ہیں اس لئے وہاں ان کا بیان بر محل ہوگا۔ یہاں پہلے آزاد کی رائے نقل کی جاتی ہے، اس کے بعد اساتذۂ فن کے ان اعتراضات پر نظر ڈالی جائے گی جو کلام سودا پر وارد ہوئے ہیں۔ آزاد کی رائے ہے :—

' اهل سخن کا اتفاق ہے کہ مرزا اس فن میں استاد مسلم الثبوت تھے - وہ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو شعر اور فن انشاهی کے واسطے پیدا ہوئی تھی ... . ان کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا - اس پر سب رنگوں میں همرنگ اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ - جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش و خروش سے لبریز - نظم کی ہر فرع میں طبع آزمائی کی ہے اور کہیں رکے نہیں چند صفتیں خاص هیں جن سے کلام ان کا جملہ شعرا سے ممتاز معلوم ہوتا ہے - اول یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے هیں کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریباں ہے جیسے آگ کے شعلہ میں گرمی اور روشنی - بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے هیں گویا ولایتی طپنچہ کی چانپیں چڑھی ہوئی هیں اور یہ خاص ان کا حصہ ہے چنانچہ جب ان کے شعر میں سے کچھ بھول جائیں تو جب تک وهی لفظ وهاں نہ رکھے جائیں شعر مزا هی نہیں دیتا - خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے هیں مگر اس باریک نقاشی پر ان کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہے - تشبیہ اور استعارے ان کے هاں هیں مگر اس قدر کہ جتنا کھانے میں نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ - رنگینی کے پردہ میں مطلب اصلی کو گم نہیں ہونے دیتے - ان کی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی نئے نئے خیال اور چٹخٹے قافیے جس پہلو سے جمتے دیکھتے تھے جما دیتے تھے اور وهی

ان کا پہلو ہوتا تھا کہ خواہ مخواہ سننے والوں کو بھلے معلوم ہوتے تھے یا زبان کی خوبی تھی کہ جو بات اس سے نکلتی تھی اس کا انداز نیا اور اچھا معلوم ہوتا تھا ان کے ہم عصر استاد خود اقرار کرتے تھے کہ جو باتیں ہم کاوش اور تلاش سے پیدا کرتے ہیں وہ اس شخص کو پیش پا افتادہ ہیں" --

سودا کے کلام پر تذکرہ نگاروں نے طرح طرح سے رائے زنی کی ہے- اور اکثر اساتذۂ فن نے میر اور سودا کا مقابلہ و موازنہ کیا ہے - اکثر تذکرے شایع ہو چکے ہیں اور بہت سی کتابوں میں ان اساتذہ کی رائیں یکجا مل جاتی ہیں - ایسی صورت میں ان تمام آرا کو نقل کرنا اور ان پر جرح و تنقیدکرنا طوالت سے خالی نہیں- تاہم یہاں انشا رنگین اور قدرت اللہ شوق کے ان اعتراضات پر نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو سودا کے کلام پر عروضی و لسانی اعتبار سے وارد ہوئے ہیں --

انشا نے لکھا ہے کہ مرزا سودا "لبک" جھپک والے قصیدے میں کتک بمعنی لشکر محض قافیہ کی ضرورت سے استعمال کر گئے ہیں - کتک ہرگز اردو کا لفظ نہیں"- اس کے ثبوت میں ایک تو سکلدر کا مارواڑی زبان کا مرثیہ پیش کیا ہے اور دوسری سند بخت سنگھ مارواڑی کی نثر سے پیش کی ہے - انشا نے یہ عجیب بات لکھی ہے - کتک سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور ہندوستان کے مختلف صوبوں کی بولیوں میں وہیں سے آیا ہے - قدیم اردو شاعروں نے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے چنانچہ سودا اور سکلدر سے تقریباً ایک سو سال قبل نصرتی نے بھی اس لفظ کا استعمال کیا ہے - اس کے سوا قدیم اردو لغت کی

کتابوں میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے - ایسی صورت میں اس کو خالص مارواڑی زبان کا لفظ کہنا صحیح نہیں —

انشا نے متروکات کے سلسلے میں مرزا و میر کے بارے میں لکھا ہے کہ " ان صاحبوں کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے کئی نا معقول الفاظ ترک کردیے " - ان نامعقول الفاظ سے انشا کی مراد ایہام گو اساتذہ کے کلام کے قدیم الفاظ ہیں مثلاً " ملے " بمعنی " میں " ، " درمیان " ؛ "سریجن " ، "پی " ، "پیتم " بمعنی " محبوب " وغیرہ - لیکن اس کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ سودا کے کلام میں " سے " کے بجائے " ستی " ، " سیتی " اور " میرے دل " کے بجائے " مجھ دل " ملتا ہے - ان کے استعمال کو سید انشا زیادہ لایق اعتراض نہیں سمجھتے ہیں - لیکن محبوب کی جمع محبوباں کو سوائے مضاف الیہ کراہت سے خالی نہیں جانتے ہیں - حیرت ہے کہ انشا جیسے محقق کی نظر لسانی تغیرات پر نہیں پڑی - زندہ زبان میں متروکات کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے - یہ تغیرات زبان کی زندگی کی علامت ہیں - انشا نے اپنے زمانے کے معیار پر ان اساتذہ کے کلام کو جانچا ہے جو ہمارے خیال میں کسی طرح صحیح نہیں - عہد محمد شاہی کی زبان کو سودا اور ان کے معاصرین نے پاک صاف کیا ہے - خود سید انشا چند سطروں قبل لکھ گئے ہیں " ریختہ کے باغ کو عیبوں کے کانٹوں اور کوڑے کرکٹ سے صاف کرنے والے یہی اصحاب ہیں " - سودا کی شاعری کا آغاز عہد محمد شاہی میں ہوا تھا اگر اس دور کے چند الفاظ اس کے اسی زمانے کے کلام میں مستعمل ہو گئے تو یہ کون اعتراض کی بات ہے - اس زمانے میں یہ الفاظ برابر مستعمل

تھے - چنانچہ اس دور کے اساتذہ کے دواوین اٹھا کر دیکھیے تو بے تلاش بہت سے الفاظ مل جائیں گے - یہ الفاظ انشا کے زمانے میں بے شک متروک ہوگئے تھے - لیکن جس زمانے میں ان کا چلن تھا تو اس زمانے میں ان کو متروک سمجھنا کسی طرح جائز نہیں - اسی طرح محبوب کی جمع محبوباں اس زمانے میں عام اور رائج تھی زبان کے بعض قواعد بھی انشا کے زمانے میں منسوخ ہوگئے لیکن سودا اور اس کے معاصرین کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نافذ تھے —

شوق نے ذیل کے شعر پر قواعد زبان کے لحاظ سے اعتراض کیا ہے :-

دل نے کہا یہ مجھ سے کہ میں کیا کروں نثار
آویں اگر جو حضرت سودا ادھر کہیں

"اگر" اور "جو" دونوں کلمات شرط ہیں - ان میں سے ایک زائد ہے - معلوم ہوتا ہے کہ شوق کے پیش نظر کوئی صحیح نسخہ نہ تھا - اصل مصرع اس طرح ہے :—

آویں کبھو جو حضرت سودا ادھر کہیں

انشا نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ "مرزا نے تھوڑی کی "ڑ" کو رائے مہملہ بنا کر گوری کے ساتھ قافیہ کیا ہے - کون نہیں جانتا کہ اردو شعر کی بنیاد فارسی شعر پر رکھی گئی ہے - دونوں کا ڈھانچا تقریباً ایک ہے - فارسی کے گوناگوں عناصر اردو کے خمیر میں داخل ہیں - فارسی میں چونکہ "ڑ" کا وجود نہیں ہے اس لیے فارسی والے اپنی "ر" سے اس کا کام لیتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حساب جمل میں بھی "ڑ" کو "ر" کا ہم عدد سمجھا گیا اور اب تک سمجھا جاتا ہے اسی

طرح ٹ' ڈ وغیرہ کو ت' د وغیرہ کا ہم عدد اور بدل سمجھا جاتا ہے - یہ ابتداء سے چلا آرہا تھا - صرف سودا نے بہ ضرورت شعری ایسا نہیں کیا ہے بلکہ قدیم شاعروں کے کلام میں بھی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں - سودا کا ایک شعر ہے :—

عاشق تو نامراد ہیں پر اسقدر کہ ہم

دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

شوق نے اعتراض کیا ہے کہ " تمام غزل میں قافیہ کا مدار کاف بیانیہ 'کہ' پر ہے لیکن دوسرے مصرعے میں 'کے' ہے جو مائل بہ نقصان ہے' لیکن چونکہ دونوں تلفظ میں یکساں ہیں اس لیے شاید شاعر نے جائز رکھا ہے " - قدیم اساتذہ نے ان دونوں کو ہمیشہ ہم قافیہ کیا ہے - سودا کے زمانے تک یہ جائز تھا' لیکن اس کے بعد بہت جلد ان دونوں میں امتیاز پیدا ہوگیا تھا —

ایک اور شعر ہے :—

غلچہ کو مسکرا کے اسے زار کر چلے

نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

شوق نے مصرع اولیٰ کے لفظ " اسے" کو بیکار محض لکھا ہے لیکن شوق نے مصرع اولیٰ کو غلط نقل کیا ہے - قدیم مستند قلمی دیوانوں میں "غلچہ کو" کی بجاے "غلچے سے" ہے - اس صورت میں "اسے" کا استعمال کچھ زیادہ بے محل نہیں معلوم ہوتا —

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو الطاف

جھوٹی بھی تسلی ہو تو ضائع تو نہیں ہیں

شوق نے لکھا ہے کہ لفظ " مچ " کے معنی سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہر لفظ کے ساتھ ہندوستان میں اس کا ہموزن مہمل لفظ لاتے ہیں اس لیے شعر میں بھی اس کا موزوں ہو جانا مضائقہ نہیں رکھتا ہے جب اساتذہ کے شعر میں واقع ہوا ہے تو عوام کے لیے سند ہے " —

شوق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تابع مہمل کا استعمال اس وقت تک صرف بول چال میں عام تھا اور نظم میں عام نہ ہوا تھا - سودا نے استعمال کر کے نظم میں اس کو رواج دیا ہے —

انڈیا آفس میں سودا کے اس " کافیہ " قصیدے کا ایک نسخہ ہے جو نواب غازی الدین خاں عماد الملک کی شان میں تحریر ہوا ہے - اس کے حاشیے پر رنگین نے قصیدے کے اشعار میں شمشیر خاں نامی کسی شخص کے ایما سے اصلاح دی ہے - قصیدے کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں : —

صبح ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی وہیں آ کے خوشی نے در دل پر دستک
پوچھا میں کون ہے بولی کہ میں وہ ہوں غافل
نہ لگے شوق میں جس کے کبھی شایق کی پلک

رنگین نے پہلے مصرعے میں " صبح " کی بجائے " فجر " کو ترجیح دی ہے اور تیسرے مصرعے کو اس طرح اصلاح کر کے لکھا ہے :—

میں نے پوچھا کہ تو ہے کون وہ بولی وہ ہوں

رنگین کے اعتراضات کی نوعیت اوپر کی اصلاحوں سے بخوبی واضح ہوتی ہے اس نے لفظی اصلاحیں کی ہیں اور اشعار کی لفظی بندشوں میں الٹ پھیر

کیا ہے - اور یہ محض اس وجہ سے کہ رنگین کے زمانے تک قواعد زبان وغیرہ میں کافی انقلاب پیدا ہو گیا تھا - " پوچھا " متعدی فعل ہے ' جس کے ساتھ " نے " کا استعمال ضروری ہے - سودا کے زمانے تک اس علامت کے استعمال کی اتنی شدید پابندی نہ تھی - رنگین کی نظر میں اس علامت کا حذف درست نہیں ہے اس لیے اس نے اس مصرعے کو بدل دیا ہے —

اوپر کے تمام اعتراضات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے ہیں - نکتہ چینوں اور اہل تنقید نے یہ غور نہیں کیا کہ سودا کا زمانہ قدیم ہے - اس نے اردو شاعری کے دو دور دیکھے ہیں - قدیم دور یعنی عہد محمد شاہی کی زبان کے اثرات اس کے کلام میں لازماً موجود ہونے چاہیئیں- جن اشعار پر نکتہ چینی کی گئی ہے ان میں سے اکثر ابتدائی زمانے کے کہے ہوے ہیں - اس لحاظ سے یہ تمام اعتراضات قدیم قواعد ' الفاظ وغیرہ پر ہیں ' جن کو غلط ' نادرست وغیرہ کہنے کا حق بعد کے زمانے والوں کو حاصل نہیں ہے - یہ تمام چیزیں اپنے دور میں رائج تھیں اور مستند سمجھی جاتی تھیں- اگر ہم قدیم اساتذہ کے کلام کو اپنے زمانے کے معیار پر زبان و بیان اور قواعد وغیرہ کے اعتبار سے جانچیں گے تو تمام قدیم دفتر مہمل و بے معنی اور غلط و لغو ہو جائیگا —

——— :o: ———

(ب) فارسی کلام

سودا کی فارسی شاعری پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کی تصانیف کے سلسلے میں اس کے فارسی کلام کا حال لکھ آئے ہیں۔ یہاں اس پر اس اعتبار سے نظر ڈالنی ہے کہ اس میں اس کا کیا پایہ ہے۔ سودا مغل زادہ تھا۔ فارسی زبان سے اسے نسلی تعلق تھا۔ اس کا نانا نعمت خان عالی اپنے وقت کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا۔ اس لحاظ سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ فارسی شاعری کا ذوق اسے ورثے میں ملا تھا' فارسی میں طبع آزمائی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ثابت کیا ہے سودا نے فارسی کو کم التفاتی سے دیکھا اور رسالۂ عبرۃ الغافلین میں فارسی سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے تئیں "مرزا رفیع ریختہ گو" لکھا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے کلام میں غیر معمولی خوبیوں کو تلاش کرنا بے سود ہے' تاہم اس کے فارسی کلام میں وہ تمام خصوصیات اور لوازم موجود ہیں جو اس زمانے میں شعر کے خصائص میں داخل تھے۔ سودا کا فارسی دیوان نہایت مختصر ہے' جس میں اس کا کوئی خاص رنگ نہیں اور نہ اس نے اس میں کوئی امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی' البتہ اس میں زبان و بیان کی پختگی موجود ہے اور ادائے خیال کے سانچے بھی بھونڈے نہیں۔ اس کے فارسی کلام میں اگر

غور سے دیکھا جائے تو اس کی اردو شاعری کی صفات موجود ھیں۔ اکثر خیالات کی لے وھی ہے جو اردو کلام میں ہے اور اسلوب بیاں بھی وھی ہے جو اردو کا ھے، اردو کلام میں شاعرانہ خیالات اور طرز بیاں لطف دے جاتا ہے لیکن فارسی جیسی ترقی یافتہ زبان میں کہ جس میں شاعرانہ خیالات اور اسالیب بیاں کا وافر ذخیرہ قدیم سے موجود ہے اس کا کوئی خاص حسن نظر نہیں آ سکتا —

سودا کا فارسی کلام غزلوں، ایک قصیدے اور چند قطعوں پر مشتمل ہے۔ اردو غزل پر ہم گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بحث کر آئے ھیں فارسی میں بھی خیالات اور اسالیب کی وھی حیثیت ہے جو اردو غزل میں ہے - چند اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ھیں :—

من بساط عیش خود را بر نہ چیلم تا کجا
خادہ زن بر شادیء من اهل ماتم تا کجا

حسن جائے عشق میگیرد کہ بعد از کوهکن
نقش شیریں را بہ بیں در کوهساری ماندہ است

گر لذت درد کف پا را کلام اظہار
هر خار بلرغ گل و گلزار فروشد

در میکدۂ ماچو رسودی زحرم باش
ایں خانہ چو آں خانہ نہ تنگ ست تو هم باش

در محفل مستاں بہ ازیں پیشکشے نیست
یک جام بخور از من و غم پہلوے جم باش

احوال خود ز تیغ تو دیگر نگفته ام
تسکین دل بداں که مکرر نگفته ام

رنگین تر است قصۂ دل خوں شدن ز گل
لیکن بپاس خاطر دلبر نگفته ام

چہرہ ات را شعلہ کس میگفت و کس مانند شمع
ہمچو تشبیہات بیجا بود و من میسوختم

عالم آب امشب آتش زد مرا در بزم او
بارقیباں بادہ پیما بود و من میسوختم

حسن و عشق کے عام مضامین کے سوا فارسی غزلوں میں چند اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں ایام جوانی کے گزر جانے کے رنج، بڑھاپے کے احساس اور یاران رفتہ کے غم کا اظہار کیا ہے :—

در فراق رفتگاں باغم نسازم تا بکے
در مقام فرقتت چندیں بگریم تا کجا

از بیاض عمر معنی ہاے رنگیں رفتہ است
یک ورق گردانی ماندہ است ایں ہم تا کجا

از تلاش و سعی سودا پابکش پیدا نہ سر
حلقۂ درہا زدن باقامت خم تا کجا

ہم ز ایام جوانی یادگاری ماندہ است
نشۂ مے شد بروں از پر خماری ماندہ است

فارسی کلام میں ایک قصیدہ ہے جو ایک نو تعمیر مسجد کی تعریف میں ہے - اس قصیدے کے مقطع میں اس کی تاریخ تعمیر بھی کہی ہے - مطلع یہ ہے :-

باعندلیب گلشن ایماں برابر است
گل بانگ مرغ خامہ ام اللہ اکبر است

اس قصیدے میں زبان و بیاں کی وہ شان تو نہیں جو اردو قصاید میں پائی جاتی ہے تاہم خیالات و مضامین کے اعتبار سے قصیدہ خاص اہمیت رکھتا ہے - مسجد کے گنبد کی تعریف کا کیا نازک پہلو نکالا ہے :—

آید صدا از گنبدش از جلبش نسیم
بنگر کہ شان رفعتم از عرش برتر است

اسی طرح مسجد کے ہر حصے کی تعریف کے نئے نئے پہلو نکالے ہیں :-

بر سطح او مقابل محراب حوض نیست
چشم بر آب جانب ابروے دلبر است

دیدم چو عکس قبۂ زرین او در آب
پنداشتم کہ مہر بکوثر شناور است

اسی طرح مسجد کے تمام متعلقات کی تعریف کی ہے ' اور تشبیہ و استعارہ سے کام لے کر مضمون کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے :—

جاروب صحن شکل خطوط شعاعی است
جاروب کش بصورت سلطان خاور است

آخری دو شعر یہ ہیں :-

بودم دریں خیال درانجا کہ ظاہرا
با کعبہ ایں رواق مقدس برابر است

ناگہ بسجدہ از پئے تاریخ حاجیے
سر رانہاد و گفت کہ از کعبہ بہتر است

—:*:—

فارسی کلام میں چند قطعات بھی داخل ہیں - ان میں بعض تاریخی ہیں اور ایک آدھ تہلیتی - ان کی تفصیل یہ ہے - (۱) قطعۂ تاریخ باغ بنا کردۂ نکہت رائے - (۲) قطعۂ تعریف چاہ آصف الدولہ - (۳) ایضاً - (۴) قطعۂ مبارک باد تولد شدن فرزند آصف الدولہ - (۵) قطعۂ وصف مسجد فیض آباد بنا کردۂ آصف الدولہ - (۶) قطعۂ تعریف مسجد مولوی فضل عظیم - باغ نکہت رائے کا قطعۂ تاریخ بطور نمونہ نقل ہے :—

نکہت رائے مہاراجہ ساخت بستانے
چنانچہ گلشن فردوسے ہم بوے نرسد

چو امر گشت مرا بہر سال تاریخش
خوشی رسید کہ اورا سرور مے نرسد

سرعدوے بہارش بریدم و گفتم
بگلشن تو الہی گزند دے نرسد

—:*:—

تقریباً فارسی قطعات تمام لکھنؤ میں کہے گئے ہیں - ان میں تاریخ گوئی کی استادانہ مہارت کے آثار پائے جاتے ہیں —

(ج) هندی کلام

ہندی کلام سے مراد وہ پہیلیاں ہیں جن پر ہم تصانیف کے سلسلے میں بحث کرچکے ہیں - ان پہیلیوں پر ایک سر سری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو ہندی زبان پر کافی عبور تھا - وہ بے تکلف اس زبان میں طبع آزمائی کر سکتا تھا - ہندی الفاظ اور ان کے معانی کے مختلف پہلو اس پر بخوبی روشن تھے - ان کے بر جستہ استعمال پر وہ قادر تھا۔ ذیل کی پہیلیاں ٹھیٹ ہندی زبان میں ہیں، ان میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش نہیں —

پہیلی چار پائی

سونے کی وہ نار کہاوے بنا کسوٹی بان دکھاوے

پہیلی نرگس

ترپا ایک سبھا کے بیچ روپا سونا وا کے سیس
میٹا جیسے وا کے پانوں چھری جیسے وا کا ناتوں

پہیلی بورانی

آدھی بوبو ساری رانی جو بوجھے سو بڑا گیانی

پہیلی ارگجا

آدھا ارنا سارا ہاتھی جن دیکھا ان لایا چھاتی

پہیلی قلم

سب تن ہار پہت میں نسیں بن پگ چلے سیس لو کہیں
چلت چال جگت ابھدی کبھی الٹی کبھی سیدھی

بعض پہیلیوں میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے لیکن ان کا استعمال غیر موزوں نہیں معلوم ہوتا بلکہ طرز بیان کی خوبی میں وہ محسوس بھی نہیں ہوتا ہے ۔

پہیلی انار آتشبازی

رات سمیں اک اچنبھوہ آیا پھولوں پاتوں سب کو بھایا
آگ دے وہ ہووے روکھہ پانی دے وہ جاوے سوکھہ

پہیلی گھڑیال

ایک راجا کے گھر میں رانی تلے کی پیلدی پیوے پانی
لاجوں مارے ڈوبی جاے ناحق چوٹ پردیسی کھاے

پہیلی حمام

ملدر ایک سکھی کا بلا یا میں پون نہ آوے کھلا
اس ملدر کی ریت دیوانی آگ بجھاوے اور اوڑھے پانی

پہیلی روپیہ

گیارہ سال کا ایک کہاوے جا کو لا کا ادھا بھاوے
تول تال کے کیا پورا اس بن جگ کا کام ادھورا
جو کوئی ہم کو لاے دکھاوے وہ لے آخر پرکھہ کہاوے

بعض پہیلیوں کے علوانات درج نہیں ہیں - ان کا بوجھنا خاص ذہانت کا محتاج ہے - سودا کی یہ پہیلیاں کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتی ہیں - ان سے سودا کی ذہانت و طباعی کا اندازہ ہوتا ہے اور ہلدی دانی کا ثبوت ملتا ہے - ان پہیلیوں میں بعض ایسے موضوعات پر ہیں جو تاریخی نقطۂ نظر سے خاص توجہ کے مستحق ہیں - مثلاً ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھڑیال کی ساخت کس قسم کی تھی ' حمام کی تعمیری وضع کیا تھی - روپیہ کا وزن اور اس کی قدر کیا تھی - ان کے سوا بندوق ' سپر ' تیر و کمان ' چاقو ' قندیل ' شمع ' گاگیر ' مقراض ' پلنگ ' بانسری ' ستار ' طنبورہ ' نقارہ ' آئینہ ' عینک ' قبلہ نما ' بادکش ' مہر چھاپ ' نگین ' وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو اس زمانے کی تہذیب و معاشرت پر روشنی ڈالتی ہیں - سودا نے ان چیزوں کو اپنی پہیلیوں میں بیان کر کے محفوظ کر دیا ہے - اس لحاظ سے بھی یہ پہیلیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ' بلکہ تاریخی تحقیقات میں ان سے خاص مدد لی جا سکتی ہے —

—— :*: ——

(د) نثر اردو

نثر اردو میں سودا سے چند چیزیں منسوب کی جاتی ہیں جن کا ذکر تصانیف کے باب میں ہوچکا ہے ' لیکن سوائے ایک نثری دیباچے کے اب تک کوئی دوسری اردو نثر دستیاب نہیں ہوئی ہے- یہ نثری دیباچہ سبیل ہدایت کی تمہید ہے - اس زمانے کی بہت کم اردو نثر کا پتا چلا ہے - حسن نے اپنے تذکرے میں فصوص الحکم کے اردو ترجمے کا ذکر کیا ہے جو محمد حسین کلیم نے کیا تھا - یہ ترجمہ اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے - فضلی کی کربل کتھا بھی اس زمانے کے لگ بھگ لکھی گئی ہے - سودا کے دور کے ایک مشہور شاعر عزلت کے اردو دیوان کا دیباچہ بھی موجود ہے . عزلت ایک با کمال شاعر ہے - اس نے جو دیباچہ لکھا ہے اس میں بڑی نمکینی ہے - پڑھنے سے ایک خاص لطف آتا ہے - جملوں کی ساخت پختہ و بے رخنہ ہے ' فقرے برجستہ و معنی خیز ہیں * ان کے سوا بھی بعض نثر کی کتابیں اور تحریریں ملتی ہیں جو اس دور میں قلم بند ہوئی ہیں لیکن ان کی نوعیت کئی لحاظ سے مختلف ہے اس

---

* نمونے کے لیے دیکھو راقم کا مضمون " سید عبدالولی عزلت " مطبوعہ مجلۂ عثمانیہ جلد سوم —

لیے ان کا ذکر بے سود ہے - سودا کے زمانے میں نثر اردو کا رواج نہیں ہوا تھا- نظم کا دور دورہ تھا' نثر کا کوئی خاص معیار قائم نہ ہوا تھا اور نہ اس کا ڈھانچا تیار ہوا تھا - چند نثریں جو ملتی ہیں ان میں فارسی اسلوب کارفرما ہے- سودا کے دیباچے سے اس کا ثبوت بخوبی ملتا ہے ' اس نثر کا ڈھانچا ہر حیثیت سے فارسی ہے صرف الفاظ اردو ہیں- ہم اس نثری دیباچے کو بجلسہ نقل کرتے ہیں جس سے فارسی عناصر کا نہایت صحیح اندازہ ہوگا اور معلوم ہوگا کہ اردو نثر اپنی ابتدائی منزل فارسی کی رہنمائی میں کس طرح طے کر رہی تھی —

" ضمیر منیر پر آئینہ داران معنی کے مبرھن ہو کہ محض عنایت حق تعالیٰ کی ہے جو طوطی ناطقۂ شیریں سخن ہو پس یہ چند مصرع کہ از قبیل ریختہ در ریختہ خامۂ دو زبان اپنے سے صفحۂ کاغذ پر تحریر پائے لازم ہے کہ تحویل سخن سامعۂ سلجان روزگار کروں تا زبانی اُن اشخاص کی ہمیشہ مورد تحسین و آفرین رہوں مطلع —

قیمت و قدر شناسا سے پہنچے ہے بہم
ورنہ دریا میں خذف بھی نہیں گوہر سے کم

مضمون سینہ میں پوش از مرغ اسیر نہیں کہ ہو بیچ قفس کے جس وقت زبان پر آیا فریاد بلبل ہے واسطے کوس داد رس کے غرض جس اہل سخن کا در ملصقی زیلت لب ہے سر رشتۂ حسن معانی کا اس کلام کی اس سے انصاف طلب ہے- اگر حق‌تعالیٰ نے صبح کاغذ سپید کے مانند شام سیہ کرنے کو یہ خاکسار خلق کیا ہے تو ہر انسان کے فانوس دماغ میں چراغ ہوش دیا

ہے - چاہیے کہ دیکھہ کر نکتہ چینی کرے ورنہ گزند زہر آلود سے بے اجل کا ہیکو مرے - ہر چند کلام اُستادان سلف پر بھی غلطی کا گمان ہے کس واسطے کہ انسان مرکب الخطاء والنسیان ہے ' لیکن خدائے تعالیٰ نے جنہیں شعور کرامت کیا ہے وہ سمجھتے ہیں ناگہ اگر لکھپتی کی بدری سے قدرے زر قلب نکل آوے تو اُس پر کسی کو خوض و غور نہیں اور جو خریطۂ صراف سے ایسا کچھہ پاے تو اوسے کہیں ٹھور نہیں پس لازم ہے ذیہوش کو ربط الفاظ سے معنی کو سمجھکر دےتاوبال فیضان ناطقہ اپنی گردن پر نہ لے چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں -

اول اندیش انگہی گفتار پاے پوش آمدست و پس دیوار

انسان کہ جس فن سے آپ کو کما ینبغی ماہر نہ کرے چاہیے کہ اُس میں اپنے حد سے سخن باہر نہ کرے گفتگوے جاہل پہلوے عالم مورد انفعال بلکہ خموشی ہے اُس کی برابر صد فضل و کمال —

بات گر آوے تو چپ رہ کہ گماں کے نزدیک

سو طرح کا ہے سخن پردۂ خاموشی میں

اگر نا آگاہ جس فن کے آگاہ سے اس فن کی بولی بولے گویا ہر دو لب اوس کے دروازۂ رسوائی کے پاٹ ہیں کہ عمداً اپنے منہ پر کھولے بیت —

طرفہ میوہ ہے یہ سخن اے دوست مغز شیرین و تلخ جس کا پوست

مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا ہے کہ گوہر سخن عاصی زیب گوش اہل ہنر ہوا ہے ' اس مدت میں مشکل کوئی دقیقہ سلجھی کا نام رہا ہے اور سدا مرغ معنی عرش آشیاں گرفتار دام رہا ہے باوصف اوس کے قول خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کیا ہے بلکہ تمام

عالم کے سخن انصاف پر تلمیذانہ گوش دیا ہے - جس کی زبان پر تہیل ابعدا سے حرف واقعی اور منصفانہ جاری ہوا ہے بالله که مرتبہ من تعلم حرفاً فہو مولاہ طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد- ع —

وائے بر جان سخن گربہ سخنداں نرسد

لیکن مشکلترین دقائق طریق مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی سے دیا چنانچہ اس کام میں محتشم سا کسو نے عز قبول نہیں پایا ہے اسی مغفور مرحوم نے یہ فرمایا ہے —

جمعی کہ پاس محمل شان داشت جبرئیل
گشتند بے عماری و محمل شتر سوار

پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھہ کر مرثیے کہے نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے - نادر مقالہ ہے کہ عقلا جو نہ سمجھیں اور ضبط تضحیک و قصد بکا میں رہیں اس کا سیاق و سباق جہلا دریافت کریں اور پہوت بہیں - بیت —

معنی لفظوں سے ہوتے ہیں روپوش یاں تلک رتبۂ سخن پہنچا

(۷) نثر فارسی

نثر فارسی میں رسالۂ عبرۃ الغافلین کو خاص اہمیت حاصل ہے - اس کا تفصیلی تذکرہ دوجگہہ سودا کے حالات اور اس کی تصانیف کے سلسلے میں آچکا ہے - اس رسالے کی اہمیت کے گوناگوں پہلو ہیں - یہ تنقید شعر کا نمونہ ہے - ہمارے شعرا جس نقطۂ نظر سے شعر کہتے اورسمجھتے تھے اس کا صحیح اندازہ اس سے ہوسکتا ہے اور وہ شعر کو جس طرح لسانی، بیانی، لفظی اور عروضی اعتبار سے سنوارتے اور جانچتے تھے اس کا اصل معیار ہمیں معلوم ہوجاتا ہے - اس کی روشنی میں سودا کے خیالات محاسن و معائب شعر کے بارے میں معلوم ہوسکتے ہیں اور اس کے کلام کا صحیح مطالعہ کیا جاسکتا ہے - ایسی صورت میں وہ اشعار جن کو ہم اپنے زمانے کے مذاق و معیار کے مطابق معانی و مفہوم کا جامہ پہناتے ہیں ہمیں اصل رنگ میں نظر آتے ہیں اور ہمیں تعبیر و تاویل اور قیاس و گمان سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہیں پڑتی - اس سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ سودا نہ صرف فطری شاعر تھا بلکہ فن سخن کے اصول و فروع سے بھی خوب واقف تھا - اس کے پیش نظر تنقید شعر کا ایک معیار تھا - وہ شعر کے تمام لفظی، بیانی اور عروضی دقایق و

نکات سے با خبر تھا - اس سے اس بیان کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ وہ جاہل و بے علم تھا - اس نے فارسی شاعری کا استادانہ مطالعہ کیا تھا اس کے پیش نظر اساتذۂ فارسی کا کلام تھا - وہ اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کو خوب سمجھتا تھا - فارسی نظم کی طرح نثر لکھنے پر بھی قادر تھا - اس نے اس رسالے میں تنقیدی مباحث کو بڑی خوبی سے قلم بند کیا ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف تنقیدی گروں سے واقف تھا بلکہ تنقید کے نازک مضامین اور موشگافیوں کے اظہار کے لیے اپنے پاس الفاظ و اسالیب کا کافی ذخیرہ رکھتا تھا - اس کے الفاظ سلجھے ہوئے و متین اور پیرایۂ بیان پختہ ہے —

پہلے ہم اس کی عبارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کے اسلوب بیان کا اندازہ ہوگا - اس کے بعد اس رسالے کے تنقیدی مباحث کا خلاصہ درج کریں گے تاکہ شعری معائب و محاسن کا معیار ہمارے پیش نظر ہو جائے —

"بر ارباب فہم و ذکا مخفی نماند هر درد ملدے کہ بخود وا رسید بدرد دلہا رسید و تا بدرد دلہا رسید بخدا رسید پس بر زبان راستی بیان خدا رسیدگان در کلام اساتذۂ مسلم الثبوت حرف جا و بیجا بے تامل نمیگذرد و میدانند- بیت —

هر کہ سخن را بہ سخن ضم کند
قطرۂ از خونِ جگر کم کند

و بر دل آگاہ ایشان روشن است جمعی کہ در فن سخن لبہاے دریدہ دهنان دوختہ کوس لمن الملک الیوم کوفتہ از دار الفنا

بدا را لہذا پیوستہ انداز آنہا انحراف ورزیدن کار خرد مندان نیست کہ نفوس نفیسہ مذکورہ علت غائی ایجاد سخن و صیاد مرغ معلی عرش مسکن اند و عقیدۂ این ہیچمدان نیز ہمین است جائے کہ شاہباز خیال قدرت آنہا بال افشان است ما کلجشک طبعان را چہ یارا کہ زیر سایۂ او پرزنیم - اگر میلان طبیعت کسے بہ سخن طرازی و نکتہ رسی باشد باید کہ شیرۂ جان را در متابعت ہمچو کسان صرف نماید و ماوراے این اگر باقلیم سخن پاگذارد و پہلو نشیلی اہل معانی دستش ندہد باید کہ درین راہ بر نقش قدم آنہا جبین سائیدہ پیروی کند تا از نشیب و فراز راہ سخن لغزشے نخورد و سرنگوں نیفتد معاذ اللہ اگر کسے سواے طریق آنہا بعمل آرد بجز مایۂ انفعال و رسوائی بدست نیارد سر بجیب فرو بردہ کان این طایفہ گرداب دریاے بلا اندر نہار بے آشنای این ہا بے سپری نمائی تا فرق نشوی و تلاطم امواج طبیعت آنہا کوہ را از جامے برد تا بہ کاہ چہ رسد " -

دیباچے کی ابتدائی سطریں وہی شان رکھتی ہیں جو اس زمانے میں فارسی نثر کی تھی یعنی پیچیدہ جملے ، تشبیہ و استعارہ کی بھرمار ، رنگین و خوبصورت الفاظ کی کثرت - یہ اس زمانے کا عام رنگ تھا - مضمون کوئی ہو لیکن عبارت کی یہی شان تھی - سودا نے دیباچے میں عام رنگ کا اتباع کیا لیکن جہاں اصل مطلب پر آیا ہے وہاں اس روش کو چھوڑ دیا اور عبارت کی سادگی و راستی اختیار کی ، چنانچہ اشرف علی خاں کے مرتبہ تذکرے کے متعلق جو سطریں لکھی ہیں اس کا نمونہ ملاحظہ ہو -

"اشرف علی خاں نامی مرد بزرگ از خاندان عمده که آشنائے دیرین این احقر اند از تذکره هاے قدیم و جدید بمشقت پانزده سال قریب لگ بهگ در تذکرهٔ خود تالیف نموده بخدمت میرزا فاخر صاحب متخلص به مکین سلمه الله الواهب آوردند و الحاح و سماجت براے تصحیح بردند میرزا صاحب فرمودند که مارا دماغ نیست خوب این کار را براے خاطر شما بشرطے قبول کنم که اشعار تمام شعراے هند را از فیضی و فغانی و نسبتی و ناصر علی و بیدل و سراج الدین علی خان آرزو و میر شمس الدین فقیر گرفته بقلم خط بکشم - مگر تصحیح و انتخاب اشعار شعراے اهل ولایت خواهم نمود- خان مذکور باستماع این حرف بے معنی تذکره را برداشته آوردند و قبول ننمودند بعد از چند سال سی جزو تذکره را بخدمت شیخ آیت الله صاحب متخلص به ثنا براے تصحیح برده بودند' چنانچه شیخ صاحب مذکورچند جزو بصحت رسانیده ند بعده اتفاق رفتن ایشان از لکهنو بطرف فیض آباد افتاد - بعد ازان نا رچار شده باز بخدمت میرزاے موصوف تذکرهٔ مسطور را خان بردند و التماس نمودند که شعر غلط را صحیح نمایند و مکرر را مکرر بنویسند- میرزا صاحب اجزا را که شیخ آیت الله صاحب تصحیح نموده بودند ملاحظه کرده فرمودند که این تذکره را آن زمان بصحت میرسانم که یک نوشته در باب سماجت خود بدهید' چنانچه خان مذکور نوشته دادند چون نوشته ملاحظه نموده شد بے دماغانه از دست انداختند و فرمودند قسمے که من میگویم نوشته بدهند - ایشان گفتند که هر چه بفرمایند همان قسم نوشته بدهم- میرزا صاحب فرمودند چنین نوشته

بدهید - مسودۂ زبانی میرزا فاخر که سابق تذکره را بخدمت افصح‌الفصحا و ابلغ البلغا میرزا صاحب مشفق کرمفرما میرزا فاخر صاحب سلمه الله الواهب برائے تصحیح اشعار و عبارت برده بودم - ایشان بسبب کثرت اشغال فرصت نیافته ناچار سی جزو تذکره را نزد شیخ آیت الله ثنا که گمان اوستادی بر ایشان هم داشتم برده بودم - ایشان تا مدت دیده بعضے جاها که غلط بود آنرا صحیح دانسته در گذشتند و بعضے جاها غلط دانسته به تصحیح پرداختند آنرا غلط تر نمودند لهذا مرتبۂ ثانی به حدے و آرزوے تمام بخدمت فیض موهبت میرزا صاحب که در ایں فن استاد اند و مثل ایشان درین جزو زمان درین شهر صاحب کمال دیگر نیست برائے تصحیح بردم "۔

اوپر جو نمونے درج ہوئے ہیں وہ سب تمہیدی ہیں - تنقیدی بحث کے اظہار میں سودا نے جو پیرایہ اختیار کیا ہے، اس کا ایک آدھ نمونہ ملاحظہ ہو - فاخر مکیں کا ایک شعر ہے : —

شب دل از آشفتگی گیسوے او در خواب دید
صبح از بیدار بختی روے او در خواب دید

سودا نے اس پر ان الفاظ میں اعتراض کیا ہے : —

" سوائے الفاظ متناسب هیچ معنی ازیں مطلع بفهم ناقص عاصی پیدا نیست - نتیجۂ بیدار بختی ایں نیست که روے اورا نیز بخواب بیند، بلکه بایستے که روزانه بظاهر ملاقات گل تمنا بچیند و گرنه بیدار بختی را بدتر از آشفتگی دل باید دانست - لازم که سخن سنجان بچشم دل ملاحظه نمایند و بگوش هوش بفهمند، دیگر آنکه مضمون ایں بیت علی الرغم

و خلاف مضامین اوستادان سابق است - ہر یکے عاشق را بہ بیخوابی نسبت دادہ است ، چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ گفتہ است : -

گفتی شبے بخواب تو آیم ولے چہ سود
چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست

و نیز حافظ شیراز علیہ الرحمتہ میفرماید : -

قرار و خواب زحافظ طمع مدار اے دل
قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا

و نیز شعر دیگر از مثنوی کسے است : -

بگفتا وصل من در خواب دریاب بگفتم راضیم لیکن کجا خواب

زہے نتیجۂ بیدار بختی کہ عاشق شام و سحر در خواب باشد " -

فاخر مکیں کا ایک شعر ہے : -

مگر فریفتۂ آں دو نرگس سیہ ام کہ چشم داغ دلم سرمہ ناک می‌گردد

سودا نے لفظ " سرمہ ناک " کی ترکیب پران الفاظ میں اعتراض کیا ہے : -

" چشم سرمہ ناک جاے دیدہ نشدہ و بہ قیاس ہمچنیں معلوم می شود کہ نخواہد چرا کہ ہر جا مدعا برنگ باشد آنجا چنین الفاظ مستعمل سرمہ گوں و نیلگوں و گلگوں و میگوں ' و لفظ ناک در مقام صفت می گویند چنانچہ غمناک و نمناک و آتشناک و فہمناک ' و چشم سرمہ آلود و سرمہ سا مستعمل زبان ہاست " -

یہ رسالہ [سودا کے مطبوعہ کلیات میں درج ہے ہر شخص اس کا بآسانی مطالعہ کر سکتا ہے اس لیے ہم اس کے اسلوب بیان اور پیرایۂ اظہار پر تفصیلی بحث کو غیر ضروری سمجھتے ہیں -

اس رسالے کی آخری تین فصلیں خاص اہمیت رکھتی ہیں - تیسری فصل میں مختلف اساتذہ کے سترہ شعر ہیں جن پر فاخر مکیں نے اعتراضات کیے ہیں اور ان پر اصلاحیں کی ہیں - سودا نے ان اعتراضات اور اصلاحوں کو اصول شاعری کے لحاظ سے مہمل و غلط اور بے معنی و لغو ثابت کیا ہے - چوتھی فصل میں فاخر مکیں کے اُنسٹھہ شعر ہیں جن پر سودا نے اعتراضات کیے ہیں - پانچویں فصل میں فاخر مکیں کے کوئی نو شعر ہیں جن پر سودا نے اصلاحیں کی ہیں - یہ رسالہ کلیات سودا کے ساتھہ متعدد بار شایع ہو چکا ہے اور بآسانی دستیاب ہوسکتا ہے اس لیے ان تمام اشعار کو نقل کر کے ان پر سودا کی اصلاحوں اور اعتراضوں کو درج کرنا طوالت سے خالی نہیں - ہم ان تینوں فصلوں کا لب لباب درج کرتے ہیں اور تنقیدی مباحث کو (جو منتشر و پراگندہ ہیں) مضمون وار باختصار پیش کرتے ہیں - اصلاحوں اور اعتراضوں کی تفصیل کے لیے ناظرین کو اصل رسالے کی طرف رجوع کرنا چاہیے وہاں تنقیدی موشگافیوں کا لطف آئیگا یہاں صرف ان مباحث کا سرسری تذکرہ ہوگا جن کو سودا نے اپنے رسالے میں چھیڑا ہے اور جن سے اس تنقیدی معیار کا اندازہ ہوگا جو سودا کے پیش نظر تھا —

(ا) مناسبت لفظی و معنوی

فاخر مکیں کی نظر میں الفاظ و معانی کی صحیح مناسبت نہیں- وہ اساتذہ کے کلام پر بڑی بیبا کی سے اعتراضات و اصلاحات کرتا ہے ' لیکن لفظ و معنی کی مناسبت اور باہمی ربط کو قربان کر دیتا ہے - اس قسم کے اشعار میں واقف ' عزت ' علی بیگ ' خلیل ' ناصر علی اور حزیں

کے اشعار ہیں، جن پر فاخر مکیں نے بے جا اعتراضات اور لایعنی اصلاحات کی ہیں —

الفاظ و معانی کی بے ربطی خود مکیں کے کلام میں بھی موجود ہے، چنانچہ سودا نے اس کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں اور ان میں اس نقص کو بخوبی واضح کیا ہے اور چند اشعار پر استادانہ اصلاحیں بھی کی ہیں —

(۲) متناسب الفاظ کے لزوم میں غلو

فاخر مکیں متناسب الفاظ کے فراہم کرنے میں اس قدر غلو کرتا ہے کہ ان کی خاطر اگر نازک سے نازک خیال اور باریک سے باریک مضمون بھی قربان ہوجائے تو اسے اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی - چنانچہ خلیل وغیرہ کے اشعار میں اصلاح دے کر اس نے اپنے اس رجحان طبع کا ثبوت دیا ہے —

(۳) حسن تکرار لفظی

فاخر مکیں نے اشرف کے شعر میں اصلاح دی اور متناسب الفاظ جمع کر دیے ہیں - اس التزام سے اشرف کے شعر میں تکرار لفظی کا جو حسن تھا وہ فنا ہو گیا اور شعر اپنے پایہ سے گر گیا —

(۴) الفاظ کا بر محل و صحیح استعمال

فاخر مکیں نے الفاظ کا صحیح استعمال نہیں کیا ہے - ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے شعر میں کوئی معنوی خوبی پیدا نہ ہوسکی اور اکثر جگہ الفاظ کا بے محل اور غلط استعمال کیا ہے مثلاً " تو و خدائے تو " جو گواہی کے لیے آتا ہے - متکلم خود رفع تہمت کے لیے یہ الفاظ

اپنی زبان سے ادا کر کے کہتا ہے کہ یہ کام مجھ سے سرزد نہیں ہوا لیکن مکین نے اسے برعکس معنوں میں استعمال کیا ہے - ایک شعر میں معشوق کی دوری کی وجہ سے تمام عمر کو ماہ صیام بتایا ہے کیونکہ معشوق کے بغیر فقر و فاقہ میں گزرتی ہے - فقر سے ماہ صیام کو کیا تعلق ؟ عاشق کے لیے خواب و خور حرام ہوتا ہے - ایک شعر میں دل و غم کو ناپاک باندھا ہے - غم زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے لیکن ناپاکی اس کی صفت نہیں ہو سکتی - فکر اور رنج و غم کے عالم میں سربگریبان' سربجیب' سربزانو مستعمل ہے ' لیکن سر، ر آغوش غیر مسموع ہے —

(۵) قواعد زبان

بعض اوقات اشعار میں قواعد زبان کی بہ سختی پابندی نہیں کی جا سکتی ہے بلکہ قراین اور سیاق و سباق سے بھی شعر کا مفہوم واضح ہوتا ہے - جو زبان کے گروں سے واقف ہیں وہ اس قسم کے اعتراضات کرکے ناواقفیت ولاعلمی کا اظہار نہیں کرتے ہیں - فاخر مکین نےآیت الله ثنا کے ایک شعر پر ایساھی مہمل اعتراض کیا ہے —

(۶) لغت و محاورہ

فاخر مکین عام لغات و محاورات کی بڑی سختی سے پابندی کرتا ہے اور اگر استعارہ و تشبیہ کے پیرایے میں کوئی شاعر ان عام لغات سے ہٹ کر اظہار خیال کرتا ہے تو اس کو وہ غلط سمجھتا ہے اور استعاری استعمال پر نظر نہیں کرتا ہے - شیخ آیت الله ثنا کا ایک شعر ہے :—

غمت بلأ شادیست خاصه کامی را
که پیش قسمت خود نیش را بلوش کشد

مکین کا اعتراض ہے کہ اس بیت میں نیش کشیدن بمعنی نیش

خوردن واقع ہوا ہے - اس کی بجائے " زہر " کیوں نہیں کہا ؟ اس لیے کہ زہر کشیدن مستعمل ہے ' اس سے صنعت طباق بھی جو اس میں ہے فوت نہ ہوتی - سودا کا جواب یہ ہے کہ مصرع ثانی سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر بد کو بھی نیک کی طرح گوارا کرتا ہے - اس کے سوا کشیدن کے معنی خوردن کے بھی ہیں ' چنانچہ شراب کشیدن مشہور و معروف ہے اور شراب خوردن بھی - اگر مکین کو نیش کشیدن میں کوئی شبہہ ہے تو نوش کے ساتھہ تشبیہہ کا جو لحاظ رکھا گیا ہے ؛ اس سے بھی اس کا استعمال سمجھہ میں آسکتا ہے —

(۷) زبان دانی

فارسی الفاظ و محاورات کو انہیں معنوں میں لینا چاہیے جن میں اہل زباں استعمال کرتے ہیں - معجون کا لفظ سرور خاں عاقل نے اپنے ایک شعر میں استعمال کیا اور اس لفظ سے خدا کو تشبیہہ دی کہ ذات بے چوں کی وحدت کی تمام عالم گواہی دیتا ہے ' اس لیے کہ اس معجون کے اجزا کی خاصیت ایک ہی ہے - ہندوستان میں معجون کے معنے بے شک بطور تضحیک مستعمل ہیں لیکن " مغل " کہا جانتا ہے کہ ہندوستان میں اس کا استعمال قباحت سے خالی نہیں - اہل زباں کے الفاظ کے خاص مفہوم کو ہندوستانی رنگ میں دکھانا کسی طرح درست نہیں - اسی طرح " خیرہ چشم " کا لفظ ایک شعر میں مکین نے استعمال کیا ہے جس کے معنے وہ آنکھہ ہے جس میں شرم و حیا نہ ہو - معشوق کی آنکھہ کی تعریف کرنی چاہی لیکن چونکہ زبان پر عبور نہیں ہے اس لیے اس لفظ کا غلط استعمال کیا ہے —

(۸) فصاحت و بلاغت شعر

فاخر مکیں کا مذاق اتنا شستہ اور اعلیٰ نہیں ہے کہ شعر کی فصاحت و بلاغت کے نازک پہلو کو تمیز کرسکے۔ اُس نے صائب اور مولوی روم کے اشعار میں اصلاحیں دی ہیں جن سے اصل اشعار کی فصاحت برقرار نہیں رہی اور وہ مسخ و مجروح ہوکر رہ گئے۔ خود فاخر کے متعدد اشعار ایسے ہیں جن میں فصاحت و بلاغت کا کوئی جوہر نہیں۔

(۹) صنایع بدایع

مکیں نے صنایع کا التزام کیا ہے لیکن اُس التزام میں مضامین و خیالات مضحکہ خیز ہو کے رہ گئے ہیں مثلاً ایک شعر میں صنعت لف ونشر کا التزام کیا ہے لیکن مضمون ایسا باندھا ہے کہ جو خرق عادت سے خالی نہیں معلوم ہوتا —

(۱۰) تشبیہ و استعارہ

فاخر مکیں نے تشبیہ و استعارہ سے کام لیا ہے لیکن تشبیہات اجنبی اور معقولیت سے خالی ہیں۔ ایک عرصہ سے جو تشبیہات مسلم چلی آرہی ہیں ان سے انحراف کیا ہے مثلاً ایک شعر میں "لالہ" کو "بوئے معشوق" سے تشبیہ دی ہے حالانکہ لالہ کو داغ دل وغیرہ سے تشبیہ ہے۔ اسی طرح ایک شعر میں کفن و تیغ کو صبح و شفق سے تشبیہ دی ہے۔ کفن کو صبح سے مشابہ کرنا درست ہے لیکن تیغ کو شفق سے مشابہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ تیغ خوں آلودہ سے شفق کی تشبیہ ہوسکتی ہے —

(۱۱) مبالغہ

بعض اوقات مبالغہ شعر میں ایک خاص حسن اور لطف پیدا کردیتا

ہے - عام شاعری میں مبالغہ اس حد تک جائز ہے کہ محال اور بعید از عقل و قیاس باتیں نہ بیان کی جائیں لیکن اگر حمد و منقبت میں محال باتیں بیان کی جائیں تو سخن رس اسے معیوب نہیں سمجھتے ہیں - مدح میں فاخر مکیں نے محال باتوں کو باندھا ہے لیکن اس سے ممدوح کا پایہ گر گیا ہے -

(۱۲) تمثیل

فاخر مکیں نے بعض اشعار میں مثالیہ رنگ اختیار کیا ہے - پہلے مصرعے میں دعوی پیش کیا اور دوسرے میں اس کی دلیل ' لیکن یہ تمثیل مصرع اولی کے ساتھ درست نہیں ' اس کے لیے حکیمانہ نظر اور وسیع تجربے کی ضرورت ہے - ' مکیں ' کی بے جوڑ اور غیر متوازن تمثیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اس کا فقدان ہے —

(۱۳) حشو و زواید

فاخر مکیں نے اپنے بعض اشعار میں بھرتی کے لفظ داخل کردیے ہیں اس کے کئی اشعار " پرکن " واقع ہوے ہیں اور وہ بھی بے ربط - ان زاید الفاظ کی اشعار میں کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن چونکہ اُس کو عروض اور اداے مطالب پر پوری قدرت حاصل نہیں ہے اس لیے اُس کے کلام میں یہ نقص موجود ہے - بعض اوقات اُس کا خیال پورے اور صحیح طور پر الفاظ میں ادا نہیں ہوتا ہے اور جگہہ جگہہ کھانچے پڑ جاتے ہیں اور صاف طور سے محسوس ہوتا ہے کہ اُس کی لفظیات محدود ہے یا اُسے بروقت مناسب الفاظ نہیں ملتے ہیں —

(۱۴) تلمیحات

شعر کو موثر اور پر لطف انداز میں پیش کرنے کے لیے تلمیحات خوب کام دے جاتی ہیں - لیکن ان سے کام لینے کے لیے ان کی تمام تفصیلات سے واقفیت ضروری ہے - فاخر مکین کی نظر میں یہ تفصیلات نہیں ہیں مثلاً وہ "صبر ایوب" کی جگہہ "مہلت ایوب" لکھہ جاتا ہے - اسی طرح ضحاک کے متعلق اسے یہ نہیں معلوم کہ شیطان نے اس کے شانوں کو بوسہ دیا تھا جس کے اثر سے ان پر دو سانپ پیدا ہوگئے تھے -

(۱۵) شاعرانہ مضامین و خیالات میں ضروری منطقی ربط و معقولیت

فاخر مکین نے نازک و باریک مضامین باندھنے کی کوشش کی ہے لیکن اگر ذرا غور سے ان کا تجزیہ کیا جاے تو اُن میں کوئی صحیح ربط و توازن نہیں پایا جاے گا - اس میں شبہ نہیں کہ شاعری میں ہر وقت منطقی استدلال کی پابندی نہیں کی جا سکتی بلکہ اکثر اوقات شاعر شاعرانہ استدلال سے بھی کام لیتا ہے لیکن اس کے خاص مواقع ہوتے ہیں - مکین ایسے مواقع کو نہیں پہچانتا ہے اور جن مقامات پر قدرتی منطقی استدلال کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر خیال بے ربط بلکہ بے معنی ہو جاتا ہے وہاں بھی وہ اُس کو نظر انداز کر دیتا ہے ــــ

(۱۶) لوازم و خصائص شعر

شعر کے لیے جو لوازم مقرر ہیں اور جن پر تمام اساتذہ کے کلام کی بنیاد ہے ان سے انحراف نہیں کیا جا سکتا مثلاً عشق و حسن کے خاص خاص مضامین ہیں اور ان کے مراتب و وظائف اور اوضاع و اطوار قدیم سے مقرر

چلے آرہے ہیں- عشق و حسن کے متعلق ایسی باتیں باندھنا کہ جن سے عشق کے خصایص زایل ہو جائیں یا حسن کی شان میں فرق آ جاے کسی طرح جایز نہیں - فاخر مکیں نے اِس قسم کی بے شمار معنوی غلطیاں کی ہیں، جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اُس کا مذاق شعری سلیم نہیں مثلاً اُس نے عاشق کے جذبات رشک و غیرت کی بجاے بے غیرتی و بے حمیتی، لذت دشنام یار کی بجاے تلخئی دشنام اور کوے یار میں کُشتہ ہونے کی بجاے وہاں سے فرار ہونے کے مضامین باندھے ہیں- اور بجاے عاشق کے معشوق کو افسردہ خاطر لکھا ہے —

(۱۷) مضامین حسن و عشق

شاعر کے عشق کی لذت سے آشنا اور حسن سے متاثر نہ ہونے سے بھی شاعری پر برا اثر پڑتا ہے - سچے عاشقانہ جذبات اور عاشق و معشوق کے معاملات کے بیان میں لطف پیدا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ عاشق کی خصوصیات اور معشوق کے صفات اور انداز و ادا کے بیان میں بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں- فاخر مکیں کے کلام میں یہ کوتاہیاں نمایاں طور پر موجود ہیں- وہ عاشق کی الم کشی، مسکینی وغیرہ کے مطابق مضامین نہیں باندھ سکتا اور نہ معشوق کے عادات و خصایل کے لحاظ سے خیالات قلم بند کر سکتا ہے —

(۱۸) شاعری کی اصل روح سے آشنا ہونا چاہیے

فاخرمکیں فارسی شاعری کی اصل روح سے واقف نہیں- اس ناواقفیت کی بنا پر اُس نے ہندی خیال کو جو فارسی کے لیے قطعاً اجنبی اور غیر ہے فارسی شاعری میں داخل کردیا ہے مثلاً ایک شعر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ

خوشامد میں میں نے اپنے دیدۂ خونبار سے غیر کے دست و پا رنگین کردیے۔
فارسی میں عجز کے عالم میں پاؤں پر گر پڑنا وغیرہ مسلم و مسموع نہیں۔
پاؤں پڑنا یا پاؤں پر گر پڑنا محاورۂ ہندی ہے اور اسی زبان میں
مستعمل و جایز ہے - فارسی میں اس کا استعمال ایک ناقابل
تسلیم ایجاد ہے —

(۱۹) کلام اساتذہ سے استفاد

فاخر مکین نے کچھ عجیب و غریب مضامین باندھے ہیں جن کی
نظیر کسی اُستاد کے کلام میں نہیں ملتی اور اگر شاعری کے پورے دفتر
کا جایزہ بھی لیا جاے تو اُس کے جدت آمیز خیالات کی تائید و توثیق
میں ایک حرف بھی نہیں نکلے گا- یہ مکین کی جدت ہے لیکن لطف اور
معنویت سے خالی ہے —

(۲۰) لفظ سازی

نئے الفاظ کے وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان کی معنویت
پر نظر رکھنی چاہیے - مکین نے اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا مثلاً اُس
نے "سرمہ ناک" کا لفظ وضع کیا - "ناک" "چشم" کے ساتھ غیرمستعمل
اور بے معنی سا ہے - چشم کے ساتھ جو الفاظ مستعمل ہیں اُن میں رنگ
کا مفہوم ہوتا ہے مثلاً سرمہ گوں ' گلگوں ' میگوں وغیرہ - "ناک" کا لفظ
صفت کے موقع پر مستعمل ہے مثلاً غمناک ' نمناک ' آتش ناک ' غضبناک
وغیرہ - چشم سرمہ آلود ' سرمہ سا ' زبانوں پر مستعمل ہیں —

(۲۱) تراکیب الفاظ

الفاظ کی ایسی ترکیبیں جو مسموع نہ ہوں اور بآسانی و بے تامل

تسلیم نہ کی جائیں جائز نہیں مثلاً آتش بیگانہ —

(۲۲) تعریب و تفریس

سودا الفاظ کے معرب و مفرس بنانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا تھا - میر عقیل کوثری نے اپنے ایک قطعے میں " تزئیب" کا لفظ استعمال کیا ہے - فاخر مکیں کا اعتراض ہے کہ " زیب" فارسی ہے اُس سے " تزئیب" اور "مزیب" بنانا جہالت کی علامت ہے - افسوس ہے کہ لوگ اس طرح کی لغزشیں کرتے ہیں اور " مزلف " اور " مرفن " بھی استعمال کرجاتے ہیں - سودا اس قول پر تنقید کرتا ہے کہ فاخر مکیں کا یہ معترضانہ اشارہ شیخ علی حزیں کی بے علمی کی طرف ہے ' کیونکہ اشرف علی خاں نے اُس کی دستخطی بیاض سے کوثری کا یہ قطعہ نقل کیا ہے - حزیں کی تقریر و تحریر ایک عالم کے لیے سند ہے - اُس نے ہرگز یہ بے سند نقل نہیں کیا - اکثر اساتذہ نے فارسی الفاظ کو معرب کرلیا ہے - حکیم خاقانی نے تحفتہ العراقین میں " ذوالخورشیدین " لکھا ہے - تقی اوحدی نے " مہلد " (یعنی در جلد ساختہ شدہ) لکھا ہے - " باہ" فارسی ہے اس سے " مبہی " معرب کرلیا ہے اسی طرح " زلف " سے " مزلف " بنالیا ہے ' چنانچہ امیر خسرو اور اشرف کے اشعار میں یہ لفظ بے تکلف استعمال ہوا ہے —

یہ رسالہ عبرت الغافلین کا لب لباب ہے - جو اس کی مختلف فصلوں سے اخذ و استنباط کرکے باجمال تمام مضمون وار قلم بند کیا گیا ہے - اگر

اس رسالے کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تمام تفصیلات کو چن چن کر مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا جائے تو ممکن ہے کہ چلد داو انات کا اضافہ ہو جائے۔ ہم نے چلد خاص خاص مضامین لے لیے ہیں' ان کے ذیلی و ضمنی بے شمار مضامین ہیں جن میں لفظی ' بیانی اور عروضی تنقیدی موشگافیاں ہیں' جو بہت ہی پر لطف ' بصیرت افروز اور کار آمد ہیں —

(۱)

زبان کی تشکیل و توسیع اور اشاعت و ترویج میں سودا کی کارگزاری

ہم تمہید میں اِس مقالے کا مدعا لکھ آئے ہیں - ہمیں ایک ایسے شاعر سے بحث کرنی منظور تھی جس نے زبان اردو کے بنانے اور پھیلانے میں زبردست بنیادی کام کیا - اُس کی حیات اور کلام پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں - اب یہ دیکھنا ہے کہ زبان کی تشکیل و توسیع اور اشاعت و ترویج میں اس کا کیا ہاتھ ہے —

جس دور سے ہم نے بحث کی ہے اُس سے قبل ایہام گوئی کا عام رواج تھا - اِس کو ایہام گوئی کا دور کہنا چاہیے - اِس دور کے آخر میں شاعروں کی جو جماعت منظر پر آئی اُس میں سودا کو خاص اہمیت حاصل ہے - اُس کا شمار اُن اساتذۂ فن اور ارباب زباں میں ہے جنھوں نے ایہام گوئی کے رواج کو متروک کردیا اور بڑی وسعت کے ساتھ ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جس کی بدولت اردو میں وسعت اور لوچ پیدا ہوا اور وہ اِس قابل ہوگئی کہ مختلف مضامین و خیالات اور متنوع موضوعات کی کامیابی کے ساتھ ترجمانی کرسکے - حکیم اصلح الدین نے لکھا ہے کہ سودا

نے ایہام گوقدما کی طرز کو مٹایا اور ایک نئی طرز ایجاد کی اور اس کو ترقی دی۔ اس میں وہ کسی دوسرے ہم عصر شاعر کو شریک نہیں کرتا ہے —

وہ مخترع طرز کہ طرز قدما پر
کھینچا خط نسخ اوس کے ہی خامے نے بہ تحریر

تھی ریختہ کی قدر خزف ریزہ سے کمتر
دی اوس کی زبان نے گہر و لعل کی توقیر

شفیق نے لکھا ہے : - " ایں زبان کج مج ریختہ در زمانش بہمن اقبال آں نکتہ پرداز درجۂ علویت کردہ " —

جب ہم سودا کے کلام کی روشنی میں ان بیانات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان میں سرمو مبالغہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایہام گوئی کی بڑی مذمت کی ہے اور اِس طرز کا نہایت دلیری سے مضحکہ اُڑایا ہے - چلد شعر ہم گزشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں - یہاں ایک مخمس کے دو ایک بند نقل کیے جاتے ہیں جن میں لفظی تلازم اور رعایت کے انداز کا خاکہ اُڑایا ہے : —

ریش بابا جو سنی ہے کوئی قسم انگور
شانہ و وسمہ بن اس کا وہ نہ لاویں مذکور
ربط الفاظ کو معنی سے نہ دیں تا مقدور
لف و نشر ان کو مرتب جو ہو کرنا منظور
رام پور کی یہ کٹاری نکھیں اور سوکھا پھل

یاں تلک باک نہیں ماہ کے گر ساتھ ہو شہر
زلف کے واسطے بندہ جاے کہیں سانپ کی لہر

چشم کے وصف میں کو ہو وے تو ہو گردش دھر
نہ تلاش ان کے سخن کا سا کہ جس میں یہ تھر

باندھیں لب کو جو یہ اخگر تو دھن کو مفقل

ایہام گوئی ایک مصنوعی اور فیر فطری طرز تھی جس میں صرف الفاظ کا کھیل تھا - سودا اور اس کے معاصرین مظہر ' درد ' میر وغیرھم ایسے شاعر تھے جنھوں نے اِسے ترک کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی - چنانچہ درد نے بھی اِس کے متروک ہونے کا ذکر اس طرح کیا ھے : —

از بسکہ ھم نے حرف دوئی کا اُٹھا دیا   اے درد اپنے وقت میں ایہام رہ گیا

ایہام کی بنیاد ھندی پر تھی - اُردو میں یہ طرز صرف غزل کے لیے مخصوص تھی اور دوسرے اصناف سخن کے موضوعات کے ادا کرنے کی لوچ ' وسعت اور سہولت اس میں موجود نہ تھی- اس لیے نئے دور کے شاعروں نے ھندی کے عناصر کو کم کرکے اُس میں عربی فارسی کی آمیزش شروع کر دی- بعض ایہام گو شعرا نے بھی اپنی روش ترک کردی چنانچہ حاتم کے متعلق ھم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ھیں - مظہر بھی ایہام گو تھے ان کے اس صنعت کے اشعار تحفة الشعرا میں علحدہ عنوان کے تحت موجود ھیں - انھوں نے بھی ایہام بندی ترک کر دی اور عربی فارسی کے عناصر کو ریختہ میں داخل کیا لیکن ابتداً اس میں اس قدر غلو کیا کہ اُن کا ریختہ نہ تو اردو معلوم ھوتا تھا اور نہ فارسی - سودا نے بر وقت اُن کو ٹوک دیا : —

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ
سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا

آگاہ فارسی تو کہیں اُس کو ریختہ
واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹ کا

سن کر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ یہ ہے
اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شاہ کی لاٹ کا

القصہ اس کا حال یہی ہے جو سچ کہوں
کُتا ہے دھوبی کا کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

مظہر اور بعض دوسرے شاعروں نے فارسی عنصر کو غالب کر دیا تو چلد شاعروں اور خصوصاً سودا نے اُس کے خلاف کوشش کی اور اعتدال و توازن پیدا کیا - خود مظہر بھی اِس رمز کو سمجھہ چکے تھے چنانچہ اُن کا بعد کا کلام نہایت پاکیزہ اور شستہ و رفتہ ہے —

جب ایہام گوئی متروک ہوگئی اور شاعروں کی طبائع غزل کے کوچے سے نکل کر دوسری اصناف سخن کے میدانوں میں جولانیاں دکھانے لگیں تو زبان غیر وسیع ' محدود اور ان گھڑ نظر آنے لگی - اِس لیے سلیس ' موزوں اور سہل الاستعمال عربی فارسی کے الفاظ کام میں لائے جانے لگے- ٹھیٹھہ ہندی الفاظ کا زور ٹوٹتا گیا ' قدیم صرف و نحو میں بھی غیر معمولی انقلاب پیدا ہوگیا - ہندی تشبیہات و استعارات اور ملکی و مقامی تلمیحات کی بجائے عربی فارسی کے دفاتر سے یہ سرمایہ لیا گیا - اِن شاعروں نے اِسی پر بس نہیں کی بلکہ بے تکلف ' الفاظ

سازی شروع کر دی - ہم سودا کے کلام کو پیش نظر رکھہ کر یہ بتائیں گے کہ وسعت زباں کے اُس زمانے میں کیا ذرائع اختیار کیے گئے - تشبیہ و استعارہ اور تلمیح کے متعلق یہاں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں - گزشتہ اوراق میں سودا کے کلام کے جو اقتباسات ہم نے پیش کیے ہیں اُن سے اِس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے - قواعد زباں میں بھی بہت کچھہ تبدیلیاں ہوئیں جن سے سہولت اور باضابطگی پیدا ہو گئی ان کا ذکر بھی طوالت سے خالی نہیں - اس لیے اس حصے کو بڑی حد تک نظر انداز کر کے ہم دوسری چند اہم چیزوں پر بحث کریں گے —

اس بحث کو چھیڑنے سے قبل ہم یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ توسیع زباں کے بارے میں سودا کی کوششیں چند عنوانات پر تقسیم ہو سکتی ہیں - جن کو ہم نشان وار بقید مضمون ذیل میں درج کرتے ہیں - ان پر ایک سر سری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ سودا زبان کی توسیع و تہذیب کے اصولی و فطری گروں سے خوب واقف تھا - اس نے اکثر الفاظ و محاورات وغیرہ کو ثقیل ' انگھڑ اور بھونڈے سمجھہ کر ترک کر دیا - دوسری زبانوں کے لغات سے بہت کچھہ اخذ کیا ' ان کے بہت سے قاعدے اور اسالیب اختیار کیے ' ان کو اپنے کلام میں استعمال کیا اور اپنے ذوق سلیم اور حسن شعور سے اختراعات کیے - اس ترک ' اخذ ' اختیار ' استعمال اور اختراع کی نوعیتیں گونا گوں ہیں ' ان سب کو بطور اختصار و خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے —

پہلی فصل :- ترجمہ و اخذ

(ا) ہندی کے ٹھیٹھہ الفاظ کا ترک اور اُن کی جگہ عربی فارسی لفظوں

کا استعمال یا قدیم ہندی کے ان گھڑ الفاظ کی شکل میں تبدیلی —

سوں ، سیتی	سے	ملے ، ملیں	میں
ہمن	ہم	بھیتر	اندر
تمن	تم	نت	ہمیشہ
یو	یہ	جھو	جی
دوجا	دوسرا	باج	بغیر
دسنا	دکھائی دینا	پگ	پگڑی
بیجلی	بجلی	ساجن	معشوق
اچھنا	ہونا	بات	راستہ
بِنا	بن ، بغیر	اِتا	اتنا ، اسقدر
جالنا	جلانا	کدھی ، کدھوں	کبھی
سُرج	سورج	نمن	طرح ، مثل

اِس پر بھی قدیم ہندی عنصر تمام تر زائل نہیں ہوا بلکہ ایک حد تک اُس کی کار فرمائی باقی رہی - چنانچہ سودا کے کلیات میں کئی ٹھیٹھ ہندی الفاظ پائے جاتے ہیں جو بعد کے دور میں متروک ہوگئے - مثلاً کھٹ : قالب - درس : دیدار - نھن : آنکھ - ماٹی : مٹی - کربل : کربلا - کنے : پاس - اندھلی : اندھی ، نابینا - جگ : دنیا - جاگہ : جگہ - لاگنا : لگنا - سیں : سے - کسو : کسی - سہس : سر پوشانی - نیارا : الگ ، سوا - چھٹ : سوا ، بغیر —

(۲) (الف) فارسی محاوروں اور فقروں کے ترجمے :—

شیوہ گرفتن : شیوہ لینا - بر آمدن : (کسی چیز سے) بر آنا - در آمدن :
در آنا - بسر آمدن : (کسی چیز سے) بسر آنا - پیمانہ پرکردن :
پیمانہ بھرنا - پیمانہ پر شدن : پیمانہ پر ھونا - دامن افشاندہ بر خاستن :
دامن جھاڑ کر چلنا - از جامہ بیروں شدن : جامہ سے نکل پڑنا - فلکش
خبر ندارد : (اس کی) فلک کو خبر نہیں - دل از دست رفتن : دل ھاتھ
سے جانا - گوش کردن : گوش کرنا - بو کردن : بو کرنا - گوش مال
دادن : گوش مال دینا - او دھن این کار ندارد : وہ اس کام کا دھن نہیں
رکھتا ھے - خاک بر سر کردن : سر پر خاک کرنا - خوش آمدن : خوش آنا -
بہم رسیدن : بہم پہنچنا - جگر کردن : جگر کرنا - اے کہ ، اے آنکہ :
اے تو کہ - چشمک زدن : چشمک مارنا - سفید شدن ، پوست کشیدن : اِس
کا ترجمہ ذیل کے شعر میں نظر آئے گا :—

چاھے تجھ چشم کے آگے جو ھو بادام سفید
چھیلے کر پوست کرے گردش ایام سفید

(ب) بعض فارسی کے ٹھیٹھ اسمائے مفعول کو اردو میں بجنسہ لے لیا اور
مرکبات میں نہیں بلکہ بطور مفرد استعمال کیا ھے ، مثلاً خوابیدہ ،
کاھیدہ ، دزدیدہ ، بالیدہ ، تفسیدہ ، زائیدہ ، خراشیدہ ، نھلیدہ ،
بالیدہ ، نالیدہ ، شوریدہ وغیرہ —

(ج) اسی طرح اسماے فاعل کو بجنسہ اردو میں منتقل کیا ھے مثلاً
گویندہ ، کشندہ ، پرندہ ، شنوا ، نگراں ، رواں ، دواں —

(د) ان کے سوا فعلی مشتقات اور دیگر اسمی مرکبات اور حروف وصفات
وغیرہ کے باب میں بھی فارسی سے بہت کچھ اخذ کیا ھے - آیندہ

سطروں میں اس اخذ و استنباط کا صحیح اندازہ ہوگا —

(۳) عربی فارسی کے مرکب الفاظ داخل کیے گئے جن میں بعض تو قدیم سے عربی فارسی میں موجود تھے ' ان کو بجنسہ اردو میں منتقل کر دیا اور بعض عربی فارسی کے اصولوں پر وضع کیے گئے مثلاً : خانہ بر انداز چمن' طوفان بدوش' کفن بدوش' شعلہ بردوش' عذاں کشیدہ ' دامن کشیدہ ' خجالت زدہ ' برق زدہ ' حلق بریدہ ' آفت رسیدہ ' نو رسیدہ ' گریبان دریدہ ' خوں چکیدہ ' حلقہ در گوش ' ' قباحت فہم وغیرہ —

بعض فقرے کے فقرے بجنسہ یا وضع کرکے داخل کیے گئے ہیں مثلاً : یک حرف آرزوے بلب نارسیدہ ' دل دادۂ زلف ورخ دلبر ندیدہ ' ساعد و دست حنابستہ' سربہ پیش افگندہ ' دست حباب جو —

بعض عربی کے ٹھیٹھ اور مرکب الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً عسس' تشہد' مصطبہ' ملعدم' معاتب' اشجع' مستفہم' مستغنی الاحوال' دارالفنا ' آخر الامر' فی الفور ' ذوی الاحترام' ثوم و عدس' مادالقرع ' مالا یلتحل —

(۴) سودا نے اپنے کلام میں مختلف اقسام کی اصطلاحیں داخل کی ہیں - اس کے کلام میں سپاہیوں ' پہلوانوں ' پٹے بازوں ' مہاوتوں' آتش بازوں ' باورچیوں ' شکاریوں' طوائفوں ' ساہوکاروں ' بلیوں ' طبیبوں ' اہل دفتر' شاعروں وغیرہ وغیرہ کی بے شمار اصطلاحیں موجود ہیں - ان کے سوا شادی بیاہ ' رزم و بزم ' اور مختلف رسوم وغیرہ کی اصطلاحات اور خاص خاص الفاظ اس کے کلام میں محفوظ ہیں - بہت سے پرندوں اور جانوروں

اور اوزار، زیورات، کپڑوں وغیرہ کے نام اور ان کے متعلق کے خاص خاص الفاظ سودا کے کلام میں ملتے ہیں - مختلف علوم و فنون اور مذہب و اخلاق کے بھی بے شمار اصطلاحی الفاظ اس کے کلام میں پائے جاتے ہیں - یہ بہت بڑا سرمایہ ہے - ان کے استعمال سے نہ صرف زبان کی لفظیات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس زمانے کی تہذیب و معاشرت کا صحیح مرقع بھی ہمارے پیش نظر ہو جاتا ہے - چند اصطلاحیں اور خاص خاص الفاظ ذیل میں بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں —

(پہلوانی وغیرہ): پٹھا، اکھاڑا (کھدوانا)، کشتی کھلوانا، زور دلوانا، کشتی کھیلنا، پکڑ کھیلنا، اکھاڑے میں اُترنا، سامنے ہونا، خم ٹھونکنا، دست و بوس، پور پور پر داؤ کرنا، اڑی مارنا، کشتی لڑنا، یک دستی، گرہ دکھلی، گھسے چڑھانا، تنک کرنا، تنک پیلنا، نیل ملنا، تعلیم، کا چھہ کسنا، خم بجانا، دھیج بلانا، قدم گاڑنا، ڈھاک پر چڑھانا، تھاک کرنا، نیچے لینا، دھوبی پاٹ کرنا، مالکھم، کلا رنگ کرنا، بغل کے بیچ دینا، لنگوٹا، چرنا، پٹھوں میں دھنسنا، چت، پٹ وغیرہ وغیرہ —

(مہاوت): کجلی بن، آنکس کرنا، پیچش، چرخی، گھریالی، کلاوہ، راتب، ملیدا، کت بندھن، لکڑا، زنجیر، ہتیائی، بھالہ بردار، بھلاس، عماری کسنا وغیرہ —

(موسیقی وغیرہ): کھچری، پُڑی کا آٹا، کلاوت، پکھاوج، آس بندھنا، پر لے لینا، مردنگ، ملہ چلگ —

(طباخی وغیرہ) : رفیدہ، گاؤ دیدہ، حاضری، کھانے کو دم دینا، للور لگوانا، چھری بغدا، ناظر، بکاول، مودی، سفرہ چیں، رکابدار، نان با، کبابی، مشرف، پلیتھن، رنگ رس وغیرہ —

(پارچے) : موٹا جامہ، چیرا (باندھنا) پٹکا، گاڑھا، شلوار، پہونا، آنا (ٹھیک آنا)، تن زیب، تہمہ، محمودی، جامہ، چولی، تلنگ، تھان، بلدار، گز، باندھنو، توڑا، کلابی، کمخواب، ستارہ دار، بانات، مقیشی کار وغیرہ —

(پرندے وغیرہ) : جرا، باشہ، شاہین، شکرا، ترمتی، کہی، بہرا، بٹیری، تدا، تیترا، بھاکا، دھبر، کبک، بٹیر، سہزک، تتھری، بزا، لمری، بگلا، تیتر، لوا، ابلقہ، قاز، قرقرا، سارو، کلنگ، سارس، حواصل، سیمرغ، کوا، پودنا، میلا، وغیرہ وغیرہ —

بہر حال سودا نے اصطلاحات اور خاص خاص الفاظ وغیرہ کا ایک بیش بہا ذخیرہ اپنے کلام میں محفوظ کر دیا ہے —

دوسری فصل : - لفظ سازی

لفظ گھڑنے کے ہماری زبان میں کئی ضابطے ہیں جو اساتذہ کے کلام سے مستنبط ہوتے ہیں - اُن کو نظر میں رکھ کر ہم سودا کے کلام سے چند الفاظ بقید ضابطہ ذیل میں درج کرتے ہیں - اُن کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کہ یہ سودا ہی کی ایجاد ہے - بے شبہ سودا سے قبل اور خود اُس کے زمانے کے شاعروں کے کلام میں لفظ سازی کا یہ رجحان پایا جاتا ہے - لیکن سودا نے اس میں بہت زیادہ وسعت پیدا کی - اس ضمن میں ایک اور بات اظہار طلب ہے - یہ ممکن ہے کہ ذیل کے بعض الفاظ راست

فارسی عربی وغیرہ سے لیے گئے ہوں لیکن چونکہ یہ لفظ سازی کے ضابطوں اور اصولوں کے تحت اردو میں منتقل ہوے ہیں اور ان پر اخذ، ترجمہ، اختیار اور استعمال کا عمل ہوا ہے اس لیے اُن کا اِس ضمن میں درج کرنا نامناسب نہیں —

(ا) مصادر بازی و فعلی مشتقات

(الف) ہندی الفاظ سے مصادر بنائے گئے —

لاج سے لجانا؛ لالچ سے للچانا؛ اٹکل سے اٹکلنا؛ پتھر سے پتھرانا؛ لہر سے لہرانا؛ کانٹھہ سے کانٹھنا؛ مکر (بمعنی اکڑ) سے مکرانا؛ ہٹ (بمعنی ضد) سے ہٹنا؛ انگلی سے اُنگلانا، پت سے پتھانا وغیرہ —

یہ ممکن ہے کہ اِس کے برعکس مصادر سے یہ اسما بنے ہوں لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ اِن کی اصل اسما ہیں —

(ب) فارسی الفاظ سے مصادر بنائے گئے —

رنگ سے رنگنا (اور رنگانا)؛ تراش سے تراشنا؛ خرید سے خریدنا؛ فرمان سے فرمانا؛ داغ سے داغنا (اور دغنا)؛ شرم سے شرمانا؛ لرز سے لرزنا؛ گزر سے گزرنا؛ درگزر سے سے درگزرنا وغیرہ —

یہ ممکن ہے کہ یہ فارسی مصادر سے ترجمہ کیے گئے ہوں لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ اسما وغیرہ سے بنے ہیں نہ کہ مصادر سے - لیکن ذیل کے مصادر تو بے شبہ فارسی کے صیغۂ امر پر اردو کی مصدری علامت (نا) کے اضافے سے بنائے گئے ہیں- نواز (امر نواختن) سے نوازنا؛ بخش (امر بخشیدن) سے بخشنا وغیرہ —

(ج) عربی الفاظ سے مصادر بنائے گئے -

بھٹ سے بھٹنا ؛ بدل سے بدلنا ؛ قبول سے قبولنا وغیرہ ۔

ان مصادر کی تمام فعلی گردانیں بنتی ھیں اور اس طرح فعل کے باب میں غیر معمولی وسعت پیدا ھو جاتی ھے ۔

(د) مرکب مصادر ۔

مصادر زبان میں خاص اھمیت رکھتے ھیں ۔ اگر آج ھم بے تکلف اپنی ضروریات کے مطابق مذکورۂ بالا تین اصولوں پر مفرد مصادر تیار کرنے لگیں تو ھماری بہت سی مشکلات دور ھو جائیں لیکن معلوم ھوتا ھے کہ یہ طریقہ قدیم ھی سے کچھ نا پسند ٹھہرا ۔ اس لیے کہ معدودے چند گھڑے ھوے مفرد مصادر کے سوا ان کی کثرت ھماری زبان میں نہیں اور نہ سودا اور اُس کے معاصرین کے کلام میں ھے ۔ اِس کے برعکس ان کے کلام سے معلوم ھوتا ھے کہ ان کا رجحان مرکب مصادر کی طرف زیادہ تھا ۔ اس کا سبب شاید مفہوم کی زیادہ وضاحت ھو ۔ یہ بھی ممکن ھے کہ علمی و اصطلاحی مضامین سے سروکار نہ ھونے کی وجہ سے مفرد مصادر تیار کرنے کو غیر ضروری سمجھا گیا ھو ۔ بہر حال اِس میں شبہ نہیں کہ ان کا رجحان مرکب مصادر کی طرف زیادہ تھا ۔ چنانچہ اِس قسم کے بے شمار مصادر ملتے ھیں ۔ سودا کے کلام سے ھم چند مصادر بطور مثال نقل کرتے ھیں :۔

گزر کرنا ، آشیاں باندھنا ، نسبت دینا ، تناسب دینا ، عمل کرنا ، تجاوز دینا ، تولد پانا ، نشو و نما دینا ، عیب لگنا ، ترغیب کرنا ، زمزمہ کرنا ، نوکیں کرنا ، تفاوت کرنا ، زحمت کھنچنا ، میل کرنا ، شکل بندھنا ، شست و شو کھانا ، خواب کرنا ، قدر گزرنا ، شادی (خوشی) کرنا ، خبث کرنا (بہ خبث یاد کرنا) ، حمل (محمول) کرنا ، داغ

لگانا ' زنجیر کرنا ' نمود کرنا ' التماس کرنا ' تلاش کرنا ' شمار کرنا ' باور کرنا ' ظہور کرنا ' ملت کھیلچنا ' تلگ اٹھانا ' نقل کرنا (حکایت بیان کرنا) ' کام پہنچنا ' انتشار دینا ' انتشار پانا ' ایستادہ (ایستاد) کرنا یا ہونا ' قرض کرنا ' طومار کرنا ' معاش گزرنا ' سروکار نہ دینا ' جلو کرنا ' درد کہنا ' وکالت لینا ' نالش کرنا ' فیصل ہونا ' راہ ہونا ' وجد ہونا ' قصور (کوتاھی) کرنا ' حنا باندھنا ' رخنہ کرنا ' نکاح باندھنا ' جھپٹا کرنا ' ھامی بھرنا ' سانٹ ملنا ' وغیرہ وغیرہ —

(۲) افعال کا تعدیہ :

سودا کے دور سے قبل تعدیہ کا بہت کم عمل ہوا تھا - اس کے کلام میں افعال کے تعدیہ کی بکثرت مثالیں ملتی ھیں ' تعدیہ دو قسم کا ہے - متعدی المتعدی اور متعدی بالواسطہ مثلاً گانا سے گوانا ' بجانا سے بجوانا ' رکھنا سے رکھوانا ' بکنا سے بکوانا ' پکڑنا سے پکڑوانا ' ڈھونڈھنا سے ڈھونڈھانا ' باندھنا سے بندھوانا اور بندھانا ' کھیلنا سے کھلوانا ' دینا سے دلوانا ' کھودنا سے کھدوانا ' جھانکنا سے جھکوانا ' دھونا سے دھلوانا وغیرہ —

۲ - سابقے لاحقے :

الفاظ کے شروع یا آخر میں چند مقررہ الفاظ یا علامات لگانے سے نئے لفظ یا مفہوم پیدا ہوتے ھیں - جو علامات یا الفاظ شروع میں آتے ھیں انہیں سابقے کہتےھیں اور آخر میں آنے والے الفاظ وغیرہ لاحقے کہلاتے ھیں - سودا نے لفظ سازی میں سابقوں اور لاحقوں سے بڑی مدد لی ہے - اس کے کلام میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی

ہیں - ذیل میں چند سابقے اور لاحقے بطور مثال درج کیے جاتے ہیں - یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر الفاظ خالص فارسی زبان کے ہیں ' سودا نے ان کو وضع نہیں کیا ' لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان پر اختیار اور استعمال کرنے کا عمل کر کے سودا نے ان کی ترویج کی ہے ' اس لحاظ سے غیر زبان کا جو لفظ بھی استعمال کیا جاے وہ نیا ہوگا اور اس کی حیثیت تو وضع لفظ کی سی ہوگی —

(الف) فارسی سابقے :

بد : بد خلق ' بد وصف ' بدوضع ' بد اصول ' بد شراب ' بد چشم ' بد اسلوب ' بد ذات ' بد یمن ' بد تواره -

بے : بے مغز ' بے سرانجام ! بے الفت ' بے اثر ' بے رو ' بے زر ' بے دماغ ' بے حساب ' بے نہایت ' بے اختیار ' بے خواب ' بے رتبہ ' بے نالا ' بے چیز ' بے آرام ' بے امتیاز -

پا : پا زہر -

خوش : خوش آب ' خوش اندام ' خوش قامت ' خوش قد ' خوش چشم -

کم : کم بغل ' کم احباب ' کم فرصت -

نا : نا انصاف ' نا صاف ' نا شاعر ' نا طاقت ' نا رسا -

ہم : ہم چشم ' ہم رنگ ' ہم سفر ' ہم آہنگ ' ہم زمزمہ ' ہم پیالہ ' ہم روش ' ہم آغوش ' ہم صحبت ' ہم نشیں ' ہم نصیب ' ہم خانہ -

یک : یک روا (یک رویہ) -

(ب) ہندی سابقے :

الف : اتھک ، اچل -

ان : انمول ، ان بیچ ، انجان -

پر : پرسال ، پردیس -

ک : کُڈھنگ -

ن : نچنت ، نڈھال ، نڈر ، ندان ، نبل ، ندھڑک -

نر : نربل ، نراس -

(ج) فارسی لاحقے

آرا : ہجوم آرا ، سریر آرا —

آلود : درد آلود ، خون آلود ، زنگ آلود ، اشک آلود ، گرد آلود -

آلودہ : خواب آلودہ (خوابیدہ) —

انداز : حکم انداز ، پا انداز ، شکار انداز —

انگیز : حیرت انگیز ، تعجب انگیز ، درد انگیز —

انہ : (اسم) شکرانہ ، بیعانہ ؛ (متعلق فعل/صفت) بےدماغانہ ، جانانہ —

بار : مشکبار ، شعلہ بار —

باز : پتنگ باز ، پتے باز ، لکڑی باز ، آتش باز ، چلگل باز ، روبہ باز ، جانباز ، نظر باز (سراغ رساں ، خفیہ) —

بخش : تواں بخش —

بر : تعلیم بر —

پذیر : توبہ پذیر ، مرہم پذیر ، ملت پذیر ، دلپذیر —

پرست : حیا پرست ، حنا پرست ، صفا پرست ، وفا پرست ، بقا پرست ، ہوا پرست ، آشنا پرست ، دوں پرست ، خاک

پرستت ، تاک پرست ، افلاک پرست ، ادراک پرست ، فتراک پرست ، مسواک پرست ، بت بے باک پرست ۔

پوش : سبز پوش ، سرخ پوش ، سیہ پوش ، بسنتی پوش ، کلہ پوش ، بادلہ پوش ، حریر پوش ، روپوش ۔

پیرا : شعلہ پیرا ۔

خوار : نوالہ خوار ، ذلہ خوار ، جگر خوار ، شراب خوار ، خونخوار ۔

خور : گل خور ۔

دار : سجدار ، طرحدار ، زردار ۔

داں : حساب داں ، قاعدہ داں ، زباں داں ، فہم داں ، مزاج داں ، ہندسہ داں ۔

رو : دربار رو ۔

ریز : جلوہ ریز (آگے بڑھنے والا) ۔

ریزاں : اشک ریزاں ۔

زاد : شورہ زاد ۔

زادہ : زنگی زادہ ۔

زدہ : برق زدہ ، آتش زدہ ، وحشت زدہ ۔

زن : قطرہ زن ، بال زن ، طمانچہ زن ، چشمک زن ۔

زناں : نعرہ زناں ، خندہ زناں ۔

سرا : غزل سرا ۔

سنج : ترانہ سنج ، نغمہ سنج ، سخن سنج ، بذلہ سنج ۔

شکن : دل شکن ، توبہ شکن ، عہد شکن ، ہمت شکن ۔

طراز : طوفاں طراز ' معجز طراز ' خندہ طراز ' جلوہ طراز -

طلب : ملت طلب ' خلنجر طلب ' آفات (یا آفت) طلب ' سوز طلب -

فروش : شبہ فروش -

کار : سخت کار ' حل کار ' بانی کار -

کردہ : چپ کردہ -

کُش : احسان کش ' حسن کش -

کش : انتظار کش ' ساغر کش -

کن : رسوا کن ' نظارہ کن -

کناں : نالہ کناں ' تشبیہ کناں ' گریہ کناں ' طرقوا کناں ' زاری کناں -

گیر : زمیں گیر ' کلاں گیر ' پر گیر -

منش : اہلی منش -

نشیں : نعال نشیں -

نما : خرس نما -

وار : شگفت وار (جو کھلنے کے لیے درکار ہو) ' غنچہ وار -

وش : برق وش ' پری وش -

یاب : تشبیہ یاب ' لذت یاب -

(د) هندی لاحقے -

پا : بھروا پا -

هار : جا هار (جانے والا بمعنی نا پائیدار) -

یارا : پکھارا (پت سے) اعتبار -

یتا : چڑھیتا (چڑھنے والا) -

اس قسم کے صدہا سابقے اور لاحقے ملتے ہیں جن کی مدد سے الفاظ بنائے گئے ہیں اور جو سودا کے کلام میں موجود و محفوظ ہیں — ان سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم اساتذہ اپنی ضروریات کے لحاظ سے کس قدر دلیری اور بے تکلفی سے الفاظ وضع یا داخل کرتے تھے —

(۳) مرکبات

بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ لفظوں سے ترکیب دے کر بنالئے گئے ہیں - ان مرکب الفاظ کی چھ صورتیں ہیں —

(الف) ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی الفاظ کا ملاپ —

اگن باو ' اکاس بیل ' جل ترنگ ' گھر بیچ ' تارا منڈل ' گجنال ' گج باگ' کوک بجلی ' ہتیلی تیک' ہتھ پھیر' چک پھیر' چاند رات ' کتھی چور ' لے پالک ' توبہ دھاڑ ' دوت دات ' ملہ سرا ' ملاق چرا ' مونہہ دکھای ' مار دھاڑ' مار کتای ' دھول دھپا ' تھپ تاپ ' دوت دیک ' دیا باتی ' بیچ بل ' کٹ بندھن ' کٹھہ کتی ' چوگھرا ' دھوبی پات ' مالکھم ' کجلی بن ' چڑی مار —

(ب) فارسی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

تردامن ' پاک دامن ' نیک دل' آھن دم' سبک سر ' سبک رفتار ' شادی مرگ ' گل خور ' دنداں گھر ' پیش رفت ' دوراھا ' شیر دھاں ' زشت نہاد ' ترش ابرو ' سرگزار ' دستداد ' تنگ نوا ' ہرزہ دوی ' نمک سود ' خانہ پرورد ' شکر پارہ ' سرکوب ' مردہ شو' دیگ شو' زرخرید ' بازگشت' نے سوار' آخوں شکاری' خام پارہ-

(ج) عربی الفاظ کے ساتھ عربی الفاظ

عالی شان ، فلک مرتبت ، فلک جناب ، طفل مزاج ، ذلت نصیب ، صاحب سلامت ، عرش قریں ، لاولد —

(د) ہندی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

ملنہ چلگ، چپ کردہ ، نیک چلن، شتر نال، ملہ زور ، بھالہ بردار ، ملنگت خانہ —

(ہ) ہندی الفاظ کے ساتھ عربی الفاظ

چور محل ، جیب کترا ، امام باڑہ —

(و) عربی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

تازہ دین (نو مسلم) ، عاجز سخن، زیب اور، عیب گو، صبح خیز یا ، زن مرید ، سبک اطوار ، سست عمل ، کور سواد ، خام فطرت ، دستخط، نظر گزر، نوحہ آسا ، نازک خیال، فاقہ مستی ، باقی ماندہ ، سوۓ عدم ، تابوت گر —

ان مرکبات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے دو قسم کے مرکبات بنتے ہیں (۱) اسموں اور صفتوں کے مرکبات اور (۲) مصادر یا افعال اور ان کے مشتقات کے مرکبات- ان دونوں قسموں کے کئی ذیلی مرکبات ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں - بہر حال اسما اور فعلی مشتقات کو باہمی ربط و ترتیب دینے سے بے شمار مرکبات بنتے ہیں ، جن میں اسم فاعل ، مفعول ، حاصل مصدر ، صفت ، صفت مرکب وغیرہ سب آجاتے ہیں —

تیسری فصل :- چند متفرق ضابطے اور قاعدے

توسیع زبان کے بنیادی ذرایع و وسائل کا ذکر مختصراً ہو چکا ہے

ان سے زبان کے اکثر قواعد مدون و مرتب ہو سکتے ہیں - مصادر سازی ' افعال کا تعدیہ ' اسما اور صفات کے بنانے کے طریقے (سابقوں اور لاحقوں اور مرکبات کے ذریعے) یہ سب کچھ اوپر مذکور ہوچکا ہے - یہاں چند ضروری متفرق باتیں اجمالاً بیان کی جاتی ہیں —

(۱) صفات بنانے کے طریقے

سابقوں لاحقوں اور مرکبات کے ذریعے بے شمار صفات بنتی ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ صفات کی اکثر اقسام ان کی مدد سے بنتی ہیں - یہاں چند نمایاں اور مخصوص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے —

(الف) اسما کے آخر میں (ی) لگا کر بے شمار صفات بنائی گئی ہیں مثلاً نفس سے نفسی ' جگر سے جگری ' سفر سے سفری ' شربت سے شربتی' فریاد سے فریادی ' تریاک سے تریاکی ' افلاک سے افلاکی' پیغام سے پیغامی' دام (بمعنی جال) سے دامی' اِنس سے اِنسی' جان سے جانی' مجرا سے مجرائی' مہ (چاند) سے مہی' ہراول سے ہراولی' جہان سے جہانی' فندق سے فندقی ' دستخط سے دستخطی ' کباب سے کبابی' مجلس سے مجلسی' کیف سے کیفی' شفق سے شفقی' مگس سے مگسی ' حشر سے حشری' نرگس سے نرگسی' آتش سے آتشی ' فلک سے فلکی ' کمر سے کمری ' خدمت سے خدمتی ' طوفان سے طوفانی ' پیمبر سے پیمبری ' مکتوب سے مکتوبی ' پارسال سے پارسالی ' بازگشت سے بازگشتی ' ملک سے ملکی' مکتب سے مکتبی —

(ب) اسمائے خاص کے آخر میں بھی (ی) لگا کر بہت سی صفات بنائی

گئی ھیں مثلاً (حضرت) ایوب سے ایوبی ' (حضرت) یعقوب سے یعقوبی ' مروان سے مروانی —

(ج) صفات کے آخر میں بھی (ی) لگا کر صفات بنای گئی ھیں مثلاً بالا سے بالائی ' قائبانہ سے قائبانی (صفت ' مونث کے لیے) —

(د) لفظ کے آخر میں (و) کے اضافے سے بھی بعض بہت ھی آسان اور خوبصورت صفات بنای گئی ھیں مثلاً جہیزو (جہیز میں آی ہوئی) ' بکاؤ (فروختنی) —

(ہ) اسم کے آخر میں بصورت تذکیر الف) اور بصورت تانیث (ی) لگانے سے مثلاً کھوٹ سے کھوٹا اور کھوٹی ' چتر سے چترا ' جھوٹ سے جھوٹا وغیرہ —

(و) صفات بنانے کا ایک عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا ھے مثلاً " چلے جانا " سے " چلی جاتی " ایک صفت بنائی ھے مصرع :—

سدرہ ہونہ سکے عمر چلی جاتی کا —

(ز) ایک اور خاص طریقہ ھے مثلاً بات سے بتکڑ —

(۲) اسما بنانے کے طریقے

اسما بنانے کے مختلف طریقے سابقوں لاحقوں اور مرکبات کے سلسلے میں آچکے ھیں ' یہاں چند خاص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ھے -

(الف) صفات کے آخر میں (ی) لگا کر بے شمار اسما بنائے گئے ھیں مثلاً :—

ھم چشمی ' محبوبی ' زمانہ سازی ' روباہ بازی ' ھوسناکی ' طوفان طرازی ' پختہ مغزی ' سبک وضعی ' بے سر انجامی ' خود کامی ' معیوبی ' مکتوبی ' بد اسلوبی ' ھم آغوشی ' ھم دوشی '

فراموشی ' مرغوبی ' اشک فشانی ' خشکی (خشک سالی) '
فرلی ' بے زری ' بد شرابی ' ترانہ سلجی ' بد اصولی '
کجروشی' مخلصی ' فضولی ' سادہ لوحی ' بد خلقی ' بد چشمی
زن مریدی ' کم خوری ' کہلنہ لنگی ' بے فہرتی ' ملمت داری '
زبونی ' بد ذاتی ' فراخ دا ملی' هم نسبتی' سرفرازی ' بے ربطی'
نا فہمی' دیر پائی ' نواحی' دریزی' مرغوبی' مدبری' لاف زنی '
سفاکی' تهرباراتی' فراوانی' درویش پروری' سایہ گستری 'کهمت
شکلی ' بدحالی ' بے روئی (بے مروتی) ' رودا ری ' آبداری -

(ب) اسما کے آخر میں بھی (ی) لگاکر اسما بنائے گئے ھیں مثلاً :-
مہوس سے مہوسی ' فصاد سے فصادی' جواهر سے جواهری ' حکاک
سے حکاکی ' ملا سے ملائی ' مہمان سے مہمانی (دعوتی کھانے) ' مہر
سے مہری (سہادت) ' بھروا سے بھروائی —

(ج) اسماے خاص کے آخرمیں (ی) لگانے سے ان اسماے خاص کی مخصوص
کیفیات کا اظہار ہوتا ہے مثلاً :- یعقوبی (حضرت یعقوب کی طرح
گریہ وزاری)' ایوبی (حضرت ایوب کی طرح صبر وشکر) —

(د) (گی) کے اضافے سے اسما بنائے گئے ھیں مثلاً :- آلودگی ' مسخرگی
بستگی ' شکستگی ' برگشتگی ' مہربانگی ' عیارگی ' هرزگی '
همگی ' زخود رفتگی —

(۲) مصدری علامت (نا) کے حذف سے بے حد وحساب اسما بنائے گئے
هیں مثلاً :- لپک ' جھوک ' جھلک ' دمک ' للک ' جھنکار ' پکار '
للکار ' دتکار ' دپٹ ' تاک ' جھانک —

(و) مصدری علامت کے حذف کے بعد (ی) کے اضافے ' بالفاظ دیگر ماضی مطلق کے آخر میں (ی) کے اضافے سے کئی اسما بنائے گئے ہیں جیسے چڑھائی ' ھلسائی وغیرہ —

(ز) جس طرح ہندی مصادر سے مصدری علامت حذف کر دینے سے اسما بنائے ہیں اسی طرح فارسی مصادر سے علامت مصدر گرا دینے سے کئی اسما بنائے ہیں مثلاً : - ایستادن سے ایستاد' خریدن سے خرید وغیرہ۔

(ح) بعض اسما اس طرح تراشے ہیں کہ ان کا کوئی مستقل ضابطہ ہماری زبان میں نہیں۔ ایک مد حیہ قصیدے میں ذیل کے الفاظ گھڑ کر استعمال کیے ہیں ' ان میں ایک حد تک تحقیر و تصغیر کا مفہوم ہے - لڑنا سے لڑنت ' پڑھنا سے پڑھنت ' گرنا سے گرنت ' اکڑنا سے اکڑنت ' پھڑکنا سے پھڑکنت ' کھدنا سے کھدنت ' کڑکنا سے کڑکنت ' ڈپٹنا سے ڈپٹنت ' دبکنا سے دبکنت ' بکھرنا سے بکھرنت ' چھٹکنا سے چھٹکنت ' لپٹنا سے لپٹنت ' بڑھنا سے بڑھنت ' گھٹنا سے گھٹنت ' سرکنا سے سرکنت —

(ط) دو متضاد مفہوم رکھنے والے اسما کے ملاپ سے بھی اسما بنائے گئے ہیں۔ اس عمل سے مفہوم میں وسعت یا امتیاز پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً اونچ نیچ ' دکھ سکھ ' اپنا بیگانہ ' آگا پیچھا —

(ی) بعض قریب المعنی الفاظ کے ملاپ سے بنائے گئے ہیں مثلاً : - جڑی بوٹی' سوچ بچار ' اکھاڑ پچھاڑ لاٹھی پاٹھی' بیاہ برات ' دم دلاسا ' کھاٹ کھٹولا وغیرہ -

اسما بنانے کے اور بھی کئی طریقے ہیں جن کو بخوف طوالت ہم

نظر انداز کر دیئے ہیں —

(۳) تصغیر و تکبیر :-

سودا نے بعض الفاظ کی تصغیر بھی بنائی ہے مثلاً : شاعر سے شاعرلا ، مسخرا سے مسخرلا ، پات سے پاتی، بھائی سے بھیا ، اسپ سے اسپک، مکھ سے مکھڑا ، جیو (جی) سے جیوڑا ، کھات سے کھٹولا —

(۴) امدادی افعال

لفظ سازی کے سلسلے میں ہم مصدر سازی اور مرکب افعال کا بیان کر چکے ہیں - ہماری زبان میں امدادی افعال بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں - ان سے مفہوم میں وسعت، انفرادیت، امتیاز، تبدیلی، زور، تاکید وغیرہ پیدا ہوتے ہیں - سودا کے کلام میں ان امدادی افعال کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں —

آنا : لے آنا ، دے آنا ، مل آنا -

اٹھنا : پھوک اٹھنا ، بول اٹھنا ، کہہ اٹھنا -

بیٹھنا : بگڑ بیٹھنا ، کر بیٹھنا ، لڑ بیٹھنا ، ہاتھ دھو بیٹھنا -

پڑنا : جا پڑنا ، لڑ پڑنا ، نکل پڑنا -

جانا : کر جانا ، کہہ جانا ، تاڑ جانا ، نکل جانا -

چاہنا : ہوا چاہنا ، کیا چاہنا -

چکنا : جا چکنا ، کر چکنا ، آ چکنا -

دینا : کہہ دینا ، پھینک دینا ، رولا دینا ، بہا دینا -

ڈالنا : مار ڈالنا -

رکھنا : دبا رکھنا ، بٹھا رکھنا ، کر رکھنا -

رهنا : بیٹھے رهنا، سو رهنا ـ

سکنا : ڈبو سکنا ، دھو سکنا ، پا سکنا ، کھو سکنا ـ

لگنا : آلگنا ، جا لگنا ـ

لینا : لے لینا ، کرلینا ، روک لینا ، بانٹ لینا ـ

نکلنا : آنکلنا ، جا نکلنا ـ

(۵) تابع مہمل :ـ

تابع مہمل کا رواج زیادہ تر بول چال میں تھا سودا نے اس کو شعر میں بھی رواج دیا ہے مثلاً :ـ سچ مچ ، دوت دات ـــ

(۶) اضافت :ـ

اضافت کے استعمال میں کوئی خاص تحدید نہ تھی ، هندی اور فارسی الفاظ کے ساتھ اضافت کا استعمال جایز تھا مثلاً :ـ

صاحب ارتھی ، بیڑۂ پان ـــ

(۷) واؤ عطف :ـ

هندی اور فارسی یا دونوں هندی الفاظ کے درمیان واؤ عطف کو روا رکھا ہے مثلاً : تھپیڑا و دھان ، پھل و پھول ـــ

(۸) سہولت تلفظ اور عام محاورہ :ـ

سودا نے سہولت تلفظ کی خاطر بعض الفاظ کی شکل میں تبدیلی کردی مثلاً :ـ جلگ کا کی بجائے جلکا اور شب برات کی بجائے شبرات لکھاہے۔ اسی طرح اصل لغت کی پروا نہیں کی بلکہ بول چال کے الفاظ داخل کردیے ہیں مثلاً :ـ ثابت (بمعنی سالم) کی بجائے سابوت لکھا ہے ـ

ان تمام مباحث سے بخوبی واضح ہے کہ سودا کے کلام نے توسیع و ترویج زبان میں غیر معمولی کام کیا - ہم نے خاص خاص مباحث لیے اور ان کی روشنی میں سودا کے کلام کا مطالعہ کیا' اور زبان کی توسیع کے بنیادی مسائل کو مثالوں کے ذریعے چھوڑا ہے- ان پر تفصیل و جامعیت سے بحث کرنے کے لیے ایک علحدہ مقالہ درکار ہے - اوپر کی بحث کا مدعا یہ دکھانا تھا کہ سودا نے زبان و بیان اور خیالات کے اعتبار سے اردو شاعری پر کیا اثر ڈالا اور زبان کے بنانے میں اس نے اپنے قلم سے کیا کام لیا - آیندہ سطور میں یہ معلوم کرنا ہے وہ اپنے معاصرین پر اس کے کیا اثرات ہیں اور اس نے اپنے شاگردوں کے ذریعے زبان کے پھیلانے میں کیا کارگزاری دکھائی ہے -

سودا نے کم و بیش پچاس سال تک اپنی شاعرانہ قوتوں سے کام لیا ہے اور کم سے کم تیس سال ایسے گزرے ہیں جن میں اس کی استادی کا لوہا خاص و عام نے اقطاع ہند میں مان لیا - اس طویل عرصے میں اُس کے شاگردوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اُس زمانے کے تذکروں میں قدم قدم پر اُن کا ذکر ملتا ہے - تقریباً چالیس شاگرد تو ایسے ہوے ہیں جو صاحب دیوان تھے اور جن کا شمار معمولی شعرا میں نہیں - اُن میں سے چند اردو کے بلند پایہ استاد تسلیم کیے جاتے ہیں - شاگردوں کی کثرت پر نظر کر کے سودا نے خود لکھا ہے :—

تم فیض آ کے مجھ تک ایک عالم نے اٹھایا ہے
نہیں سودا میں دریائے سخن پر اُس کا ساحل ہوں

ان سب شاگردوں پر سودا کی شاعری کا براہ راست اثر پڑا ہے۔

چنانچہ خود اُس کے شاگردوں نے جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے —

میر فخرالدین ماہر : —

اگرچہ ریختہ گو سب ہیں اپنے فن میں طاق
جہاں میں شہرہ ہے سودا کی طرح پر کس کا

ہے اُس کے تو بھی جواک خوشہ چینوں میں ماہر
سخن کی خوبی کو پہنچے ترے گھر کس کا

جہاں سے اٹھ گیا سودا سا شاعر حیف اے ماہر
کرے گر ترک تو شعر و غزل خوانی تو بہتر ہے

قائم : —

ایک سودا کی تو قائم نہ کہوں میں ورنہ
ہے ترا طور سخن حد بشر سے باہر

سلیے کس کا سخن کہ دل سے مٹے   داغ مرزا رفیع سودا کا

مرزا محمد یار بیگ سائل: —

حاتم کی تو خدمت سے تھا فیض بہت مجکو
سودا کی ولے صحبت اکسیر نظر آئی

مصحف : —

انداز سخن ریختہ گویوں میں بخوبی بالفعل تو سودا کے سوا ہے بخدا ہیچ

جب ہم سودا کے شاگردوں کے شاگردوں کا جائزہ لیتے ہیں اور

اس سلسلے کو موجودہ دور تک دیکھتے آتے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ سودا کے شاگردوں کا جال اس قدر وسیع ھے کہ بہت کم شاعر اس سے باھر نظر آتے ھیں - چنانچہ تذکروں سے اگر اس کے شاگردوں کے سلسلوں کو شجرہ کے طور پر مرتب کریں تو ھمیں ہزارھا شاعر ایسے ملیں گے جن کا سلسلہ سودا سے جاکر ملتا ھے - مولانا حسرت موھانی نے سودا کے شاگردوں کا شجرہ مرتب کیا ھے -انہوں نے کوئی چودہ شاگردوں کا ذکر کیا ھےاور ان کے سلسلوں کو چھ واسطوں سے شاگردان مومن و ذوق تک پہنچایا ھے * - لیکن یہ بہت حقیر تعداد ھے تذکروں میں اس کے تقریباً پچاس نامور و مشہور شاگردوں کے نام بآسانی مل جاتے ھیں —

سودا کے شاگرد بھی کسی ایک مقام اور مذھب و قوم کے نہ تھے بلکہ مختلف ملکوں کے شاعر اُس کے شاگرد تھے اور مختلف شہروں سے اُس سے اصلاح لینے کی غرض سے آتے تھے - ان شاگردوں نے سودا کے رنگ شاعری کو تمام ملک میں پھیلا دیا - اُس کے بعض شاگردوں کو دور دور نکل جانا پڑا - چنانچہ دکن، بہار وغیرہ میں اُس کے کئی شاگرد پہنچے ' جنہوں نے اپنی شاعری کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور جہاں جہاں پہنچے اپنا اثر کسی نہ کسی شکل میں ضرور چھوڑا - مثال کے لیے ممتاز کو لیجیے جو کرناٹک گیا تھا وھاں کا مشہور علمدوست اور شاعر نواز حاکم عمدۃ الملک مختار فرزند سراج الدولہ محمد علی خاں اس کا شاگرد ھوگیا تھا - ممتاز کی بدولت کرناٹک کے ادبی حلقوں میں سودا کی بڑی شہرت ھوی - مشہور ارکاٹی شاعر باقر آگاہ کے کلام سے اس کی تصدیق

* انتخاب سخن جلد اول ۱۹۲۶ ع

ہوتی ہے کہ کرناٹک کے شاعروں میں سودا کی شاعری نے ہل چل ڈالدی۔
باقر آگاہ اپنی مثنوی گلزار عشق کے دیباچے میں لکھتا ہے —

اگر اردو بھا کے میں کھولوں زباں   تو سودا کا سب سود ہووے زیاں

سودا کا ایک شعر ہے :—

برھمن بتکدے کے شیخ بیت اللہ کے صدقے
کرو لے جاکے سودا کو دل آگاہ کے صدقے

باقر آگاہ نے اس شعر میں لفظ آگاہ سے فائدہ اٹھا کر اس طرح تعلی کی ہے —

کہا سودا آگے ہی انصاف سے   کہ صدقے کرو مجھکو آگاہ کے

اگرچہ ان اشعار میں طنز کا پہلو نکلتا ہے لیکن اس سے سودا کی تنقیص منظور نہیں اس لیے کہ اسی کتاب میں آگاہ نے صاف طور سے اعتراف کیا ہے کہ " مرزا رفیع سودا قصائد و غزل میں بڑا سخن تراش و صاحب تلاش ہے - محاورۂ شستہ و صاف میں یگانۂ زمانہ اور شوخی مزاج و رنگینیء طبیعت میں ہر کہیں افسانہ " —

دکن میں بھی سودا کی شاعری نے قبولیت حاصل کی تھی - چنانچہ دکنی تذکروں میں سودا کا ذکر بڑی تعریف کے ساتھہ کیا گیا ہے- دکنی شعرا دیوان سودا کے صحیح نسخے اپنے پاس رکھتے تھے اور اس سے استفادہ کا کام لیتے تھے * - شفیق نے سودا کی تاریخ وفات کہی ہے جس سے دکن

---

* کتاب خانۂ مولوی عبدالحق صاحب میں ایک بیاض محفوظ ہے جس میں ایک دلچسپ شاعرانہ محاکمہ کا ذکر ہے ' علی لطف حکم تھے جنھوں نے فریقین کو کلام سودا سے سند دے کر قائل کردیا تھا —

میں اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوگا :—

مرگیا آہ میرزا سودا ختم تھی جس کے اوپر استادی
صاحب اب تعمیہ سے کہہ تاریخ ریختہ میں رہا نہیں ہادی

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سودا نے اپنی استادی سے اردو زبان کے پھیلانے میں بڑا کام کیا اور بکثرت شاگرد پیدا کرکے زبان کو اس قدر عام کردیا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ریختہ گوئی کے چرچے اور اس کی شاعری کے تذکرے ہونے لگے - خود سودا نے فخریہ کہا ہے :—

نکلا جو مرے منہ سے ہوا شہرۂ آفاق
بیٹھی ہے سخن سنجوں کی یہ ڈاک زمیں پر

غالباً اسی پر نظر کرکے مصحفی نے عقد ثریا اور تذکرۂ ہندی میں لکھا ہے " خامۂ خیالش بر صفحۂ روزگار یادگار است - دیوانش بہ فرنگ و صفاہان رسیدہ - دیگرے ایں شہرت در خواب ندیدہ " - " ہمہ باتفاق بسبب شہرت بسیار و خوبیٔ کلام استاد مسلم الثبوت می دانند و الحق کہ چنیں نامش در ہندوستان ورد زبان بازاریان و غزلہات دیوانش بہر اطراف و جوانب و ہر جاہل و امی رابر زبان با ایں ہمہ شہرت کہ در ریختہ تصیدش بود " - یہاں مصحفی نے جہلا کا ذکر تو کردیا ہے لیکن اس کے نامور معاصرین پر نظرنہیں کی جن پر سودا کے اثرات کچھ کم نہ تھے - چنانچہ مشہور استاتذہ نے اس کا ذکر کیا ہے —

فغاں :-

فغاں کون اب خریدار سخن تھا اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

تاباں: -

آبرو، یکرنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی
ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح

مہر: -

نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنی
گیا ہو میر دیوانہ رہا سودا سو مستانہ

ایک اور جگہہ کس حسرت سے اپنے معاصرین کے ساتھہ یاد کیا ہے -

کیا رہا ہے مشاعرے میں اب   لوگ کچھہ جمع آن ہوتے ہیں
میر و مرزا رفیع و خواجہ میر   کتنے اک یہ جوان ہوتے ہیں

درد -

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہے ولے   جوں غنچہ سو زباں ہے اس کے دھن کے بیچ

قایم نے لکھا ہے کہ سودا نے دھلی کو چھوڑا تو وھاں کی شاعری کی دنیا سونی اور بے رونق ہوگئی :-

اے گردش زمانہ تری کجروی کے بیچ
یکسر نواح ہند سے شعر و سخن گیا
سودا تو اپنے حال میں مدت سے مست ہے
قایم رہا تھا ایک سو اپنے وطن گیا

حسرت (استاد جرأت) —

کہاں سودا کہاں قائم کہاں میر کہاں حسرت کہاں درد و کہاں سوز

سودا نے اپنے رنگ شاعری کا اثر بعد کے شاعروں پر بھی بہت کافی طور پر ڈالا تھا چنانچہ اس کے بعد کے شاعروں نے اسے خاص طور پر یاد کیا ہے اور اس کی تقلید کا فخریہ دم بھرا ہے اور بہت سے شاعروں نے اس کے مصرعوں کو تضمین کیا ہے —

ناسخ :

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب
ہاں تتبع کرتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا

پہلے اپنے عہد سے افسوس سودا اٹھ گیا
کس سے ناسخ اس غزل کی جاکے لیں اب داد ہم

جرأت :-

سودا کے کہے جواب میں جرأت غزل اک اور
اب کرسیٔ سخن ہے ترے دم قدم کے ساتھ

مصحفی :-

سودا کے خیال کو نہ سمجھے کوئی کم سودا فن ریختہ میں گزرا رستم
ہے میر تقی بھی تو اگرچہ استاد پر اس کے کلام کا ہے قائل عالم

آتش :-

پھروں ھی مصرع سودا ھے رلاتا آتش
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ھوا تھا سو ھوا

مرزا اسمعیل :-

اس طور کی غزل تو آگے نہیں سنی تھی
لازم ھے اِس غزل کو سودا کے تئیں سنانا

سودا کا اثر بعض شاعروں پر غیر معمولی طور پر بہت زیادہ پڑا - چنانچہ اردو شاعری کے لکھنوی دبستان کا مشہور استاد ناسخ سودا کی تقلید اور پیروی کرتا تھا - مضامین کے اتباع کے علاوہ متروکات کا جو آغاز اُس نے کیا تھا وہ بھی بقول ایک نقاد کے سودا کی آنکھیں دیکھ کر کیا تھا - متروکات کی نے آگے چل کر یہاں تک بڑھی کہ لکھنو میں اردو شاعری کا ایک خاص دبستان مقرر ھوگیا جو دھلوی دبستان سے ممیز تھا - لکھنو کے عام انداز کا بانی بالواسطہ سودا ھی ھے -

اس خیال کی تائید شاہ کمال کے ان دو بیانوں سے بخوبی ھوتی ھے جن میں اس نے اپنے چشم دید واقعات اور ذاتی مشاھدات کی بناء پر لکھا ھے کہ فیض آباد میں شعر و شاعری کا چرچا سودا کے قیام سے پھیلا - فیض آباد میں اردو شاعری کا آغاز دراصل لکھنوی شاعری کے قیام کا پیش خیمہ تھا - فیض آباد کی محفل شعرا جب لکھنو میں منتقل ھوئی تو سودا ھی اس کا روح و رواں تھا - اس وقت اس کا طوطی بول رھا تھا - حاکم وقت نواب آصف الدولہ کو اس کے کلیات کے مطالعہ کا اس قدر شوق

تھا کہ ہمیشہ اپنے پلنگ پر اس کا نسخہ رکھتا تھا —

ان تمام باتوں نے سودا کا اثر اور بھی شدید کر دیا- یہ تو اس کے لکھنوی شاعری پر اثرات پڑے - دھلوی دبستان شاعری پر بھی اس کے خاص اثرات ھیں - وھاں اس کے کئی شاگرد تھے - جنھوں نے اس کی خصوصیات شاعری کو اپنا مطمع نظر بنایا اور ان تمام لوازم شاعری کی پیروی کی جو سودا کی شاعری میں موجود ھیں - معاصرین پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑا - لیکن متاخرین میں ذوق سب سے زیادہ متاثر ھے- آزاد کی راے ھے کہ ذوق کا رجحان طبع سودا کی طرف تھا - آزاد نے اس راے کا اظہار کئی جگہہ کیا ھے - دو ایک مقام نقل کیے جاتے ھیں —

(غزل) " ابتدا میں مرزا رفیع کا انداز تھا - شاہ نصیر سے ان دنوں معرکے ھو رھے تھے - ان کا ڈھنگ یہی تھا - اس لیے انھوں نے بھی وھی اختیار کیا - اس کے علاوہ مرزا کی طرز کو جلسہ گرمانے میں اور لوگوں کے لب و دھن سے واہ وا کے نکال لینے میں ایک عجیب جادو کا اثر ھے ' چنانچہ وھی مشکل طرحیں ' چست بندشیں' برجستہ ترکیبیں' معانی کی بلندی' الفاظ کی شکوھیں' ان کے ھاں بھی پائی جاتی ھیں " -

(قصیدہ) " جاننے والے جانتے ھیں کہ اصلی میلان ان کی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا - نظم اردو کی نقاشی میں مرزا ے موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کردیا ھے - ان کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا " —

(عام کلام) " ان کا مضمون جس طرح دل کو بھلا معلوم ھوتا ھے ' اسی طرح پڑھنے میں زبان کو مزا آتا ھے - ان کے لفظوں کی ترکیب میں

ایک خداداد چستی ہے' جو کلام میں زور پیدا کرتی ہے - وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہیں ظاہر کرتا' بلکہ سننے والے کے دل میں ایک خروش پیدا کرتا ہے - اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر سودا کی تقلید کا پر تو ڈالتا ہے " —

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ سودا نے دھلی اور لکھنو دونوں مقاموں کے شاعروں پر اپنی شاعری کا گہرا اور بین اثر چھوڑا' یہ صحیح ہے کہ ان دونوں مقاموں نے رفتہ رفتہ الگ الگ رنگ اختیار کرلیے —

(۲)

سودا کی اہمیت

سودا کی اہمیت اردو زبان میں بہت خاص ہے - اُس کی اہمیت کے گوناگوں پہلو ہیں - اس کے کلام میں سب سے پہلے ہمیں ایک زبردست شاعر کی داخلی زندگی کی تصویر شاعرانہ رنگ میں نظر آتی ہے - اُس کے زمانے کے مختلف تاریخی ' سیاسی اور معاشرتی حالات اور واقعات ہم کو بے کم و کاست ملتے ہیں - محمد شاہ سے لے کر آصف الدولہ کے زمانے تک کے تاریخی واقعات ہمیں دستیاب ہوتے ہیں - بسنت خاں خواجہ سرا کے اقتدار ' احمد شاہ کے زمانے میں فوج کی حالت ' عالمگیر ثانی کے زمانے میں عمادالملک کی وزارت اور اُس کا اثر ' فرخ آباد کے حالات ' شجاع الدولہ کی روہیلوں سے جنگ ' فرنگیوں اور تلنگوں کی فوجوں کا حال' آصف الدولہ کے زمانے میں مالی و ملکی مہمات' انگریزوں کے دخل وغیرہ کا نہایت واضح خاکہ ہمیں سودا کے کلام میں نظر آتا ہے - اس زمانے کی معاشی کشمکش کی زندہ تصویر ہمیں اُس کی نظموں میں نظر آتی ہے - امیر غریب' سپاہی فقیر اور مختلف پیشہ وروں کی بپتائیں ہم اُس کی نظموں میں ملتے ہیں - اُن کے مذہبی خیالات و عقائد ' وضع قطع ' کھانا پینا ' پہننا اوڑھنا سب کچھ ہم چند نظموں کو پڑھ کر

معلوم کر سکتے ہیں - اس کے علاوہ اُس زمانے کے معاشرتی رسوم مثلاً بیاہ کی رات ' تو ملی کا جلوہ دیکھا ' آرسی مصحف ' ساچق ' برات ' چوتھی کھیلنا ' پردہ وغیرہ کے مفصل تذکرے اُس کے کلام میں ملتے ہیں - اُس کے معاصرین اور دوسرے مشہور لوگوں کے نام اُس کے کلام میں جگہ جگہ آئے ہیں - حتیٰ کہ اس زمانے کے مشہور حسینوں کے بھی نام اُس نے لکھ دیے ہیں - جو شخص اُس زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اُس کے لیے سودا کے کلام میں بڑا مفید اور کار آمد مسالا موجود ہے - جو حالات تاریخ کی ضخیم کتابوں میں نہیں ملیں گے وہ سب اس میں موجود ہیں - سودا کے موضوعات شاعری میں بڑا تنوع ہے - ہم نہایت آسانی سے اُس زمانے کے شعرا کا محور افکار معلوم کر سکتے ہیں اور اس طرح ہمارے شاعروں کے شاعرانہ دماغ کی سرگزشت لکھ سکتے ہیں - اُس کے کے کلام میں عاشقانہ مضامین ہیں - اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہیں - مدح و قدح کا تو وہ بادشاہ تھا ' اُس نے اُس کے اظہار کے گوناگوں پہلو اور نئے رنگ اسلوب نکالے - بعض نظموں میں اپنے اصلاحی خیالات بھی پیش کیے ہیں مثلاً ایہام گوئی کی مذمت کی ہے اور اس کا مضحکہ اُڑا کر اُس کا زور توڑ دیا ہے —

ظرافت سودا کی طبیعت کا خاص وصف ہے - اس کے آثار اُس کے کلام میں جابجا نظر آتے ہیں جو پڑھنے والوں کو سرور و انبساط بخشتے ہیں - اس قسم کا کلام ہمارے ادب میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہماری ادبیات کے روکھے پن کو کم کرتا ہے —

تخیل کی قوت سودا میں زبردست تھی - اس نے اس کی پرواز

کو حد کمال تک پہنچا دیا - اپنے خیالات و مضامین میں ایسے نازک و لطیف پہلو پیدا کیے ہیں کہ قوت متخیلہ کے زور و کمال پر حیرت ہوتی ہے - ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک معمولی شخص اور شاعر کے زاویۂ نگاہ اور نقطۂ خیال میں کیا فرق ہے - تخیل کے ساتھ ایجاد کی قوت اس میں موجود تھی- اس نے نہ صرف خیالات و مضامین میں جدت طرازیاں کی ہیں بلکہ زبان و بیان میں بھی ایسی جدت آمیز تراش خراش کی ہے اور زبان کی تشکیل و ترکیب اس ڈھنگ سے کی ہے کہ ہمیں اُس کی زبان سازی کی عظیم الشان قوت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے - ہندی محاورات کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کو اس طرح ترکیب دیا ہے اور نئے نئے الفاظ اس طرح وضع کیے ہیں اور بے شمار اصطلاحات اس خوبی سے استعمال کی ہیں کہ ہمیں بڑی لوچ دار اور خوبصورت زبان مل گئی اور بہت سے قاعدے اور ضابطے الفاظ سازی کے ہمارے ہاتھ لگے' جن کی روشنی میں ہم اب بھی اپنی زبان میں نئے نئے الفاظ اور علمی و اصطلاحی لغات وضع کرکے اُس کو مالدار بنا سکتے ہیں- سودا نہ صرف زبان کے استعمال پر قادر تھا بلکہ اُس کو اُس کے بنانے پر بھی حاکمانہ قدرت حاصل تھی - اُس نے صدہا الفاظ کو استعمال کرکے ہماری زبان میں رواج دیا اور بہتیرے الفاظ وضع کرکے داخل کیے جن میں بعض تو مردہ ہوگئے ہیں لیکن بکثرت ایسے موجود ہیں جن کو ہم بے تکلف استعمال کرتے ہیں - ان کے رواج میں خود اُس کے کلام نے اور اُس کے نامور شاگردوں نے بڑا کام کیا اور اُن کو عام اور ٹکسالی بنا دیا —

شاعر کی اہمیت کا اندازہ ایک اور لحاظ سے کیا جاتا ہے اور وہ اُس کے کلام کی لفظیات ہے - یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر نے اپنے کلام میں کس قدر الفاظ

استعمال کیے ہیں اور اُن کو اپنے کلام میں کس طرح خوش سلیقگی اور شائستگی سے لاکر مقبول و مروج کردیا- اس لحاظ سے بھی سودا کا رتبہ بہت بلند ہے- اُس کے کلام کے موضوعات چونکہ بہت متنوع ہیں اِس لیے اُس کو متنوع اقسام کے الفاظ و محاورات سے جابجا کام لینا پڑا- اُس کے کلام میں جتنے الفاظ استعمال ہوے ہیں اتنے اُس کے کسی ہم عصر شاعر کے کلام میں نہیں ملتے - اُس نے اکثر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اُس سے قبل کبھی اردو شاعری میں استعمال نہیں کیے گئے تھے اور صرف بول چال میں برتے جاتے تھے - اُس نے بکثرت الفاظ کو کام میں لاکر اُن کو ادبی حیثیت دی اور اُن کی اہمیت نہایت موثر انداز میں نافذ کی - یہ ضرور ہے کہ اُن میں سے بعض الفاظ بعد کو متروکات کی سرحد میں داخل ہوگئے لیکن یہ ایک قدرتی امر ہے اور ہر زبان کے ساتھ ہوتا ہے، مگر متروکات میں ہمارے سخن سنجوں نے ایک بڑی ستم ظریفی یہ کی کہ اپنے موضوع شاعری یعنی غزل کے لحاظ سے چیدہ چیدہ مترنم اور خوش نما الفاظ لے لیے اور بقیہ دفتر کو نظری کر دیا - اُن کی ضروریات کے لیے یہ ذخیرہ بے شبہ کافی تھا لیکن اب جب کہ ہماری ادبی و علمی ضروریات کا دائرہ وسیع ہورہا ہے، اور ہماری قدیم غزل کی زبان نہایت حقیر اور بے مایہ نظر آتی ہے تو ہمیں متروکات کے دفتر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جہاں بکثرت ایسے الفاظ ملتے ہیں جن سے ہمارے بڑے بڑے کام نکل سکتے ہیں اور ہمیں غیر ملکی، غریب، اجنبی اور غیر مانوس جدید الفاظ کے تسلط سے نجات ملتی ہے- اس نقطۂ نظر سے سودا کا کلام خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہماری لفظیات میں بڑے جاندار الفاظ کا اضافہ کرتا ہے —

اُس نے ملکی اور غیر ملکی مضامین و تلمیحات سے اپنی زبان کو مالا مال کردیا - اور اُس کی آرائش کے لیے معانی و بیان سے بھی کام لیا اور صنائع بدائع کے استعمال سے بہت سی راہیں بتائیں - اُس کے کلام کا سلسلہ وار مرتب ہونا بھی ممکن ہے اس لیے اُس کے خیالات اور زبان و بیان کا ارتقا بھی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے - اس طرح ہم شاعر کی دماغی ترقی اور نشو و نما کا حال معلوم کر سکتے ہیں اور اسی طریقے پر اردو شاعری کا پورا دفتر کھنگال کر اپنی زبان کا لفظی، نحوی، بیانی اور عروضی ارتقا معلوم کر سکتے ہیں اور ان اثرات کو جانچ سکتے ہیں جو غیرزبانوں کے ذریعے ہماری زبان پر پڑے- ہماری ادبیات پر جو غیر ملکی تسلط ہوا ہے اُس کا اندازہ سودا کے کلام سے بخوبی ہوتا ہے -

اُس کے کلام کی اِن خصوصیات پر نظر کر کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اُردو زبان میں اُس کا خاص پایہ ہے - وہ ہماری زبان کا زبردست بانی ہے جس کو ہم فراموش نہیں کر سکتے اس کا کلام ہماری اولین ادبی و لسانی کوششوں کا آئینہ ہے، جس میں ہمیں اپنی زبان کی نشو و نما کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس جد و جہد کا پتا چلتا ہے جو ہم نے اپنی زبان کے بنانے اور سنوارنے میں کی ہے - اُس کا کلام اس زمانے کی شاعری کا ایک خاص اور مستقل نمونہ ہے جس کا اثر عرصے تک باقی اب تک موجود ہے - اِن حالات میں اُس کا کلام ایک عزیز ارث ہے جس کو ہم چھوڑ نہیں سکتے - اُس کو نظر انداز کرنا زبان کی ارتقائی کڑی کو کھو دینا ہے - اس لیے جب تک اردو زبان زندہ ہے سودا کا نام زندہ رہے گا اور اُس کا کلام ہمیشہ زندہ رہ کر ہماری رہنمائی کرتا رہے گا -

فہرست ماخذات

تاریخ

مآثر الامرا :- مولفہ صمصام الدولہ شاہ نواز خاں اورنگ آبادی

سیر المتاخرین -

تاریخ اودھ -

آئینۂ اودھ -

تاریخ فرخ آباد :- اُردو ترجمہ از کتاب ولیم آروِن -

گُل رحمت -

گلستان رحمت -

ریاض السلاطین -

آثار الصنادید -

اخبار الصنادید :- مولفہ نجم الغنی رامپوری -

تاریخ آبادیِٔ دہلی نوشتۂ درگاہ قلی خاں سنہ ۱۱۵۰ھ
(نسخۂ کتب خانہ مولوی عبدالحق صاحب) -

تاریخ مظفری مولفۂ محمد علی خاں انصاری (نسخۂ کتب خانہ مولوی عبدالحق صاحب) -

سیر طالبی -

تذکرے

نکات الشعرا ' مولفۂ میر تقی میر سنہ ۱۱۶۵ھ

تحفۃ الشعرا ' مولفۂ افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی سنہ ۱۱۶۵ھ

گلشن گفتار مولفۂ خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی سنہ ۱۱۶۵ ھ
تذکرۂ ریختہ گویاں مولفۂ فتح علی حسینی گردیزی سنہ ۱۱۶۲ ھ
مخزن نکات مولفۂ قائم سنہ ۱۱۶۸ ھ
ریاض حسینی مولفۂ فتوت اورنگ آبادی سنہ ۱۱۷۵ ھ
چمنستان شعرا مولفۂ لچھمی نرائن شفیق اورنگ‌آبادی سنہ۷۶-۱۱۷۵
گل رعنا مولفہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی سنہ ۱۱۸۸ ھ
تذکرۂ شعرا مولفۂ میرحسن دہلوی قبل سنہ ۱۱۸۸ھ مابعد سنہ۱۱۲۹
طبقات الشعرا مولفۂ قدرت اللہ شوق سنہ ۱۱۸۸ ھ
گل عجائب مولفۂ تمنا اورنگ آبادی (سنہ ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ھ)
تذکرۂ ہندی مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی قبل سنہ ۱۲۰۱ھ تا سنہ۱۲۰۹
ریاض الفصحا مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی قبل سنہ ۱۲۲۱ھ تا سنہ۱۲۲۹
عقد ثریا مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی سنہ ۱۱۹۹ ھ
عمدۂ منتخبہ مولفۂ سرور سنہ ۱۲۱۶ ھ - ۱۲۱۹ ھ
مجموعۂ نغز مولفۂ قدرت اللہ قاسم سنہ ۱۲۲۱ ھ
مجمع الانتخاب مولفۂ شاہ کمال سنہ ۱۲۱۹ ھ
گلزار ابراہیم مولفۂ علی ابراہیم خلیل سنہ ۹۸ - ۱۱۹۷ ھ
گلشن ہند مولفۂ علی لطف سنہ ۱۲۱۵ ھ
گلشن ہند مولفۂ حیدر بخش حیدری سنہ ۱۲۱۵ ھ
گلشن بے خار مولفۂ نواب مصطفی خاں شیفتہ سنہ ۱۲۵۰ ھ
طور کلیم مولفۂ نواب صدیق حسن خاں سنہ ۱۲۹۸ ھ
گلشن بے خزاں سنہ ۱۲۹۱ ھ

تاریخ شعرائے اردو مولفہ منشی کریم الدین و فیلن سنہ ۱۸۴۸ء
آب حیات مولفہ آزاد دہلوی سنہ ۱۸۸۸ ع
حالات سودا مولفہ احمد حسین خاں لاہور
خطبات گارساں دتاسی
فہرست مخطوطات اردو برٹش میوزیم
فہرست مخطوطات اردو انڈیا آفس
فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان
فہرست کتب خانہ شاہان اودھ
خزانۂ عامرہ مولفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۷۶ ھ
سرو آزاد مولفہ غلام علی آزاد بلگرامی سنہ ۱۱۶۶ ھ

لسانیات :-

دریائے لطافت مولفہ انشاءاللہ خاں انشا
شمس البیان مولفہ مرزا جان طپش
رسالۂ قواعد اردو مولفۂ مولوی امام بخش
رسالہ جات جان گلکرسٹ
وضع اصطلاحات مصنفۂ مولوی وحید الدین سلیم

دواوین :—

دیوان حاتم
دیوان آبرو
دیوان فغاں
دیوان تاباں

دیوان درد

دیوان آتش

کلیات ناسخ

کلیات مہر

کلیات قائم

کلیات سوز

نسخ کلیات سودا (قلمی)

کلیات سودا مکتوبہ ۱۱۷۴ھ (کتب خانۂ مولانا تراب صدر یار جنگ بہادر

کلیات سودا مکتوبہ ۳ محرم ۱۲۵۲ھ کاتب میر حیات علی ولد میر امام علی

کلیات سودا مکتوبہ ۱۲۳۲ھ

کلیات سودا مکتوبہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ

کلیات سودا مکتوبہ رجب ۱۲۰۳ھ

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

انتخاب کلام بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

انتخاب کلام بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزلیات خوش خط سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب کلیات سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب کلیات سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزل سنہ کتابت وغیرہ ندارد

کلیات سودا سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزل (نا تمام) سنہ کتابت وغیرہ ندارد

کلیات سودا سنہ کتابت وغیرہ ندارد

رسالۂ سبیل ہدایت و قصائد وغیرہ سنہ کتابت وغیرہ ندارد

بیاض غلام حسین ہدایت وافسق اورنگ آبادی (جس میں سودا کے مختلف قصیدے تاریخ وار یعنی سنہ ۱۱۹۴ تا سنہ ۱۱۹۹ھ درج ہیں)۔

انتخاب کلام سودا بہ شکل بیاض

انتخاب کلام سودا بہ شکل بیاض کہنہ

کلیات سودا کتب خانۂ آصفیہ نشان ۹۸ مکتوبہ سنہ ۱۲۳۷ ھ

کلیات سودا کتب خانۂ آصفیہ نشان ۵۸۵ دیگر سہ نسخ

کلیات سودا ناقص کرم خوردہ کتب خانۂ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

کلیات سودا انڈیا آفس نشان ۱۴۹

مطبوعہ دواوین سودا :—

انتخاب کلیات سودا مطبوعہ نستعلیق ٹائپ کلکتہ

کلیات سودا مطبع نا معلوم مطبوعۂ سنہ ۱۲۷۱ ھ

کلیات سودا مطبوعۂ نولکشور (مختلف ۳ اڈیشن)

منتخب دیوان سودا مرتبۂ منشی کریم الدین سنہ ۱۸۵۲ ع

انتخاب دیوان سودا مرتبۂ عماد الملک سید حسین بلگرامی

متفرق کتابیں :-

آرائش محفل شیر علی افسوس

دیباچۂ مثنوی سحر البیان شیر علی افسوس

اردو

انجمن ترقیٔ اردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن پر بے لاگ تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے —

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔ رسالے کا حجم کم سے کم ایک سو پچھتر صفحے ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکۂ انگریزی [آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ] —

المشتہر: انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اردو و سائنس

کالم	ایک بار کے لیے	چار بار کے لیے
دو کالم یعنی پورا ایک صفحہ	۸ روپے سکۂ انگریزی	۳۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۴ روپے سکۂ انگریزی	۱۵ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۴ آنے سکۂ انگریزی	۸ روپے سکۂ انگریزی

جو اشتہار چار بار سے کم چھپوائے جائیں گے اُن کی اجرت کا ہر حال میں پیشگی وصول ہونا ضروری ہے البتہ جو اشتہار چار یا چار سے زیادہ بار چھپوایا جائے گا اُن کے لیے یہ رعایت ہوگی کہ مشتہر نصف اجرت پیشگی بھیج سکتا ہے اور نصف چاروں اشتہار چھپ جانے کے بعد۔ مدیر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ سبب بتائے بغیر کسی اشتہار کو شریک اشاعت نہ کرے یا اگر کوئی اشتہار چھپ رہا ہو تو اُس کی اشاعت کو ملتوی یا بند کردے —

رسالے کے جس صفحے پر اشتہار شائع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونے کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ پورا رسالہ لینا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی برائے رسالۂ اردو۔ اور برائے رسالۂ سائنس بحساب ایک روپیہ آٹھ آنے سکۂ انگریزی اس کے علاوہ لی جائے گی —

المشتہر منیجر انجمن ترقیٔ اردو اورنگ آباد دکن